

اسلام اور ہماری زندگی

(مجموعہ خطبات و تحریرات)

جلد نمبر ۱

اسلامی زندگی کے سنہری آداب

PDFBOOKSFREE.PK

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دہشت کاظم

ادارہ اسلامیات

ہماری روزمرہ زندگی اور اس میں الجھنوں اور پریشانیوں کا حل قرآن و سنت میں پوشیدہ ہے ہم افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اسلام کی بیش بہا تعلیمات کے مطابق کس طرح اعتدال کی راہ اختیار کر سکتے ہیں؟ کس طرح ایک خوشگوار زندگی گزار سکتے ہیں جس میں دین و دنیا کی راحتیں میسر ہوں اور دل کا سکون نصیب ہو؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب ہر مسلمان ڈھونڈ رہا ہے۔ ”اسلام اور ہماری زندگی“ انہی سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئین کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالب دُعا سعید خان

ایڈمن پاکستان ورچوئل لائبریری

www.pdfbooksfree.pk

اسلام اور ہماری زندگی
اسلامی زندگی کے سنہری آداب
جلد ۷

ہماری روزمرہ زندگی اور اس میں اُلجھنوں اور پریشانوں کا حل قرآن و سنت میں پوشیدہ ہے۔ ہم افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اسلام کی بیش بہا تعلیمات کے مطابق کس طرح اعتدال کی راہ اختیار کر سکتے ہیں؟ کس طرح ایک خوشگوار زندگی گزار سکتے ہیں جس میں دین و دنیا کی راحتیں میسر ہوں اور دل کا سکون نصیب ہو؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب ہر مسلمان ڈھونڈ رہا ہے۔ ”اسلام اور ہماری زندگی“ انہی سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے۔

اسلام اور ہماری زندگی

مجموعہ خطبات و تحریرات

جلد ۷

اسلامی زندگی کے سنہری آداب

شیخ الاسلام جٹس مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

ادارۃ اسلامیات

☆ ۱۳ دینا ناتھ سیشن مال روڈ، لاہور ☆ ۹۰ انارکلی، لاہور، پاکستان ☆ مہمن روڈ چوک روڈ بازار، کراچی
فون ۳۷۳۲۴۱۲ فیکس ۳۷۳۲۴۸۵-۳۷۳۲۴۸۶ فون ۳۷۳۲۴۹۹۱-۳۷۳۲۴۵۵ فون ۳۷۳۲۴۰۱

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔



ہندوستان میں جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ کسی فرد یا ادارے کو بلا اجازت اشاعت کی اجازت نہیں

نام کتاب

اسلام اور ہماری زندگی

محکمۂ خطبات و تحریرات

جلد ۷

اسلامی زندگی کے نہری آداب

اشاعت اول

جاری الاثنی عشر۱۳۳۱ھ - جون ۲۰۱۰ء

ادارۃ ایشیہ پبلشرز، بک سیلرز، کمپیوٹرز

۱۳- دینا ناٹھ مینشن، مال روڈ، لاہور فون ۳۷۳۳۳۱۲ فیکس ۳۷۳۳۳۸۵ +۹۲-۴۲-۳۷۳۳۳۸۵

۱۹۰- انارکلی، لاہور - پاکستان فون ۳۷۳۳۳۹۹۱ - ۳۷۳۵۳۲۵۵

موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی - پاکستان فون ۳۷۳۳۳۰۱

www.idaraeislamiat.com

E-mail: idara.e.islamiat@gmail.com

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم، کورنگی، کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم، کورنگی، کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دارالعلوم، جامعہ دارالعلوم، کورنگی، کراچی نمبر ۱۴

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، اردو بازار، کراچی

دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی نمبر ۱

بیت القرآن، اردو بازار، کراچی نمبر ۱

بیت العلوم، ناٹھ روڈ، لاہور

ہماری روزمرہ زندگی اور اس میں اُلجھنوں اور پریشانیوں کا حل قرآن و سنت میں پوشیدہ ہے۔ ہم افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اسلام کی بیش بہا تعلیمات کے مطابق کس طرح اعتدال کی راہ اختیار کر سکتے ہیں؟ کس طرح ایک خوشگوار زندگی گزار سکتے ہیں جس میں دین و دنیا کی راحتیں میسر ہوں اور دل کا سکون نصیب ہو؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب ہر مسلمان ڈھونڈ رہا ہے۔ ”اسلام اور ہماری زندگی“ انہی سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے۔

اسلام اور ہماری زندگی

مجموعہ خطبات و تحریرات

جلد ۷

اسلامی زندگی کے سنہری آداب

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

مرتب

مولانا محمد اویس سرور صاحب

ادان اسلامیت

☆ ۱۳ دینا ناتھ سیشن مال روڈ، لاہور ☆ ۱۹۰ انارکلی، لاہور، پاکستان ☆ موبن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
فون ۳۷۳۳۳۱۲ فیکس ۳۷۳۳۳۸۵ ۹۲۰۲۲۰۳۷۳۳۳۹۹۱ فون ۳۷۳۳۳۵۱ ۳۷۳۳۳۵۰ فون ۳۷۳۳۳۰۱

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۳۰	کھانے کے وقت عافیت، پانچویں نعمت	۱۷	کھانے کے آداب
۳۰	دوستوں کے ساتھ کھانا، چھٹی نعمت	۱۸	”معاشرت“ کی اصلاح کے بغیر دین ناقص ہے
۳۰	یہ کھانا عبادتوں کا مجموعہ ہے	۱۸	حضور ہر چیز سکھا گئے
۳۱	نفل کام کی تلافی	۱۹	کھانے کے تین آداب
۳۲	دستر خوان اٹھاتے وقت کی دعا	۱۹	پہلا ادب ”بسم اللہ“ پڑھنا
۳۳	کھانے کے بعد کی دعا پڑھ کر گناہ معاف کرا لیں	۲۰	شیطان کے قیام و طعام کا انتظام مت کرو
۳۳	عمل چھوٹا، ثواب عظیم	۲۰	گھر میں داخل ہونے کی دعا
۳۴	کھانے کے اندر عیب مت نکالو	۲۱	بڑا پہلے کھانا شروع کرے
۳۴	کوئی برائی نہیں قدرت کے کارخانے میں	۲۲	شیطان کھانا حلال کرنا چاہتا تھا
۳۵	ایک بادشاہ ایک مکھی	۲۳	بچوں کی تربیت کریں
۳۵	ایک بچھو کا واقعہ	۲۳	شیطان نے قے کر دی
۳۷	نجاست میں پیدا ہونے والے کیڑے	۲۴	یہ کھانا اللہ کی نعمت ہے
۳۷	رزق کی ناقدری مت کرو	۲۴	یہ کھانا تم تک کس طرح پہنچا؟
۳۸	حضرت تھانویؒ اور رزق کی قدر	۲۵	مسلمان اور کافر کے کھانے میں امتیاز
۳۸	دستر خوان جھاڑنے کا صحیح طریقہ	۲۵	زیادہ کھانا کمال نہیں
۳۹	آج ہمارا حال	۲۶	جانور اور انسان میں فرق
۴۰	سرکہ بھی ایک سالن ہے	۲۶	حضرت سلیمان علیہ السلام کی مخلوق کی دعوت
۴۰	آپؐ کے گھر کی حالت	۲۷	کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرو
۴۱	حضورؐ نعمت کی قدر فرماتے تھے	۲۸	ہر کام کرتے وقت زاویہ نگاہ بدل لو
۴۱	کھانے کی تعریف کرنی چاہیے	۲۸	کھانا، ایک نعمت
۴۱	پکانے والے کی تعریف کرنی چاہیے	۲۹	کھانے کی لذت
۴۲	ہدیہ کی تعریف کیجیے	۲۹	عزت سے کھانا ملنا، تیسری نعمت
۴۳	بندوں کا شکریہ ادا کر دو	۲۹	بھوک لگنا، چوتھی نعمت
۴۳	حضورؐ کا سوتیلے بیٹے کو ادب سکھانا		

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۵۹	بشرطیکہ اس سنت کا مذاق نہ اڑایا جائے	۴۴	اپنے سامنے سے کھانا ادب ہے
۶۰	ایک سبق آموز واقعہ	۴۴	کھانے کے درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے
۶۱	اس وقت مذاق کی پرواہ نہ کرے	۴۵	اگر مختلف اشیاء ہوں تو آگے ہاتھ بڑھا سکتے ہیں
۶۱	بلا ضرورت میز کرسی پر نہ کھائے	۴۶	بائیں ہاتھ سے کھانا جائز نہیں
۶۱	چار پائی پر کھانا	۴۷	غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگ لینی چاہیے
۶۲	کھانے کے وقت باتیں کرنا	۴۸	اپنی غلطی پر اڑنا درست نہیں
۶۲	کھانے کے بعد ہاتھ پونچھ لینا جائز ہے	۴۹	بزرگوں کی شان میں گستاخی سے بچو
۶۳	کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینا سنت ہے	۴۹	دو کھجوریں ایک ساتھ مت کھاؤ
۶۳	برکت کیا چیز ہے؟	۵۰	مشترک چیز کے استعمال کا طریقہ
۶۴	اسباب میں راحت نہیں	۵۰	پلیٹ میں کھانا احتیاط سے نکالو
۶۴	راحت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے	۵۱	ریل میں زائد نشست پر قبضہ کرنا جائز نہیں
۶۵	کھانے میں برکت کا مطلب	۵۱	ساتھ سفر کرنے والے کے حقوق
۶۵	کھانے کے باطن پر اثرات	۵۲	مشترک کاروبار میں حساب کتاب شرعاً ضروری ہے
۶۵	کھانے کے اثرات کا واقعہ	۵۲	ملکیتوں میں امتیاز شرعاً ضروری ہے
۶۶	ہم مادہ پرستی میں پھنسے ہوئے ہیں	۵۳	حضرت مفتی صاحب اور ملکیت کی وضاحت
۶۷	کیا انگلیاں چاٹ لینا شائستگی کے خلاف ہے؟	۵۳	مشترک چیزوں کے استعمال کا طریقہ
۶۷	تہذیب اور شائستگی سنتوں میں منحصر ہے	۵۴	مشترکہ بیت الخلاء کا استعمال
۶۷	کھڑے ہو کر کھانا بد تہذیبی ہے	۵۴	غیر مسلموں نے اسلامی اصول پنا لیے
۶۸	فیشن کو بنیاد مت بناؤ	۵۵	ایک انگریز خاتون کا واقعہ
۶۸	تین انگلیوں سے کھانا سنت ہے	۵۶	غیر مسلم قومیں کیوں ترقی کر رہی ہیں؟
۶۸	انگلیاں چاٹنے میں ترتیب	۵۶	ٹیک لگا کر کھانا خلاف سنت ہے
۶۹	کب تک ہنسے جانے سے ڈرو گے؟	۵۷	اکڑوں بیٹھ کر کھانا مسنون نہیں
۶۹	یہ طعنہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت ہے	۵۷	کھانے کی بہترین نشست
۷۰	اتباع سنت پر عظیم بشارت	۵۸	چارزانوں بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے
۷۱	اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنالیں گے	۵۸	میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا
۷۱	انگلیاں دوسرے کو بھی چٹوانا جائز ہے	۵۸	زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۸۹	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام	۷۲	کھانے کے بعد برتن چاٹنا
۸۹	داہنی جانب باعث برکت ہے	۷۲	ورنہ چمچے کو چاٹ لے
۹۰	داہنی جانب کا اہتمام	۷۳	گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھالینا چاہیے
۹۱	بہت بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پینا	۷۳	حضرت حذیفہ بن یمانؓ کا واقعہ
۹۱	ممانعت کی دو وجوہات	۷۴	اپنا لباس نہیں چھوڑیں گے
۹۲	حضورؐ کی اپنی امت پر شفقت	۷۴	تکوار دیکھ لی، بازو بھی دیکھ
۹۲	مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینا	۷۵	ان احمقوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں؟
۹۳	حضورؐ کے ہونٹ جس چیز کو چھولیں	۷۵	یہ ہے فاتح ایران
۹۳	یہ بات متبرک ہو گئے	۷۶	کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملادیا
۹۳	تبرکات کی حیثیت	۷۶	مذاق اڑانے کے ڈر سے سنت چھوڑنا کب جائز ہے
۹۴	متبرک دراہم	۷۷	کھانے کے دوران اگر کوئی مہمان آجائے تو؟
۹۴	حضورؐ کا مبارک پسینہ	۷۸	سائل کو ڈانٹ کر مت بھگاؤ
۹۴	حضورؐ کے مبارک بال	۷۸	ایک عبرت آموز واقعہ
۹۵	صحابہ کرامؓ اور تبرکات	۸۰	حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد
۹۵	بت پرستی کی ابتداء	۸۰	سنتوں پر عمل کریں
۹۶	تبرکات میں اعتدال ضروری ہے	۸۲	پینے کے آداب
۹۶	بیٹھ کر پانی پینا سنت نبویؐ ہے	۸۳	پانی خدائی نظام کا کرشمہ
۹۷	کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے	۸۴	پوری سلطنت کی قیمت ایک گلاس پانی
۹۷	بیٹھ کر پینے کی فضیلت	۸۵	شہنشاہ پانی، ایک عظیم نعمت
۹۸	سنت کی عادت ڈال لو	۸۵	تین سانس میں پانی پینا
۹۸	نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے	۸۶	حضورؐ کی مختلف شانیں
۹۹	زمزم کا پانی کس طرح پیا جائے؟	۸۶	پانی پیو، ثواب کماؤ
۹۹	زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی بیٹھ کر پینا افضل ہے	۸۷	مسلمان ہونے کی علامت
۱۰۰	کھڑے ہو کر کھانا	۸۷	منہ سے برتن ہٹا کر سانس لو
۱۰۰	کھڑے ہو کر کھانے سے بچئے	۸۸	ایک عمل میں کئی سنتوں کا ثواب
		۸۸	دائیں طرف سے تقسیم شروع کرو

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۱۱۴	حضرت عمرؓ پر جبہ کا اثر	۱۰۲	دعوت کے آداب
۱۱۵	آج کل کا ایک اور پروپیگنڈہ	۱۰۳	دعوت قبول کرنے کا مقصد
۱۱۵	ظاہر اور باطن دونوں مطلوب ہیں	۱۰۳	دال اور خٹکے میں نورانیت
۱۱۵	ایک خوبصورت مثال	۱۰۴	دعوت کی حقیقت ”محبت کا اظہار“
۱۱۶	دنیاوی کاموں میں ظاہر بھی مطلوب ہے	۱۰۴	دعوت یا عداوت
۱۱۶	یہ شیطان کا دھوکہ ہے	۱۰۵	اعلیٰ درجے کی دعوت
۱۱۷	شریعت نے کوئی لباس مخصوص نہیں کیا	۱۰۵	متوسط درجے کی دعوت
۱۱۷	لباس کے چار بنیادی اصول	۱۰۵	ادنیٰ درجے کی دعوت
۱۱۷	لباس کا پہلا بنیادی مقصد	۱۰۵	دعوت کا انوکھا واقعہ
۱۱۸	لباس کے تین عیب	۱۰۶	محبت کا تقاضا ”راحت رسانی“
۱۱۸	آج کل کا ننگا پہناوا	۱۰۷	دعوت کرنا ایک فن ہے
۱۱۹	خواتین ان اعضاء کو چھپائیں	۱۰۷	دعوت قبول کرنے کی شرط
۱۱۹	گناہوں کے برے نتائج	۱۰۸	کب تک ہتھیار ڈالو گے؟
۱۲۰	قرب قیامت میں خواتین کی حالت	۱۰۹	پردہ دار خاتون اچھوت بن جائے؟
۱۲۰	کھلم کھلا گناہ کرنے والے	۱۰۹	دعوت قبول کرنے کا شرعی حکم
۱۲۱	سوسائٹی کو چھوڑ دو	۱۰۹	دعوت کے لیے نفلی روزہ توڑنا
۱۲۲	ایک قرآنی واقعہ	۱۱۰	بن بلائے مہمان کا حکم
۱۲۲	ہم ”بیک ورڈ“ ہی سہی	۱۱۰	وہ شخص چوراہے پر لٹیرا ہے
۱۲۳	یہ طعنے مسلمان کے لیے مبارک ہیں	۱۱۱	میزبان کے بھی حقوق ہیں
۱۲۴	لباس کا دوسرا مقصد	۱۱۱	پہلے سے اطلاع کرنی چاہیے
۱۲۴	اپنا دل خوش کرنے کے لیے قیمتی لباس پہننا	۱۱۱	مہمان بلا اجازت روزہ نہ رکھے
۱۲۵	مالدار کو اچھے کپڑے پہننا چاہیے	۱۱۲	مہمان کو کھانے کے وقت پر حاضر رہنا چاہیے
۱۲۵	حضورؐ کا قیمتی لباس پہننا	۱۱۲	میزبان کو تکلیف دینا گناہ کبیرہ ہے
۱۲۶	نمائش اور دکھاوا جائز نہیں	۱۱۳	لباس کے شرعی اصول و آداب
۱۲۶	یہاں شیخ کی ضرورت ہے	۱۱۳	موجودہ دور کا پروپیگنڈہ
۱۲۶	اسراف اور تکبر سے بچئے	۱۱۴	ہر لباس اپنا اثر رکھتا ہے

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۱۳۱	علماء محققین کا صحیح قول	۱۲۷	فیشن کے پیچھے نہ چلیں
۱۳۲	سفید رنگ کے کپڑے پسندیدہ ہیں	۱۲۷	من بھاتا کھاؤ، من بھاتا پہنو
۱۳۲	حضور کا سرخ دھاری دار کپڑے پہننا	۱۲۸	خواتین اور فیشن پرستی
۱۳۳	خالص سرخ کپڑے مرد کے لیے جائز نہیں	۱۲۸	حضرت امام مالکؒ اور نئے جوڑے
۱۳۳	آپ کا سبز کپڑے پہننا	۱۲۹	حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ
۱۳۴	آپ کے عمامے کے رنگ	۱۳۰	دوسرے کا دل خوش کرنا
۱۳۴	آستین کہاں تک ہونی چاہیے	۱۳۰	لباس کے بارے میں تیسرا اصول
۱۳۶	بیمار کی عیادت کے آداب	۱۳۱	”نشبہ“ کی حقیقت
۱۳۶	بیمار پر سی ایک عبادت ہے	۱۳۱	گلے میں زنا رڈالنا
۱۳۷	سنت کی نیت سے بیمار پر سی کریں	۱۳۱	ماتھے پر نقشہ لگانا
۱۳۷	ایک شیطانی حربہ	۱۳۲	پتلون پہننا
۱۳۸	صلہ رحمی کی حقیقت	۱۳۲	تشمہ اور مشابہت میں فرق
۱۳۹	بیمار پر سی کی فضیلت	۱۳۳	حضور کا مشابہت سے دور رہنے کا اہتمام
۱۳۹	ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں حاصل کریں	۱۳۳	مشرکین کی مخالفت کرو
۱۵۰	اگر بیمار سے ناراضگی ہو تو	۱۳۴	مسلمان ایک ممتاز قوم ہے
۱۵۰	مختصر عیادت کریں	۱۳۵	یہ بے غیرتی کی بات ہے
۱۵۱	یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے	۱۳۵	انگریزوں کی تنگ نظری
۱۵۱	حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا واقعہ	۱۳۶	تم اپنا سب کچھ بدل ڈالو، لیکن
۱۵۲	عیادت کے لیے مناسب وقت کا انتخاب کرو	۱۳۶	اقبال مرحوم کا مغربی زندگی پر تبصرہ
۱۵۲	بے تکلف دوست زیادہ دیر بیٹھ سکتا ہے	۱۳۷	تشمہ اور مشابہت دونوں سے بچو
۱۵۳	مریض کے حق میں دعا کرو	۱۳۷	لباس کے بارے میں چوتھا اصول
۱۵۳	”بیماری“ گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے	۱۳۸	ٹخنے چھپانا جائز نہیں
۱۵۴	حصول شفا کا ایک عمل	۱۳۸	ٹخنے چھپانا تکبر کی علامت ہے
۱۵۵	ہر بیماری سے شفا	۱۳۹	انگریز کے کہنے پر گھٹنے بھول کھول دیے
۱۵۵	عیادت کے وقت زاویہ نگاہ بدل لو	۱۴۰	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ
۱۵۶	دین کس چیز کا نام ہے؟	۱۴۰	اگر دل میں تکبر نہ ہو تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۱۶۷	حضور اقدس کا جواب نہ دینا	۱۵۶	عیادت کے وقت ہدیہ لے جانا
۱۶۸	چھینکنے والا بھی دعا دے	۱۵۷	جنازے کے آداب اور چھینکنے کے آداب
۱۶۸	ایک چھینک پر تین مرتبہ ذکر	۱۵۷	جنازے کے پیچھے چلنے کی فضیلت
۱۶۹	کمزور اور مظلوم کی مدد کرنا	۱۵۸	جنازے میں شرکت کے وقت نیت کیا ہو؟
۱۶۹	مظلوم کی مدد واجب ہے	۱۵۸	جنازے کے ساتھ چلتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا
۱۷۰	وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے گا	۱۵۹	جنازہ اٹھاتے وقت موت کا مراقبہ کریں
۱۷۰	عذاب کی مختلف شکلیں	۱۵۹	جنازے کے آگے نہ چلیں
۱۷۰	احساس مرگ کو کچل دیتے ہیں آلات	۱۵۹	جنازے کو کندھا دینے کا طریقہ
۱۷۰	ایک عبرتناک واقعہ	۱۶۰	جنازے کو تیز قدم سے لے کر چلنا
۱۷۱	مسلمان کی مدد کرنے کی فضیلت	۱۶۱	جنازہ زمین پر رکھنے تک کھڑے رہنا
۱۷۱	زمین والوں پر رحم کرو آسمان والے تم پر رحم کرے گا	۱۶۱	اسلامی الفاظ اور اصطلاحات
۱۷۲	قسم کھانے والے کی مدد کرنا	۱۶۱	اسلامی اصطلاحات سے ناواقفی کا نتیجہ
۱۷۳	سلام کرنے کے آداب	۱۶۲	انگریزی الفاظ کا رواج
۱۷۳	سات باتوں کا حکم	۱۶۲	آج "معارف القرآن" سمجھ میں نہیں آتی
۱۷۴	سلام کرنے کا فائدہ	۱۶۲	چھینکنے کے آداب
۱۷۴	سلام اللہ کا عطیہ ہے	۱۶۳	جمائی سستی کی علامت ہے
۱۷۵	سلام کرنے کا اجر و ثواب	۱۶۳	حضور اقدس کا عاجزی اور سستی سے پناہ مانگنا
۱۷۵	سلام کے وقت یہ نیت کر لیں	۱۶۴	چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے
۱۷۶	نماز میں سلام پھیرتے وقت کی نیت	۱۶۴	اللہ تعالیٰ کو مت بھولو
۱۷۶	جواب سلام سے بڑھ کر ہونا چاہیے	۱۶۵	یہ سنت مردہ ہوتی جا رہی ہے
۱۷۷	مجلس میں ایک مرتبہ سلام کرنا	۱۶۵	چھینکنے والے کا جواب دینا واجب ہے
۱۷۷	ان مواقع پر سلام کرنا جائز نہیں	۱۶۵	فرض عین اور فرض کفایہ کا مطلب
۱۷۷	دوسرے کے ذریعہ سلام بھیجنا	۱۶۶	یہ مسلمان کا ایک حق ہے
۱۷۸	تحریری سلام کا جواب واجب ہے	۱۶۶	کتنی مرتبہ جواب دینا چاہیے
۱۷۸	غیر مسلموں کو سلام کرنے کا طریقہ	۱۶۶	حضور کا طرز عمل
۱۷۹	ایک یہودی کا سلام کرنے کا واقعہ	۱۶۷	یہ جواب دینا کب واجب ہے؟

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۱۹۴	حاضر و ناظر کے عقیدے سے پکارنا	۱۸۰	حتی الامکان نرمی کرنا چاہیے
۱۹۴	”یا رسول اللہ“ کہنا ادب کے خلاف ہے	۱۸۰	سلام ایک دعا ہے
۱۹۴	حضور کے دروازے پر دستک دینا	۱۸۰	حضرت معروف کرخی کی حالت
۱۹۵	اُستاد کے دروازے پر دستک دینا	۱۸۱	حضرت معروف کرخی کا ایک واقعہ
۱۹۵	حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لیے حضورؐ کی دعا	۱۸۱	”شکریہ“ کے بجائے ”جزاکم اللہ“ کہنا چاہیے
۱۹۶	علم سیکھنے کے لیے ادب کا لحاظ	۱۸۲	سلام کا جواب بلند آواز سے دینا چاہیے
۱۹۶	جانے سے پہلے وقت لے لیں	۱۸۳	مصافحہ کے آداب
۱۹۷	میزبان کے حقوق مہمان پر	۱۸۴	حضورؐ کی شفقت
۱۹۷	حضور اقدسؐ کا ایک واقعہ	۱۸۴	حضورؐ سے دعاؤں کا حصول
۱۹۸	حضورؐ نے برا نہیں منایا	۱۸۵	حضورؐ اور تواضع
۱۹۹	فون کرنے کے آداب	۱۸۵	حضور اقدسؐ کے مصافحہ کا انداز
۱۹۹	لمبی بات کرنے سے پہلے اجازت لے لیں	۱۸۶	دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے
۲۰۰	خدمت کے آداب	۱۸۶	ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا خلاف سنت ہے
۲۰۰	افضل خدمت مخدوم کو خوش کرنا ہے	۱۸۷	موقع دیکھ کر مصافحہ کیا جائے
۲۰۱	خدمت کے لیے عقل کی ضرورت ہے	۱۸۷	یہ مصافحہ کا موقع نہیں
۲۰۱	مخدوم کی ذمہ داری	۱۸۸	مصافحہ کا مقصد ”انظہار محبت“
۲۰۲	افراط و تفریط نہ ہونا چاہیے	۱۸۸	اس وقت مصافحہ کرنا گناہ ہے
۲۰۳	سونے کے آداب	۱۸۸	یہ تو دشمنی ہے
۲۰۴	سوتے وقت وضو کر لیں	۱۸۹	عقیدت کی انتہا کا واقعہ
۲۰۴	یہ آداب محبت کا حق ہیں	۱۸۹	مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں
۲۰۴	دائیں کروٹ پر لیٹیں	۱۹۰	مصافحہ کرنے کا ایک ادب
۲۰۵	دن کے معاملات اللہ کے سپرد کر دو	۱۹۰	ملاقات کا ایک ادب
۲۰۵	سکون و راحت کا ذریعہ ”تفویض“ ہے	۱۹۰	عیادت کرنے کا عجیب واقعہ
۲۰۶	پناہ کی جگہ ایک ہی ہے	۱۹۲	ملاقات اور فون کرنے کے آداب
۲۰۷	تیر چلانے والے کے پہلو میں بیٹھ جاؤ	۱۹۳	دور سے بلانا ادب کے خلاف ہے
۲۰۷	ایک نادان بچے سے سبق لو	۱۹۳	حضور اقدسؐ پر درود و سلام کا طریقہ

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۲۲۲	سفارش، شہادت اور گواہی ہے	۲۰۷	سیدھے جنت میں جاؤ گے
۲۲۳	ممتحن سے سفارش کرن	۲۰۸	سونے اور جاگنے کی دعائیں
۲۲۳	سفارش کا ایک عجیب واقعہ	۲۰۸	نیند ایک چھوٹی موت ہے
۲۲۳	مولوی کا شیطان بھی مولوی	۲۰۹	بیدار ہونے کی دعا
۲۲۴	سفارش سے منصف کا ذہن خراب نہ کریں	۲۰۹	موت کو کثرت سے یاد کرو
۲۲۴	عدالت کے جج سے سفارش کرن	۲۱۰	اَللّٰہِ لَیْسَ اَیْہِ نَیْسَ دَیْہِ نَیْسَ
۲۲۴	سفارش پر میرا رد عمل	۲۱۰	وہ مجلس باعث حسرت ہوگی
۲۲۵	بری سفارش گناہ ہے	۲۱۱	ہماری مجلسوں کا حال
۲۲۵	سفارش کا مقصد صرف توجہ دلانا	۲۱۲	تفریح طبع کی باتیں کرنا جائز ہے
۲۲۶	یہ تو دباؤ ڈالنا ہے	۲۱۲	حضور کی شان جامعیت
۲۲۶	سفارش کے بارے میں حکیم الامت کا فرمان	۲۱۳	اظہار محبت پر اجر و ثواب
۲۲۷	مجمع میں چندہ کرنا درست نہیں	۲۱۳	ہر کام اللہ کی رضا کی خاطر کرو
۲۲۷	مدرسہ کے مہتمم کے خود چندہ کرنا	۲۱۴	حضرت مجذوب رحمہ اللہ اور اللہ کی یاد
۲۲۷	سفارش کے الفاظ کیا ہوں؟	۲۱۵	دل کی سوئی اللہ کی طرف
۲۲۸	سفارش میں دونوں طرف کی رعایت	۲۱۵	دل اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بنایا ہے
۲۲۸	سفارش معاشرے میں ایک لعنت	۲۱۶	مجلس کی دعا اور گناہ
۲۲۹	سفارش ایک مشورہ ہے	۲۱۷	سونے کو عبادت بنالو
۲۲۹	حضرت بریدہ اور حضرت مغیث کا واقعہ	۲۱۷	اگر تم اشرف المخلوقات ہو
۲۳۰	باندی کی فسخ نکاح اختیار	۲۱۷	ایسی مجلس مردار گدھا ہے
۲۳۰	حضور اقدس کا مشورہ	۲۱۸	نیند اللہ کی عطا ہے
۲۳۱	ایک خاتون نے حضور کا مشورہ رد کر دیا	۲۱۸	رات اللہ کی عظیم نعمت ہے
۲۳۲	حضور اقدس نے کیوں مشورہ دیا؟	۲۲۰	سفارش
۲۳۲	امت کو سبق دے دیا	۲۲۱	سفارش موجب اجر و ثواب ہے
۲۳۲	سفارش ناگواری کا ذریعہ کیوں ہے؟	۲۲۱	ایک بزرگ کی سفارش کا واقعہ
۲۳۲	خلاصہ	۲۲۲	سفارش کر کے احسان نہ جتلائے
		۲۲۲	سفارش کے احکام
		۲۲۲	نااہل کے لیے منصب کی سفارش

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۲۳۷	زبان پر تالہ ڈال لو	۲۳۴	گفتگو کے آداب
۲۳۷	گپ شپ میں زبان کو لگانا	۲۳۴	ذمہ دار انسان کا رویہ اختیار کرو
۲۳۷	خواتین اور زبان کا استعمال	۲۳۵	زبان عظیم نعمت ہے
۲۳۸	میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں	۲۳۵	زبان کی قدر بے زبان سے پوچھئے
۲۳۸	نجات کے لیے تین کام	۲۳۶	تمام مشینیں حرکت کر رہی ہیں
۲۳۹	گناہوں پر رو	۲۳۶	سوچ کر زبان کو استعمال کرو
۲۳۹	اے زبان! اللہ سے ڈرنا	۲۳۶	ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو رہا ہے
۲۵۰	قیامت کے روز اعضاء بولیں گے	۲۳۷	اس وقت کیوں محتاط گفتگو کرو گے؟
۲۵۱	غیر ضروری سوالات سے پرہیز کریں	۲۳۷	ذمہ دار بننے کی فکر کریں
۲۵۲	کس قسم کے سوالات سے پرہیز کیا جائے	۲۳۷	جھوٹ کی بدترین سواری
۲۵۲	فضول سوالات میں لگانا شیطان کا کام ہے	۲۳۸	لڑائیاں کیوں جنم لے رہی ہیں؟
۲۵۳	حکم شرعی کی علت کے بارے میں سوال	۲۳۸	سارے جھگڑے ختم ہو جائیں
۲۵۳	علت کے بارے میں سوال کا بہترین جواب	۲۳۹	زبان کی حفاظت کیجئے
۲۵۴	اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں میں دخل مت دو	۲۴۰	زبان کی دیکھ بھال کریں
۲۵۴	صحابہ کرامؓ "کیوں" سے سوال نہیں کیا کرتے تھے	۲۴۱	زبان ایک عظیم نعمت
۲۵۴	یہ اللہ کی محبت اور عظمت کی کمی کی دلیل ہے	۲۴۱	اگر زبان بند ہو جائے
۲۵۵	بچے اور نوکر کی مثال	۲۴۱	زبان اللہ کی امانت ہے
۲۵۷	آواز بلند نہ کیجئے	۲۴۲	زبان کا صحیح استعمال
۲۵۸	مجلس نبویؐ کا ایک ادب	۲۴۲	زبان کو ذکر سے تر رکھو
۲۵۹	دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے	۲۴۳	زبان کے ذریعہ دین سکھائیں
۲۵۹	بلند آواز سے بات کرنا پسندیدہ نہیں	۲۴۳	تسلی کا کلمہ کہنا
۲۶۰	بلند آواز سے کان میں خلل ہو جاتا	۲۴۴	زبان جہنم میں لے جانے والی ہے
۲۶۰	لاؤڈ اسپیکر کا غلط استعمال	۲۴۴	پہلے تو لو پھر بولو
۲۶۰	دین کے نام پر ناجائز کام کرنا	۲۴۵	حضرت میاں صاحبؒ کا تذکرہ
۲۶۱	ایک واعظ کا واقعہ	۲۴۵	ہماری مثال
۲۶۱	مار مار کر یہی ڈنڈا توڑ دوں گا	۲۴۶	زبان کو قبا بون کرنے کا علاج

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۲۷۵	نوافل اللہ کی محبت کا حق ہے	۲۶۲	بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا
۲۷۵	جنت اور مغفرت کی طرف دوڑو	۲۶۲	تہجد کے لیے اٹھتے وقت آپ کا انداز
۲۷۶	نیک کام کو نالو نہیں	۲۶۳	قانون کب حرکت میں آتا ہے
۲۷۶	نیک کام کا خیال "اللہ کا مہمان" ہے	۲۶۳	اللہ کے ذکر کے لیے آواز پست رکھنے کا حکم
۲۷۶	گناہ چھوڑنے کا کام مت ٹالو	۲۶۳	آواز ٹکنا بڑی نعمت ہے
۲۷۷	گناہوں سے نجات کا یہ طریقہ نہیں	۲۶۳	خلاصہ
۲۷۷	گناہ کرنے سے تسکین حاصل نہیں ہوتی	۲۶۵	گناہ کی تہمت سے بچئے
۲۷۸	توبہ کے بھروسہ پر گناہ کر لینا حماقت ہے	۲۶۵	بیوی کا اکرام کرنا چاہیے
۲۷۸	ایک نصیحت آموز واقعہ		دوسروں کے خدشات کو وضاحت کر کے دور کر دینا چاہیے
۲۷۹	اس واقعہ سے تین سبق	۲۶۶	اپنے کو مواقع تہمت سے بچاؤ
۲۷۹	جب ہاتھ پاؤں حرکت کرنے چھوڑ دیں گے	۲۶۶	مواقع تہمت سے بچنے کے دو فائدے
۲۷۹	کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟	۲۶۷	گناہ کے موقع سے بھی بچنا چاہیے
۲۸۰	کیا فقر و فاقہ کا انتظار ہے	۲۶۸	حضور کی سنت
۲۸۰	کیا مال داری کا انتظار ہے	۲۶۸	"ملا متی" فرقہ کا انداز زندگی
۲۸۰	کیا بیماری کا انتظار ہے؟	۲۶۸	ایک گناہ سے بچنے کے لیے دوسرا گناہ کرنا
۲۸۱	کیا بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟	۲۶۹	نماز مسجد میں ہی پڑھنی چاہیے
۲۸۱	یہ ہے شیوہ پیغمبری	۲۶۹	اپنا عذر ظاہر کر دیں
۲۸۲	کیا موت کا انتظار کر رہے ہو؟	۲۶۹	اس حدیث کی تشریح حضرت تھانویؒ کی زبانی
۲۸۲	کیا دجال کا انتظار کر رہے ہو؟	۲۷۰	کسی نیک کام کی تاویل کی ضرورت نہیں
۲۸۲	کیا تم قیامت کا انتظار کر رہے ہو؟	۲۷۰	خلاصہ
۲۸۲	خلاصہ	۲۷۱	صحت اور فرصت کی قدر کرلو
۲۸۳	وقت کی قدر کیجئے	۲۷۲	حضرت مفتی صاحبؒ اور حدیث بالا
۲۸۳	حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا تعارف	۲۷۳	ہر نعمت پر تین حق
۲۸۵	آپ کی اصلاح کا عجیب و غریب واقعہ	۲۷۳	صحت اور فراغت کی قدر کرلو
۲۸۶	علم حدیث میں آپ کا مقام	۲۷۴	شیطان کے بہکانے کا انداز
۲۸۷	دنیا سے آپ کی بے رغبتی اور کنارہ کشی	۲۷۴	

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۳۰۱	صحت، مالداری اور فرصت کی قدر کرو	۲۸۷	حدیث رسول کا مشغلہ
۳۰۱	صبح کو یہ دعائیں کرلو	۲۸۷	لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظمت اور محبت
۳۰۳	حضرت حسن بصریؒ	۲۸۸	آپ کی فیاضی کا عجیب واقعہ
۳۰۳	وقت سونا چاندی سے زیادہ قیمتی ہے	۲۸۹	آپ کی سخاوت اور غرباء پروری
۳۰۳	دور کعت نفل کی قدر	۲۹۰	آپ کی دریادلی کا ایک اور واقعہ
۳۰۴	مقبرے سے آواز آرہی ہے	۲۹۱	”کتاب الزہد والرقائق“ کا تعارف
۳۰۴	صرف ”عمل“ ساتھ جائے گا	۲۹۱	دو عظیم نعمتیں اور ان سے غفلت
۳۰۵	موت کی تمنامت کرو	۲۹۲	صحت کی قدر کرلو
۳۰۶	حضرت میاں صاحبؒ کا کشف	۲۹۲	صرف ایک حدیث پر عمل
۳۰۶	زیادہ باتوں سے بچنے کا طریقہ	۲۹۳	”ابھی تو جوان ہیں“ شیطانی دھوکہ ہے
۳۰۶	ہماری مثال	۲۹۳	کیا ہم نے اتنی عمر نہیں دی تھی
۳۰۷	حضرت تھانویؒ اور وقت کی قدر	۲۹۳	ڈرانے والے کون ہیں
۳۰۷	حضرت تھانویؒ اور نظام الاوقات	۲۹۴	ملک الموت سے مکالمہ
۳۰۸	”سالگرہ“ کی حقیقت	۲۹۴	جو کرتا ہے ابھی کرلو
۳۰۹	گزری ہوئی عمر کا مرثیہ	۲۹۵	دور کعت کی حسرت ہوگی
۳۰۹	کاموں کی تین قسمیں	۲۹۵	نیکوں سے میزان عمل بھرلو
۳۰۹	یہ بھی حقیقت میں بڑا نقصان ہے	۲۹۶	حافظ ابن حجرؒ اور وقت کی قدر
۳۱۰	ایک تاجر کا انوکھا نقصان	۲۹۶	حضرت مفتی صاحبؒ اور وقت کی قدر
۳۱۰	ایک بٹے کا قصہ	۲۹۷	کام کرنے کا بہترین گر
۳۱۱	موجودہ دور اور وقت کی بچت	۲۹۷	کیا پھر بھی نفس سستی کرے گا؟
۳۱۲	شیطان نے ٹیپ ٹاپ میں لگا دیا	۲۹۸	شہوانی خیالات کا علاج
۳۱۳	خواتین میں وقت کی نا قدری	۲۹۹	تمہاری زندگی کی فلم چلا دی جائے تو؟
۳۱۳	بدلہ لینے میں کیوں وقت ضائع کروں	۲۹۹	کل پر مت ٹالو
۳۱۳	حضرت میاں نور محمدؒ اور وقت کی قدر	۳۰۰	نیک کام میں جلد بازی پسندیدہ ہے
۳۱۴	معاملہ تو اس سے زیادہ جلدی کا ہے	۳۰۰	پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو
۳۱۵	حضورؐ کا دنیا سے تعلق	۳۰۰	جوانی کی قدر کرلو

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۳۳۴	اپنے نام کے ساتھ ”فاروقی“ ”صدیقی“ لکھنا	۳۱۶	دنیا میں کام کا اصول
۳۳۴	کپڑوں سے تشبیہ کیوں؟	۳۱۶	وقت سے کام لینے کا آسان طریقہ
۳۳۴	جولاءوں کا ”انصاری“ اور قصائیوں کا ”قریشی“ لکھنا	۳۱۷	اپنے اوقات کا چٹھاپناؤ
۳۳۵	نسب اور خاندان فضیلت کی چیز نہیں	۳۱۷	یہ بھی جہاد ہے
۳۳۶	”متنہی کو حقیقی بات کی طرف منسوب کریں	۳۱۸	نیک کام کو مت ٹالو
۳۳۶	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۳۱۸	دل میں اہمیت ہو تو وقت مل جاتا ہے
۳۳۸	اپنے نام کے ساتھ ”مولانا“ لکھنا	۳۱۸	اہم کام کو فوقیت دی جاتی ہے
۳۳۸	اپنے نام کے ساتھ ”پروفیسر“ لکھنا	۳۱۹	تمہارے پاس صرف آج کا دن ہے
۳۳۹	لفظ ”ڈاکٹر“ لکھنا	۳۱۹	شاید یہ میری آخری نماز ہو
۳۳۹	جیسا اللہ نے بنایا ہے ویسے ہی رہو	۳۲۰	خلاصہ کلام
۳۳۹	مالداری کا اظہار	۳۲۱	نظم و ضبط
۳۴۰	نعمت خداوندی کا اظہار کریں	۳۲۵	پاکی اور صفائی
۳۴۰	عالم کے لیے علم کا اظہار کرنا	۳۲۹	رزق کا صحیح استعمال
۳۴۲	اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں	۳۳۳	غلط نسبت سے بچئے
۳۴۶	اپنی خبر لیجئے	۳۳۳	یہ بھی جھوٹ اور دھوکہ ہے

☆ کھانے کے آداب ☆

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَحَبِيبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّم تَسْلِيمًا كَثِيرًا
أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ غُلَامًا فِي حَجَرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ يَدِي تَطِيَّشُ فِي الصُّحُفَةِ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يَا غُلَامُ سَمِعَ اللّٰهُ، وَكُلَّ يَمِينِكَ وَكُلَّ مِمَّا يَلِيكَ)) (۱)

آپ حضرات کے سامنے پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ دین اسلام نے جو احکام ہم پر عائد کئے ہیں۔ وہ پانچ شعبوں سے متعلق ہیں۔ یعنی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق، دین ان پانچ شعبوں سے مکمل ہوتا ہے، اگر ان میں سے ایک کو بھی چھوڑ دیا جائے گا تو پھر دین مکمل نہیں ہوگا، لہذا عقائد بھی درست ہونے چاہئیں، عبادات بھی صحیح طریقے سے انجام دینی چاہئیں لوگوں کے

☆ اصلاحی خطبات (۵/۱۳۶ تا ۲۱۴) بعد از نماز عصر جامع مسجد بیت المکرم، کراچی۔ مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا یہ بیان علامہ نووی کی ”رياض الصالحين“ کے ایک حصہ (کتاب أدب الطعام، باب التسمية في أوله والحمد في آخره) کا درس ہے۔ رياض الصالحين، ص: ۲۶۲

(۱) صحيح البخاری، کتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين، رقم: ۴۹۵۷، صحيح مسلم، کتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، رقم: ۳۷۶۷، سنن ابن ماجه، کتاب الأطعمة، باب الأكل باليمين، رقم: ۳۲۵۸

ساتھ لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات بھی شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں اور باطن کے اخلاق بھی درست ہونے چاہئیں۔ اور زندگی گزارنے کے طریقے بھی درست ہونے چاہئیں۔ جس کو معاشرت کہا جاتا ہے۔

”معاشرت“ کی اصلاح کے بغیر دین ناقص ہے

اب تک اخلاق کا بیان چل رہا تھا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے۔ اس میں دین کے جس شعبے کے بارے میں احادیث لائے ہیں، وہ ہے ”معاشرت“ معاشرت کا مطلب ہے دوسروں کے ساتھ زندگی گزارنا۔ زندگی گزارنے کے صحیح طریقے کیا ہیں؟ پانی کس طرح پئے؟ گھر میں کس طرح رہے دوسروں کے سامنے کس طرح رہے؟ یہ سب باتیں معاشرت کے شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے:

”آج کل لوگوں نے معاشرت کو تو دین سے بالکل خارج کر دیا ہے، اور اس میں دین کے عمل و دخل کو لوگ قبول نہیں کرتے، حتیٰ کہ جو لوگ نماز روزے کے پابند ہیں بلکہ تہجد گزار ہیں۔ ذکر و تسبیح کرنے کے پابند ہیں۔ لیکن معاشرت ان کی بھی خراب ہے۔ دین کے مطابق نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا دین ناقص ہے“

اس لئے معاشرت کے بارے میں جو احکام اور تعلیمات اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہیں۔ ان کو جاننا، ان کی اہمیت پہچاننا اور ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر چیز سکھا گئے

معاشرت کے بارے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا باب ”کھانے پینے کے آداب“ سے شروع فرمایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح زندگی کے ہر شعبے سے متعلق بڑی اہم تعلیمات ارشاد فرمائی ہیں۔ اسی طرح کھانے پینے کے بارے میں بھی اہم تعلیمات ہمیں عطا فرمائی ہیں، ایک مرتبہ ایک مشرک نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا:

”إِنِّي أَرَى صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخَرَاءَةَ“

”تمہارے نبی تمہیں ہر چیز سکھاتے ہیں، حتیٰ کہ قضاء حاجت کا طریقہ بھی سکھاتے

ہیں۔“

اس کا مقصد اعتراض کرنا تھا کہ بھلا قضاء حاجت کا طریقہ بھی کوئی سکھانے کی چیز ہے۔ یہ تو کوئی

ایسی اہم بات نہیں تھی کہ ایک نبی اور پیغمبر جیسا جلیل القدر اور عظیم الشان انسان اس کے بارے میں کچھ کہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

”قَالَ أَجَلُ أَمْرِنَا أَنْ لَا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَا نَسْتَنْجِي بِأَيْمَانِنَا“ الخ (۱)

جس چیز کو تم اعتراض کے طور پر بیان کر رہے ہو وہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے، یعنی ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں ہر چیز سکھائی ہے، یہاں تک کہ ہمیں یہ بھی سکھایا کہ جب ہم قضاء حاجت کے لئے جائیں تو قبلہ رخ نہ بیٹھیں، اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کریں۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو سب کچھ سکھاتے ہیں۔ اس لئے اگر ماں باپ اس بات سے شرماتے لگیں کہ اپنی اولاد کو پیشاب پاخانے کے طریقے کیا بتائیں تو اس صورت میں اولاد کو کبھی پیشاب پاخانے کا صحیح طریقہ نہیں آئے گا؟ اسی طرح نبی کریم ﷺ ہم پر اور آپ پر ماں باپ سے کہیں زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ اس لئے آپ نے ہمیں ہر چیز کے طریقے سکھائے۔ ان میں کھانے کا طریقہ بھی ہے۔ اور کھانے کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے ایسے ایسے آداب بیان فرمائے جن کے ذریعہ کھانا عبادت بن جائے۔ اور باعث اجر و ثواب بن جائے۔

کھانے کے تین آداب

چنانچہ یہ حدیث جو میں نے ابھی پڑھی، اس میں حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کھانے کے وقت اللہ کا نام لو۔ یعنی ”بسم اللہ“ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کے اس حصے سے کھاؤ جو تم سے قریب تر ہے، آگے ہاتھ بڑھا کر دوسری جگہ سے مت کھاؤ۔ اس حدیث میں تین آداب بیان فرمادیئے۔

پہلا ادب ”بسم اللہ“ پڑھنا

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا، شروع کرے تو اللہ کا نام لے، اور اگر کوئی شخص شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا

(۱) صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب الاستطابۃ، رقم: ۳۸۵، سنن الترمذی، کتاب الطہارۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب الاستنجاء بالحجارة رقم: ۱۶، سنن النسائی، کتاب الطہارۃ، باب النهی عن الاکتفاء فی الاستطابۃ.....، رقم: ۴۱، سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب کراہیۃ استقبال القبلة عند قضاء الحاجة رقم: ۶، سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ وسننہا، باب الاستنجاء بالحجارة والنہی عن الروث والرومۃ، رقم: ۳۱۲، مسند أحمد، رقم: ۲۲۴۹۰

تو اس کو چاہیے کہ کھانا کھانے کے دوران جب بھی بسم اللہ پڑھنا یاد آئے، اس وقت یہ الفاظ کہہ دے:

((بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ)) (۱)

یعنی اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔ اول میں بھی اللہ کا نام، اور آخر میں بھی اللہ کا نام۔

شیطان کے قیام و طعام کا انتظام مت کرو

ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے، اور کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں نہ تو تمہارے لئے رات کو رہنے کی کوئی گنجائش ہے، اور نہ ہی کھانے کے لئے کوئی گنجائش ہے، اس لئے کہ اس شخص نے گھر داخل ہوتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا، اور کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا، اس لئے نہ تو یہاں قیام کا انتظام ہے اور نہ طعام کا انتظام ہے اور اگر کسی شخص نے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا اور ویسے ہی گھر میں داخل ہو گیا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ لو بھائی تمہارے قیام کا انتظام ہو گیا تم یہاں رات گزار سکتے ہو۔ کیونکہ یہاں پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اور جب وہ شخص کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام نہیں لیتا تو اس وقت شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تمہارے طعام کا بھی انتظام ہو گیا۔ (۲)

بہر حال، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام نہ لینے سے شیطان کا عمل و دخل ہو جاتا ہے، اور گھر کے اندر اس کے قیام کا انتظام ہو جانے اور اس کا عمل و دخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ تمہیں طرح طرح سے ورغلائے گا، بہکائے گا اور گناہ پر آمادہ کرے گا۔ ناجائز کاموں پر آمادہ کرے گا اور تمہارے دل میں بدی کے خیالات اور وسوسے ڈالے گا، وہم پیدا کرے گا، اور کھانے کا انتظام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب جو کھانا تم کھاؤ گے اس میں اللہ کی طرف سے برکت نہیں ہوگی، اور وہ کھانا تمہاری زبان کے چٹخارے کے لئے تو شاید کافی ہو جائے لیکن اس کھانے کا نور اور برکت حاصل نہ ہوگی۔

گھر میں داخل ہونے کی دعا

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے دو باتوں کی تاکید فرمائی ہے۔ ایک یہ کہ جب آدمی گھر

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام، رقم: ۳۷۶۷

(۲) صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب آداب الطعام و الشراب و احکامها، رقم: ۳۷۶۲ سنن ابی

داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام، رقم: ۳۲۷۳، مسند أحمد رقم: ۱۴۲۰۳

میں داخل ہو تو اللہ کا نام لے کر داخل ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ وہ دعا پڑھے جو حضور اقدس ﷺ سے منقول ہے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللَّهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللَّهِ

خَرَجْنَا وَعَلَى اللَّهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا)) (۱)

حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”اے اللہ میں آپ سے بہترین داخلہ مانگتا ہوں کہ میرا داخلہ خیر کے ساتھ ہو، اور جب گھر سے نکلوں تو بھی خیر کے ساتھ نکلوں“ اس لئے کہ جب آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے تو اس کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ میرے پیچھے گھر میں کیا ہو گیا، ہو سکتا ہے گھر میں داخل ہونے کے بعد تکلیف کی خبر ملے، یا رنج اور صدمے اور پریشانی کی خبر ملے، چاہے وہ دنیوی پریشانی کی ہو، یا دینی پریشانی کی خبر ہو۔ اس لئے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لو کہ یا اللہ! میں گھر میں داخل ہو رہا ہوں، اندر جا کر میں اپنے گھر کو اور گھر والوں کو اچھی حالت میں پاؤں۔ اور اس کے بعد پھر ضرورت سے دوبارہ گھر سے نکلنا تو ہوگا، لیکن وہ نکلنا بھی خیر کے ساتھ ہو، کسی پریشانی یا دکھ اور تکلیف کی وجہ سے گھر سے نہ نکلنا پڑے۔ مثلاً گھر میں داخل ہونے کے بعد پتہ چلا کہ گھر والے بیمار ہیں، اب ان کے علاج اور دوا کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑا، یا گھر میں کوئی پریشانی آگئی۔ اور اب اس پریشانی کے مداوا کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑا، تو یہ اچھی حالت اور اچھے مقصد کے لئے نکلنا نہ ہوا، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا تلقین فرمادی کہ گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو۔

دعا پڑھنا یا نہ آئے تو اپنے گھر کے دروازے پر لکھ کر لگا لو، تاکہ اس کو دیکھ کر یاد آ جائے اس لئے کہ یہ دعا دنیاوی پریشانیوں سے بچانے کا سبب ہے، اور آخرت کا ثواب اور فضیلت الگ حاصل ہوگی۔ لہذا جب انسان یہ دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوا کہ میرا داخل ہونا بھی خیر کے ساتھ ہو اور میرا نکلنا بھی خیر کے ساتھ ہو تو پھر بتائیے، شیطان کی اس گھر میں قیام کرنے کی گنجائش کہاں باقی رہے گی؟ اس لئے شیطان کہتا ہے کہ اس گھر میں میرے لئے قیام کا انتظام نہیں۔

بڑا پہلے کھانا شروع کرے

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کسی کھانے میں شریک ہوتے تو ہمارا معمول یہ تھا کہ جب تک حضور اقدس ﷺ کھانا شروع نہ فرماتے، اس وقت تک ہم لوگ کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے تھے، بلکہ اس کا انتظار کرتے تھے کہ جب حضور اقدس ﷺ

کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ اس وقت ہم کھانا شروع کریں۔ (۱)
اس حدیث سے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جب کوئی چھوٹا کسی بڑے کے ساتھ کھانا کھا رہا ہو تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ چھوٹا خود پہلے شروع نہ کرے، بلکہ بڑے کے شروع کرنے کا انتظار کرے۔

شیطان کھانا حلال کرنا چاہتا تھا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کھانے کے وقت ہم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ حاضر تھے، اتنے میں ایک نو عمر بچی بھاگتی ہوئی آئی۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھوک سے بیتاب ہے، اور ابھی تک کسی نے کھانا شروع نہیں کیا تھا، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے اب تک کھانا شروع نہیں فرمایا تھا، مگر اس بچی نے آ کر جلدی سے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تو آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اس کو کھانا کھانے سے روک دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک دیہاتی آیا۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھی بھوک سے بہت بے تاب ہے، اور کھانے کی طرف لپک رہا ہے، اس نے بھی آ کر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو حضور اقدس ﷺ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا، اور اس کو بھی کھانے سے روک دیا۔ اس کے بعد پھر آپ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

((إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ إِنْ لَا يُذَكَّرُ اسْمُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ وَأَنَّهُ جَاءَ
بِهَذِهِ الْجَارِيَةِ لِيَسْتَحِلَّ بِهَا، فَأَخَذْتُ بِيَدِهَا، فَجَاءَ هَذَا الْأَعْرَابِيُّ لِيَسْتَحِلَّ
بِهِ، فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنْ يَذَّهَبْ فَيُذَكَّرَ مَعَ يَدِي مَعَ يَدِهَا)) (۲)

شیطان اس کھانے کو اس طرح اپنے لئے حلال کرنا چاہتا تھا کہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے چنانچہ اس نے اس لڑکی کے ذریعہ کھانا حلال کرنا چاہا۔ مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے بعد اس نے اس دیہاتی کے ذریعہ کھانا حلال کرنا چاہا۔ مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اللہ کی قسم شیطان کا ہاتھ اس لڑکی کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الاشریۃ، باب آداب الطعام و الشراب و احکامہما، رقم: ۳۷۶۱، سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام، رقم: ۳۲۷۴، مسند أحمد رقم: ۲۲۱۶۵

(۲) صحیح مسلم، کتاب الاشریۃ، باب آداب الطعام و الشراب و احکامہما، رقم: ۲۰۱۷

بچوں کی تربیت کریں

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ بڑے کا کام یہ ہے کہ اگر چھوٹا اس کی موجودگی میں اللہ کا نام لئے بغیر شروع کر رہا ہے تو بڑے کو چاہیے کہ وہ اس کو متنبہ کرے اور ضرورت ہو تو اس کا ہاتھ بھی پکڑ لے اور اس سے کہے کہ پہلے ”بسم اللہ“ کہو پھر کھانا کھاؤ۔ آج ہم لوگ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ کھانے پر بیٹھتے ہیں۔ لیکن اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ اولاد اسلامی آداب کا لحاظ کر رہی ہے یا نہیں؟ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث میں اس بات کی تعلیم دیدی کہ بڑے کا فرض ہے کہ وہ بچوں کی طرف نگاہ رکھے۔ اور ٹوکتا رہے، اور ان کو اسلامی آداب سکھائے، ورنہ کھانے کی برکت دور ہو جائے گی۔

شیطان نے قے کر دی

حضرت امیہ بن محشیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ کے سامنے ایک شخص کھانا کھا رہا تھا، اس نے بسم اللہ بڑھے بغیر کھانا شروع کر دیا تھا یہاں تک کہ سارا کھانا کھالیا۔ صرف ایک لقمہ باقی رہ گیا، جب وہ شخص اس آخری لقمے کو منہ کی طرف لے جانے لگا تو اس وقت یاد آیا کہ میں نے کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی۔ اور حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ جب آدمی کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران جب اس کو بسم اللہ پڑھنا یاد آ جائے اس وقت وہ ”بسم اللہ اولہ و آخرہ“ پڑھ لے، جب اس شخص نے یہ دعا پڑھی تو حضور اقدس ﷺ اس کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جس وقت یہ کھانا کھا رہا تھا تو شیطان بھی اس کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ لیکن جب اس نے اللہ کا نام لیا اور ”بسم اللہ اولہ و آخرہ“ پڑھ لیا تو شیطان نے جو کچھ کھایا تھا اس کی قے کر دی۔ اور اس کھانے میں اس کا جو حصہ تھا اس ایک چھوٹے سے جملے کی وجہ سے وہ ختم ہو گیا۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تبسم فرمایا، اور آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اگر آدمی کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو جب یاد آ جائے۔ اس وقت بسم اللہ اولہ و آخرہ پڑھ لے، اس کی وجہ سے اس کھانے سے بے برکتی زائل ہو جائے گی۔ (۱)

یہ کھانا اللہ کی نعمت ہے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لینا چاہئے اور کہنے کو تو یہ معمولی بات ہے کہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھ کر کھانا شروع کر دیا۔ لیکن اگر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ یہ اتنی عظیم الشان عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے ایک طرف تو یہ کھانا، عبادت اور باعث ثواب بن جاتا ہے۔ اور دوسری طرف اگر آدمی ذرا دھیان سے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کہہ لے۔ تو اس کی وجہ سے اللہ جل جلالہ کی معرفت کا بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھنا حقیقت میں انسان کو اس طرف متوجہ کر رہا ہے کہ جو کھانا میرے سامنے اس وقت موجود ہے یہ میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ کسی دینے والے کی عطا ہے۔ میرے بس میں یہ بات نہیں تھی کہ میں یہ کھانا مہیا کر لیتا، اور اس کے ذریعہ اپنی ضرورت پوری کر لیتا۔ اپنی بھوک مٹا دیتا، یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اس کا کرم ہے کہ اس نے مجھے یہ کھانا عطا فرما دیا۔

یہ کھانا تم تک کس طرح پہنچا؟

اور درحقیقت یہ ”بسم اللہ“ کا پڑھنا اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ ذرا غور تو کرو کہ یہ ایک نوالہ جو تم نے منہ میں رکھا اور ایک سیکنڈ میں تم نے حلق سے نیچے اتار لیا۔ اس ایک نوالے کو تمہارے منہ تک پہنچانے کے لئے کائنات کی کتنی قوتیں صرف ہوئیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ روٹی کا یہ ایک ٹکڑا کس طرح تم تک پہنچا؟ کہاں کس کاشت کار نے بیج بونے سے پہلے زمین کو نرم اور ہموار کرنے کے لئے کتنی مدت تک بیلوں کے ذریعہ ہل چلایا؟ اور پھر اس زمین کے اندر بیج ڈالا، اور پھر اس کو پانی دیا، پھر اس کے اوپر مسلسل ہوائیں چلیں، سورج نے اس کے اوپر اپنی روشنی کب ڈالیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج کر بارشیں برسائیں۔ اس کے بعد جا کر باریک اور کمزوری اچانک ایک اور کمزوری کو نہل نمودار ہوئی۔ اور وہ کو نہل اتنی کمزور کہ اگر ایک چھوٹا سا بچہ بھی اس کو اپنے ہاتھ سے دبا دے تو وہ مسل جائے۔ لیکن زمین جیسی سخت چیز کا پشت پھاڑ کر اس میں شکاف ڈال کر نمودار ہو رہی ہے، پھر اس کو نہل سے پودا بنا، اور پودے سے درخت بنا، اور پھر اس کے اوپر خوشے نمودار ہوئے۔ اور پھر اس پر غلے کے دانے پیدا ہوئے، پھر کتنے انسان اس کے توڑنے میں شریک ہوئے، اور کتنے جانوروں نے اس کو روند کر اس کے بھوسے کو الگ اور دانے کو الگ کیا، پھر وہاں سے کتنے شہروں میں ہوتا ہوا تمہارے شہر میں پہنچا اور کتنے انسان اس کی خرید و فروخت میں شریک ہوئے پھر کس نے اس گندم کو چھکی میں پیس کر آٹا بنایا اور پھر تم اس کو خرید کر اپنے گھر لائے اور کس نے اس آٹا کو گوند کر روٹی پکائی؟ اور جب

وہ روٹی تمہارے سامنے آئی تو تم نے ایک لمحے کے اندر منہ میں ڈال کر حلق سے نیچے اتار دیا۔
اب ذرا سوچو، کیا یہ تمہاری قدرت میں تھا کہ تم کائنات کی ان ساری قوتوں کو جمع کر کے روٹی کے ایک نوالے کو تیار کر کے حلق سے نیچے اتار لیتے؟ کیا آسمان سے بارش برسانا تمہاری قدرت میں تھا؟ کیا سورج کی کرنوں کو پہنچانا تمہاری قدرت میں تھا؟ کیا تمہاری قدرت میں یہ تھا کہ تم اس کمزور کو نپل کو زمین سے نکالتے؟ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّكُمْ مَّا تَحْرُثُونَ ۚ أَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ ۚ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۚ﴾ (۱)

یعنی ذرا غور کرو کہ تم جو چیز زمین میں ڈالتے ہو۔ کیا تم اس کے اگانے والے ہو۔ یا ہم اس کو اگاتے ہیں؟ تم اس کے لئے کتنے بھی پیسے خرچ کر لیتے۔ کتنے ہی وسائل جمع کر لیتے، مگر پھر بھی یہ کام تمہارے بس میں نہیں تھا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور جب اس دھیان اور استحضار کے ساتھ کھاؤ گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور ان کا کرم ہے کہ انہوں نے مجھے عطا فرمایا تو وہ سارا تمہارے لئے عبادت بن جائیگا۔

مسلمان اور کافر کے کھانے میں امتیاز

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عظیمیؒ فرمایا کرتے تھے کہ دین درحقیقت زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ ذرا سبازو یہ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائے گی۔ مثلاً یہی کھانا ”بسم اللہ“ پڑھے بغیر کھا لو۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے استحضار کے بغیر کھا لو۔ تو پھر اس کھانے کی حد تک تم میں اور کافر میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کھانا کافر بھی کھا رہا ہے اور تم بھی کھا رہے ہو؟ اس کھانے کے ذریعہ سے تمہاری بھوک دور ہو جائے گی، اور زبان کو چٹخا رہا مل جائے گا۔ لیکن وہ کھانا تمہاری دنیا ہے، دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اور جیسے گائے، بھینس، اور بکری اور دوسرے جانور کھا رہے ہیں۔ اسی طرح تم بھی کھا رہے ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

زیادہ کھانا کمال نہیں

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا ایک بڑا حکیمانہ واقعہ ہے۔ ان کے زمانے میں آریہ سماج ہندوؤں نے اسلام کے خلاف بڑا شور مچایا ہوا تھا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان آریہ سماج والوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے، تاکہ لوگوں پر حقیقت حال واضح ہو

(۱) الواقعة: ۶۳، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ”اچھا یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم زمین میں بونے ہو، کیا اسے تم اگاتے ہو یا اگانے والے ہم ہیں“

جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ایک مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک آریہ سماج کے پنڈت سے مناظرہ تھا۔ اور مناظرہ سے پہلے کھانے کا انتظام تھا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بہت تھوڑا کھانے کے عادی تھے، جب کھانا کھانے بیٹھے تو حضرت والا چند نوالے کھا کر اٹھ گئے اور جو آریہ سماج کے عالم تھے، وہ کھانے کے استاد تھے، انہوں خوب ڈٹ کر کھایا، جب کھانے سے فراغت ہوئی تو میزبان نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ حضرت آپ نے تو بہت تھوڑا سا کھانا کھایا، حضرت نے فرمایا کہ مجھے جتنی خواہش تھی اتنا کھالیا۔ وہ آریہ سماج بھی قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حضرت سے کہا کہ مولانا آپ کھانے کے مقابلے میں تو ابھی سے ہار گئے، اور یہ آپ کے لئے بدفالی ہے کہ جب آپ کھانے پر ہار گئے تو اب دلائل کا مقابلہ ہو گا تو اس میں بھی آپ ہار جائیں گے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بھائی اگر کھانے کے اندر مناظرہ اور مقابلہ کرنا تھا تو مجھ سے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کسی بھینس سے یا بیل سے کیا ہوتا۔ اگر اس سے مناظرہ کریں گے تو آپ یقیناً بھینس سے ہار جائیں گے میں تو دلائل میں مناظرہ کرنے آیا تھا۔ کھانے میں مناظرہ اور مقابلہ کرنے تو نہیں آیا تھا۔

جانور اور انسان میں فرق

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب میں اس طرف اشارہ فرما دیا کہ اگر غور سے دیکھو تو کھانے پینے کے اندر انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ جانور بھی کھاتا ہے، اور انسان بھی کھاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر جانور کو رزق دیتے ہیں اور بسا اوقات ان کو تم سے اچھا رزق دیتا ہے۔ لیکن ان کے درمیان اور تمہارے درمیان فرق یہ ہے کہ تم کھانا کھاتے وقت اپنے کھلانے والے کو فراموش نہ کرو، بس جانور اور انسان میں یہی فرق ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مخلوق کو دعوت

واقعہ لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ساری دنیا پر حکومت عطا فرمادی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی یا اللہ جب آپ نے مجھے ساری دنیا پر حکومت عطا فرمادی تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کی ساری مخلوق کی ایک سال تک دعوت کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کام تمہاری قدرت اور بس میں نہیں۔ انہوں نے پھر درخواست کی یا اللہ ایک ماہ کی دعوت کی اجازت دیدیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہاری قدرت میں نہیں، آخر میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یا اللہ ایک دن کی اجازت دے دیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس کی بھی قدرت نہیں رکھتے، لیکن اگر

تمہارا اصرار ہے تو چلو ہم تمہیں اس کی اجازت دیدتے ہیں، جب اجازت مل گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات اور انسانوں کو اجناس اور غذائیں جمع کرنے کا حکم دیا۔ اور کھانا پکنا شروع ہوا۔ اور کئی مہینوں تک کھانا تیار ہوتا رہا اور پھر سمندر کے کنارے ایک بہت لمبا چوڑا دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر کھانا چنا گیا اور ہوا کو حکم دیا کہ وہ اس پر چلتی رہے تاکہ کھانا خراب نہ ہو جائے۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی یا اللہ کھانا تیار ہو گیا ہے۔ آپ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھیج دیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم پہلے سمندری مخلوق میں سے ایک مچھلی کو تمہاری دعوت کھانے کے لئے بھیج دیتے ہیں، چنانچہ ایک مچھلی سمندر سے نکلی اور کہا کہ اے سلیمان! معلوم ہوا ہے کہ آج تمہاری طرف سے دعوت ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں تشریف لائیں۔ کھانا تناول کریں چنانچہ اس مچھلی نے دسترخوان کے ایک کنارے سے کھانا شروع کیا اور دوسرے کنارے تک سارا کھانا ختم کر گئی، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ اور لائیں، حضرت سلیمان نے فرمایا کہ تم تو سارا کھانا کھا گئیں۔ مچھلی نے کہا کہ کیا میزبان کی طرف سے مہمان کو یہی جواب دیا جاتا ہے۔ جب سے میں پیدا ہوئی ہوں۔ اس وقت سے لے کر آج تک ہمیشہ پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے۔ لیکن آج تمہاری دعوت کی وجہ سے بھوکی رہی ہوں۔ اور کتنا کھانا تم نے تیار کیا تھا اللہ تعالیٰ روزانہ مجھے اتنا کھانا دن میں دو مرتبہ کھلاتے ہیں۔ مگر آج پیٹ بھر کے کھانا نہیں ملا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام فوراً سجدے میں گر گئے، اور استغفار کیا۔ (۱)

کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرو

بہر حال، اللہ تعالیٰ ہر ایک مخلوق کو رزق دے رہے ہیں، سمندر کی تہہ میں اور اس کی تاریکیوں میں رزق عطا فرماتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿وَمَا مِنْ ذَاتٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ (۲)

یعنی کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو، لہذا کھانے کی حد تک تمہارے اور جانوروں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کو بھی مل رہی ہیں۔ جانوروں کو چھوڑیے، اللہ تعالیٰ تو اپنے ان دشمنوں کو بھی رزق دے رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کر رہے ہیں۔ خدا کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ خدا کی توہین کر رہے ہیں۔ جو اس کے لائے ہوئے دین کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی رزق دے رہا ہے۔ لہذا کھانے کے اعتبار سے تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ وہ فرق یہ ہے کہ جانور اور کافر اور مشرک صرف زبان کے چٹخارے اور پیٹ کی آگ

(۱) نفحة العرب، ص: ۱۱۰

(۲) ہود: ۶

بجھانے کی خاطر کھاتا ہے، اس لئے وہ کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا۔ اللہ کا ذکر نہیں کرتا، تم مسلمان ہو۔ تم ذرا سے خیال اور دھیان کر کے۔ اس کھانے کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھ کر، اس کا نام لے کر کھاؤ۔ اور پھر اس کا شکر ادا کرو، تو یہی کھانا عبادت بن جائے گا۔

ہر کام کرتے وقت زاویہ نگاہ بدل لو

میرے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال اس بات کی مشق کی ہے۔ مثلاً گھر میں داخل ہوا، اور کھانے کا وقت آیا، اور دسترخوان پر بیٹھے۔ کھانا سامنے آیا۔ اب بھوک شدید ہے۔ اور کھانا بھی لذیذ ہے، دل چاہ رہا ہے کہ فوراً کھانا شروع کر دوں۔ لیکن ایک لمحے کے لئے کھانے سے رک گیا اور دل سے کہا کہ یہ کھانا نہیں کھائیں گے۔ اس کے بعد دوسرے لمحے یہ سوچا کہ یہ کھانا اللہ کی عطا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے یہ میرے قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کھانا سامنے آتا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس کو کھالیا کرتے تھے۔ اس لئے میں بھی حضور اقدس ﷺ کی اتباع میں اس کھانے کو کھاؤں گا۔ اس کے بعد بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرتا۔ گھر میں داخل ہوئے۔ اور بچہ کھیلتا ہوا اچھا معلوم ہوا۔ دل چاہا کہ اس کو گود میں اٹھا کر پیار کریں۔ لیکن ایک لمحے کے لئے رک گئے۔ اور سوچا کہ محض دل کے چاہنے پر بچے کو گود میں نہیں لیں گے، پھر دوسرے لمحے یہ خیال لائے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور بچوں سے محبت فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کو گود میں لے لیا کرتے تھے۔ اب میں بھی آپ کی سنت کی اتباع میں بچے کو گود میں اٹھاؤں گا۔ اس کے بعد بچے کو اٹھالیا۔ حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال تک اس عمل کی مشق کی ہے اور یہ شعر سنایا کرتے تھے:

جگر پانی کیا ہے مدتوں غم کی کشاکش میں

کوئی آسان ہے کیا خوگر آزار ہو جانا

سالہا سال کی مشق کے بعد یہ چیز حاصل ہوئی ہے۔ اور الحمد للہ اب تخلف نہیں ہوتا۔ اب جب بھی اس قسم کی کوئی نعمت سامنے آتی ہے تو پہلے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اور پھر اس پر شکر ادا کر کے بسم اللہ پڑھ کر اس کام کو کر لیتا ہوں۔ اور اب عادت پڑ گئی ہے، اور اسی کو زاویہ نگاہ کی تبدیلی کہتے ہیں، اس کے نتیجے میں دنیا کی چیز دین بن جاتی ہے۔

کھانا، ایک نعمت

ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ایک دعوت میں گئے۔ جب دسترخوان پر کھانا

آیا، اور کھانا شروع کیا گیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ تم ذرا غور کرو کہ اس ایک کھانے میں جو تم اس وقت کھا رہے ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی مختلف قسم کی کتنی نعمتیں شامل ہیں، سب سے پہلے تو کھانا مستقل نعمت ہے۔ اس لئے اگر انسان شدید بھوکا ہو، اور بھوک کی وجہ سے مر رہا ہو، اور کھانے کی کوئی چیز میسر نہ ہو۔ تو اس وقت خواہ کتنا ہی خراب سے خراب کھانا اس کے سامنے لایا جائے، وہ اس کو بھی غنیمت سمجھ کر کھانے کے لئے تیار ہو جائے گا، اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھے گا، اس سے معلوم ہوا کہ کھانا اچھا ہو، یا برا ہو، لذیذ ہو، یا بے مزہ ہو، وہ کھانا بذات خود ایک نعمت ہے۔ اس لئے کہ وہ بھوک کی تکلیف کو دور کر رہا ہے۔

کھانے کی لذت

دوسری نعمت یہ ہے کہ یہ کھانا مزیدار بھی ہے۔ اپنی طبیعت کے مطابق بھی ہے، اب اگر کھانا تو موجود ہوتا۔ لیکن مزیدار نہ ہوتا، اور اپنی طبیعت کے موافق نہ ہوتا تو ایسے کھانے کو کھا کر کسی طرح پیٹ بھر کر بھوک مار لیتے، لیکن لذت حاصل نہیں ہوتی۔

عزت سے کھانا ملنا، تیسری نعمت

تیسری نعمت یہ ہے کہ کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے۔ اب اگر کھانا بھی میسر ہوتا، اور مزیدار بھی ہوتا، لذیذ بھی ہوتا، لیکن کھلانے والا ذلت کے ساتھ کھلاتا، اور جیسے کسی نوکر اور غلام کو کھلایا جاتا ہے، اس طرح ذلیل کر کے کھلاتا۔ تو اس وقت اس کھانے کی ساری لذت دھری رہ جاتی، اور سارا مزہ خراب ہو جاتا جیسے کسی نے کہا:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

لہذا اگر کوئی شخص ذلیل کر کے کھانا کھلا رہا ہے، تو اس کھانے میں کوئی لطف نہیں، وہ کھانا بے حقیقت ہے، الحمد للہ ہمیں یہ تیسری نعمت بھی حاصل ہے کہ کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے۔

بھوک لگنا، چوتھی نعمت

چوتھی نعمت یہ ہے کہ بھوک اور کھانے کی خواہش بھی ہے۔ اس لئے کہ اگر کھانا بھی میسر ہوتا۔ اور وہ کھانا لذیذ بھی ہوتا، اور کھلانے والا عزت سے بھی کھلاتا، لیکن بھوک نہ ہوتی، اور معدہ خراب ہوتا، تو اس صورت میں اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا بھی بیکار ہے، اس لئے کہ انسان ان کو نہیں کھا سکتا، تو الحمد للہ، کھانا

بھی لذیذ ہے، کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے، اور کھانے کی بھوک اور خواہش بھی موجود ہے۔

کھانے کے وقت عافیت، پانچویں نعمت

پانچویں نعمت یہ ہے کہ عافیت اور اطمینان کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ کوئی پریشانی نہیں ہے، اس لئے کہ اگر کھانا تو لذیذ ہوتا، کھلانے والا عزت سے بھی کھلاتا، بھوک بھی ہوتی، لیکن طبیعت میں کوئی ایسی پریشانی لاحق ہوتی، کوئی فکر طبیعت پر ہوتی یا اس وقت کوئی خطرناک قسم کی خبر مل جاتی، جس سے دل و دماغ پریشان اور ماؤف ہو جاتا، تو ایسی صورت میں بھوک ہوتے ہوئے بھی وہ کھانا انسان کے لئے بیکار ہو جاتا۔ الحمد للہ، عافیت اور اطمینان حاصل ہے، کوئی ایسی پریشانی نہیں ہے، جس کی وجہ سے کھانا بے لذت بے مزہ ہو جاتا۔

دوستوں کے ساتھ کھانا، چھٹی نعمت

چھٹی نعمت یہ ہے کہ اپنے احباب اور دوستوں کے ساتھ مل کر کھانا کھا رہے ہیں، اگر یہ سب نعمتیں حاصل ہوتیں۔ لیکن اکیلے بیٹھے کھا رہے ہوتے، اس لئے کہ تنہا کھانے میں اور اپنے دوست احباب کے ساتھ مل کر کھانے میں بڑا فرق ہے۔ اپنے دوست احباب کے ساتھ مل کر کھانے میں جو کیف اور لطف حاصل ہوتا ہے وہ تنہا کھاتے وقت حاصل نہیں ہو سکتا، لہذا یہ ایک مستقل نعمت ہے، بہر حال، فرمایا کرتے تھے کہ یہ کھانا ایک نعمت ہے، لیکن اس ایک کھانے میں اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں شامل ہیں تو کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرو گے؟

یہ کھانا عبادتوں کا مجموعہ ہے

لہذا جب یہ کھانا اس استحضار کے ساتھ کھایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، تو پھر ہر نعمت اللہ کا شکر ادا کر کے کھانا کھاؤ۔ اور جب اس طرح ہر نعمت پر شکر ادا کرتے جاؤ گے تو ایک طرف تو کھانے کے اندر عبادتوں میں اضافہ ہو رہا ہے، اس لئے کہ اگر صرف ”بسم اللہ“ پڑھ کر کھانا کھا لیتے، اور ان نعمتوں کا استحضار نہ کرتے، تو بھی وہ کھانا عبادت بن جاتا، لیکن کئی نعمتوں کا استحضار کرتے ہوئے اور ان پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کھانا جو حقیقت میں دنیا ہے۔ ایک طرف اس کے ذریعے لذت بھی حاصل ہو رہی ہے، اور دوسری طرف تمہاری نیکیوں میں بھی اضافہ کا سبب بن رہا ہے۔ بس اسی کا نام ”زاویہ نگاہ کی تبدیلی“ ہے، اس زاویہ نگاہ کی تبدیلی سے انسان کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ مولانا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ابرو باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

(۱) گلستان سعدی

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ آسمان، یہ زمین، یہ بادل، یہ چاند، یہ سورج، ان سب کو تمہاری خدمت کے لئے لگایا ہوا ہے۔ تاکہ ایک روٹی تمہیں حاصل ہو جائے، مگر اس روٹی کو غفلت کے ساتھ مت کھانا، بس تمہارا کام صرف اتنا ہی ہے، بلکہ اللہ کا نام لے کر۔ اللہ کا ذکر کر کے کھاؤ، اگر کھانے سے پہلے بھول جاؤ تو جب یاد آ جائے، اس وقت ”بسم اللہ اولہ و آخرہ“ پڑھ لو۔

نفل کام کی تلافی

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمہ اللہ نے اس حدیث کی بنیاد پر جس میں دعا بھول جانے کا ذکر ہے، فرمایا کہ جب بھی آدمی کوئی نفلی عبادت اپنے وقت پر ادا کرنا بھول گیا۔ یا کسی عذر کی وجہ سے وہ نفلی عبادت نہ کر سکا، تو یہ نہ سمجھے کہ بس اب اس نفل عبادت کا وقت تو چلا گیا، اب چھٹی ہو گئی، بلکہ بعد میں جب موقع مل جائے، اس نفلی عبادت کو کر لے۔

چنانچہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت والا رحمہ اللہ کے ساتھ ایک اجتماع میں شرکت کے لئے جا رہے تھے، مغرب کے وقت وہاں پہنچنا تھا، مگر ہمیں نکلتے ہوئے دیر ہو گئی، جس کی وجہ سے مغرب کی نماز راستے میں ہی ایک مسجد میں پڑھی، چونکہ خیال یہ تھا کہ وہاں پر لوگ منتظر ہوں گے۔ اس لئے حضرت والا نے صرف تین فرض اور دو سنتیں پڑھیں۔ اور ہم نے بھی تین فرض اور دو سنتیں پڑھ لیں اور وہاں سے جلدی روانہ ہو گئے، تاکہ جو لوگ انتظار کر رہے ہیں، ان کو انتظار زیادہ نہ کرنا پڑے، چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ گئے، اجتماع ہوا۔ پھر عشاء کی نماز بھی وہیں پڑھی، اور رات کے دس تک اجتماع رہا۔ پھر جب حضرت والا وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ہم لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ بھائی! آج مغرب کے بعد کی اوایین کہاں گئی؟ ہم نے کہا کہ حضرت، وہ تو آج رہ گئی۔ چونکہ راستے میں جلدی تھی، اس لئے نہیں پڑھ سکے، حضرت والا نے فرمایا کہ رہ گئیں، اور بغیر کسی معاوضے کے رہ گئیں، ہم نے کہا کہ حضرت چونکہ لوگ انتظار میں تھے، جلدی پہنچنا تھا، اس عذر کی وجہ سے اوایین کی نماز رہ گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ، جب میں نے عشاء کی نماز پڑھی، تو عشاء کی نماز کے ساتھ جو نوافل پڑھا کرتا ہوں ان کے علاوہ مزید چھ رکعتیں پڑھ لیں، اب اگرچہ وہ نوافل اوایین نہ ہوں۔ اس لئے کہ اوایین کا وقت تو مغرب کے بعد ہے۔ لیکن یہ سوچا کہ وہ چھ رکعتیں جو پڑھ کر اوایین کی تلافی کر لی ہے۔ اب تم جانو، تمہارا کام۔ پھر فرمایا کہ تم مولوی ہو، یہ کہو گے کہ نوافل کی قضا ہوتی ہے۔ سنت اور نفل

کی قضا نہیں ہوتی، آپ نے اواین کی قضا کیسے کر لی؟ تو بھائی تم نے وہ حدیث پڑھی ہے جس میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر تم کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جاؤ، تو جب درمیان میں یاد آ جائے تو اس وقت پڑھ لو، اور اگر آخر میں یاد آ جائے۔ اس وقت پڑھ لو۔ اب دعا پڑھنا کوئی فرض و واجب تو تھا نہیں۔ پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ بعد میں پڑھ لو۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایک نفل اور مستحب کام جو ایک نیکی کا کام تھا اور جس کے ذریعہ نامہ اعمال میں اضافہ ہو سکتا تھا۔ وہ اگر کسی وجہ سے چھوٹ گیا تو اس کو بالکل یہ مت چھوڑو، دوسرے وقت کر لو۔ اب چاہے اس کو ”قضا“ کہو یا نہ کہو۔ لیکن اس نفل کام کی تلافی ہو جائے۔

یہی باتیں بزرگوں سے سیکھنے کی ہوتی ہیں، اس دن حضرت والا نے ایک عظیم باب کھول دیا۔ ہم لوگ واقعی یہی سمجھتے تھے، اور فقہ کی اندر لکھا ہے کہ نوافل کی قضا نہیں ہوتی، لیکن اب معلوم ہوا ٹھیک ہے، قضا تو نہیں ہو سکتی، لیکن تلافی تو ہو سکتی ہے۔ اسلئے کہ اس نفل کے چھوٹنے کی وجہ سے نقصان ہو گیا نیکیاں تو گئیں، لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ فراغت کی نعمت عطا فرمائے۔ اس وقت اس نفل کو ادا کر لو۔

دستر خوان اٹھاتے وقت کی دعا

”عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَفَعَ مَائِدَتَهُ قَالَ ((الْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنَى عَنْهُ رَبَّنَا)) (۱)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب دسترخوان اٹھتا تو حضور اقدس ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((الْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنَى عَنْهُ رَبَّنَا))

یہ عجیب و غریب دعا حضور اقدس ﷺ نے تلقین فرمائی، اس کی تلقین اس لئے فرمائی کہ انسان کا بھی عجیب مزاج ہے، وہ یہ کہ جب انسان کو کسی چیز کی شدید خواہش اور حاجت پوری ہو جائے، اور اس سے دل پھر جائے تو پھر اسی چیز سے اس کو نفرت ہونے لگتی ہے مثلاً جس انسان کو بھوک لگتی ہے تو اس وقت اس کو کھانے کی طرف رغبت اور شوق تھا۔ اور کھانے کی طرف طبیعت مائل ہو رہی تھی، لیکن جب پیٹ بھر گیا اور بھوک مٹ گئی تو اس کے بعد اگر وہی کھانا دوبارہ لایا جائے، تو طبیعت اسی سے نفرت

کرتی ہے اور بعض اوقات کھانے کے تصور سے متلی آنے لگتی ہے۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے اس دعا کے ذریعے یہ تعلیم دی کہ یہ تمہارے دل میں کھانے کی نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ اس نفرت کے نتیجے میں کہیں اللہ کے رزق کی ناقدری اور ناشکری نہ ہو جائے، اس لئے آپ نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ اس وقت یہ دسترخوان ہم اپنے سامنے سے اٹھا تو رہے ہیں، لیکن اس وجہ سے نہیں اٹھا رہے ہیں کہ ہمارے دل میں اس کی قدر نہیں بلکہ اسی کھانے نے ہماری بھوک بھی مٹائی، اور اسی کھانے کے ذریعہ ہمیں لذت بھی حاصل ہوئی، اور نہ اس وجہ سے اٹھا رہے ہیں کہ ہم اس سے مستغنی اور بے نیاز ہیں، اے اللہ ہم اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ دوبارہ ہمیں اس کی ضرورت اور حاجت پیش آئے گی۔ دسترخوان اٹھاتے وقت یہ دعا کر لو، تاکہ اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری نہ ہو، اور دوسری اس بات کی دعا بھی ہو جائے کہ یا اللہ ہمیں دوبارہ یہ رزق عطا فرمائیے۔

کھانے کے بعد کی دعا پڑھ کر گناہ معاف کرائیں

عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ أَكَلَ طَعَامًا فَقَالَ ((الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هَذَا وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ
مِنِّي وَلَا قُوَّةَ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) (۱)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کھانا کھانے کے بعد اگر یہ الفاظ کہے: اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا، اور میری طاقت اور قوت کے بغیر یہ کھانا مجھے عطا فرمایا۔ اس کے یہ کہنے سے اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ یہ چھوٹا سا عمل ہے، لیکن اس کا اجر و ثواب یہ ہے کہ تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کا کتنا بڑا اکرم ہے۔

عمل چھوٹا، ثواب عظیم

یہ بات میں پہلے بھی کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ جہاں کہیں احادیث میں یہ آتا ہے کہ فلاں عمل سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہوتے ہیں اور کبیرہ گناہوں کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اسی طرح حقوق العباد بھی صاحب حق کے معاف

کئے بغیر معاف نہیں ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو نیک عمل کے ذریعہ بھی معاف فرمادیتے ہیں، لہذا اگر کوئی شخص کھانا کھانے کے بعد یہ دعا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام صغیرہ گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔ اور وہ آدمی صغیرہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، یہ اتنا چھوٹا سا عمل ہے، لیکن اس پر ثواب اتنا عظیم ہے، حضرت ڈاکٹر محمد رفیع فرمایا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کو نسخہ کیما بتا گئے، اب چاہے اس دعا کو آدمی زور سے پڑھے، یا ہلکی آواز سے پڑھے یا دل میں پڑھ لے تو بھی شکر کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے، اور آدمی اس نعمت کا مستحق ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان آداب پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کھانے کے اندر عیب مت نکالو

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَا عَابَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ، إِنْ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ، وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ“ (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اور کسی کھانے کی برائی نہیں کی، اگر اس کے کھانے کی خواہش ہوتی تو کھا لیتے، اور اگر کھانے کی خواہش نہ ہوتی تو اس کو چھوڑ دیتے۔

یعنی اگر کھانا پسند نہیں ہے تو اس کو نہیں کھایا، مگر اس کی برائی بیان نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ جو کھانا ہے، وہ چاہے ہمیں پسند آ رہا ہو، یا پسند نہ آ رہا ہو، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق ہے، اور اللہ کے عطا کئے ہوئے رزق کا احترام اور اس کی تعظیم ہمارے ذمے واجب ہے۔

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

یوں تو اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کے بغیر پیدا کی ہو، اس کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت پیدا فرمائی ہے، ہر چیز کا کوئی نہ کوئی عمل اور فائدہ ضرور ہے، اقبال مرحوم نے خوب کہا:

(۱) صحیح البخاری، کتاب الأطعمة، باب ما عاب النبی طعاماً، رقم: ۴۸۷۸، صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب لا یعیب الطعام، رقم: ۳۸۴۴، سنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول اللہ باب ما جاء فی ترک العیب للنعمۃ، رقم: ۱۹۵۴، سنن أبی داؤد، کتاب الأطعمة، باب فی کراهیۃ ذم الطعام، رقم: ۳۲۷۱، سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ باب النهی ان یعاب الطعام، رقم: ۳۴۵۰، مسند أحمد، رقم: ۹۱۴۲

نہیں کوئی چیز غلطی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں کوئی چیز بری پیدا نہیں فرمائی، نیکو یعنی اعتبار سے سب اچھی ہیں۔ ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی نیکو یعنی مصلحت ضرور ہے، البتہ جب ہمیں کسی چیز کی حکمت اور مصلحت کا پتہ نہیں لگتا تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ چیز بری ہے، ورنہ حقیقت میں کوئی چیز بری نہیں۔ حتیٰ کہ وہ مخلوقات جو بظاہر موزی اور تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً سانپ بچھو ہیں۔ ان کو ہم اس لئے برا سمجھتے ہیں کہ بعض اوقات یہ ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ لیکن کائنات کے مجموعی انتظام کے لحاظ سے ان میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے۔ ان میں فائدہ موجود ہے۔ چاہے ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے۔

ایک بادشاہ ایک مکھی

ایک بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ ایک دن اپنے دربار میں بڑے شان و شوکت سے بیٹھا ہوا تھا، ایک مکھی آ کر اس کی ناک پر بیٹھ گئی، اس بادشاہ نے اس کو اڑا دیا، وہ پھر آ کر بیٹھ گئی، اس نے دوبارہ اڑایا، وہ پھر آ کر بیٹھ گئی۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض مکھیاں بہت لچر قسم کی ہوتی ہیں، ان کو کتنا ہی اڑالو، وہ دوبارہ آ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ وہ بھی اس قسم کی تھی، بادشاہ نے اس وقت کہا کہ خدا جانے یہ مکھی اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کی؟ یہ تو تکلیف ہی تکلیف پہنچا رہی ہے، اس کا کوئی فائدہ تو نظر نہیں آتا، اس وقت دربار میں ایک بزرگ موجود تھے۔ ان بزرگ نے اس بادشاہ سے کہا کہ اس مکھی کا فائدہ تو یہ ہے کہ تم جیسے جابر اور متکبر انسانوں کے دماغ درست کرنے کے لئے پیدا کی ہے، تم اپنی ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دیکھا دیا کہ تم کتنے عاجز ہو کہ اگر ایک مکھی تمہیں ستانا چاہے تو تمہارے اندر اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اس کی تکلیف سے بچالو، اس کی پیدائش کی یہی حکمت اور مصلحت کیا کم ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی مصلحت اور حکمت کے تحت پیدا کی ہے۔

ایک بچھو کا واقعہ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ اور علم کلام کے ماہر گزرے ہیں۔ جنہوں نے ”تفسیر کبیر“ کے نام سے قرآن کی مشہور تفسیر لکھی ہے۔ اس تفسیر میں صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس تفسیر میں سورہ فاتحہ کی پہلی آیت۔ ”الحمد لله رب العالمين“ کی تفسیر کے تحت ایک واقعہ لکھا ہے کہ میں نے ایک بزرگ سے خود ان کا اپنا واقعہ سنا، وہ بغداد میں رہتے تھے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دن شام کو سیر کرنے کے لئے ”دریائے دجلہ“ کے کنارے کی طرف چلا گیا، جب میں دریائے

دجلہ کے کنارے کنارے چلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ میرے آگے ایک بچھو چلا جا رہا ہے میرے دل میں خیال آیا کہ یہ بچھو بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت کے تحت ہی پیدا کیا ہے، اب اس وقت پتہ نہیں کہاں سے آ رہا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ اس کی منزل کیا ہے؟ وہاں جا کر کیا کرے گا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس تو وقت ہے، میں سیر کے لئے نکلا ہوں، آج میں اس بچھو کا تعاقب کرتا ہوں کہ یہ کہاں جاتا ہے چنانچہ وہ بچھو آگے آگے چلتا رہا۔ اور چلتے چلتے اس نے پھر دریا کی طرف رخ کیا اور کنارے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں بھی قریب ہی کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دریا میں ایک بچھو تیرتا ہوا آ رہا ہے، وہ کھجوا آ کر کنارے لگ گیا اور یہ بچھو چھلانگ لگا کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دریا عبور کرنے کے لئے کشتی بھیج دی۔ چنانچہ وہ بچھو اس کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے روانہ ہو گیا، چونکہ میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ آج میں یہ دیکھوں گا کہ بچھو کہاں جا رہا ہے، اس لئے میں نے بھی کشتی کرائے پر لی اور اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کچھوے نے دریا پار کیا، اور جا کر اسی طرح دوسرے کنارے جا کر لگ گیا، اور بچھو چھلانگ لگا کر اتر گیا۔ اب بچھو آگے چلا اور میں نے اس کا پھر تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ آگے میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک درخت کے نیچے سو رہا ہے، میرے دل میں خیال آیا کہ شاید یہ بچھو اس آدمی کو کاٹنے جا رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں جلدی سے اس آدمی کو بیدار کر دوں، تاکہ وہ شخص اس بچھو سے بچ جائے۔ لیکن جب میں اس آدمی کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک زہریلا سانپ اپنا پھن اٹھائے اس آدمی کے سر کے پاس کھڑا ہے، اور قریب ہے کہ وہ سانپ اس کو ڈس لے، اتنے میں یہ بچھو تیزی کے ساتھ سانپ کے اوپر سوار ہو گیا، اور اس کو ایک ایسا ڈنگ مارا کہ وہ سانپ بل کھا کر زمین پر گر پڑا، اور تڑپنے لگا، پھر وہ بچھو وہاں سے کسی اور منزل پر روانہ ہو گیا، اچانک اس وقت اس سونے والے شخص کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ قریب سے ایک بچھو جا رہا ہے، اس نے فوراً ایک پتھر اٹھا کر اس بچھو کو مارنے کے لئے دوڑا، میں قریب ہی کھڑا ہوا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس لئے میں نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ تم جس بچھو کو مارنے جا رہے ہو یہ تمہارا محسن ہے، اور اس نے تمہاری جان بچائی ہے، حقیقت میں یہ سانپ جو یہاں مرا پڑا ہے، تم پر حملہ کرنے والا تھا، اور قریب تھا کہ ڈنگ مار کر تمہیں موت کے گھاٹ اتار دے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت دور سے اس بچھو کو تمہاری جان بچانے کے لئے بھیجا ہے، اور اب تم اسی بچھو کو مارنے کی کوشش کر رہے ہو۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اس روز اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا یہ کرشمہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اس بچھو کو دریا کے دوسرے کنارے سے اس شخص کی جان بچانے کے لئے یہاں لائے۔ بہر حال، دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے پیدا کرنے میں کوئی نہ کوئی تکوینی حکمت اور مصلحت نہ ہو۔ (۱)

نجاست میں پیدا ہونے والے کیڑے

ایک اور قصہ دیکھا، معلوم نہیں کہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو بڑی عبرت کا واقعہ ہے، وہ یہ کہ ایک صاحب ایک دن قضائے حاجت کر رہے تھے، قضاء حاجت میں ان کو سفید سفید کیڑے نظر آئے۔ جو بعض اوقات پیٹ کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں ان صاحب کے دل میں یہ خیال آیا کہ اور جتنی مخلوق ہے ان سب کی پیدائش کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن یہ جاندار مخلوق، جو نجاست میں پیدا ہو جاتی ہے۔ نجاست کے ساتھ نکلتی ہے، اور نجاست کے ساتھ ہی بہادی جاتی ہے۔ اس کا کوئی عمل اور فائدہ ہی نظر نہیں آتا، پتہ نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ مخلوق کس مصلحت سے پیدا کی ہے؟ کچھ عرصہ کے بعد ان صاحب کی آنکھ میں کچھ تکلیف ہوئی، اب تکلیف کے خاتمے کے لئے سارے علاج کر لئے۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، آخر میں ایک پرانا کوئی طبیب تھا۔ اس کے پاس جا کر بتایا کہ یہ تکلیف ہے۔ اس کا کیا علاج ہے؟ اس طبیب نے بتایا کہ اس کا کوئی اور علاج نہیں ہے۔ البتہ ایک علاج ہے جو کبھی کبھی کارآمد ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ انسان کے جسم میں جو کیڑے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کیڑوں کو پیس کر اگر لگایا جائے تو اس کے ذریعہ سے بعض اوقات یہ بیماری دور ہو جاتی ہے، اس وقت میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اب میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ آپ نے ان کیڑوں کو کس مصلحت سے پیدا کیا ہے۔

غرض کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کے فوائد اور حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، بالکل اسی طرح جو کھانا آپ کو پسند نہیں ہے، اس کے کھانے کو طبیعت نہیں چاہتی، لیکن اس کی پیدائش میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے اور کم از کم یہ بات موجود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے اور اس کا احترام کرنا ضروری ہے۔ اس لئے اگر کوئی کھانا پسند نہیں ہے تو اس کو مت کھاؤ لیکن اس کو برا بھی مت کہو۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب کھانا پسند نہیں آیا اس میں عیب نکالنے شروع کر دیتے ہیں کہ اس میں یہ خرابی ہے۔ یہ تو بد ذائقہ ہے۔ ایسی باتیں کہنا درست نہیں۔

رزق کی ناقدری مت کرو

یہ بھی حضور اقدس ﷺ کی بڑی اعلیٰ درجے کی تعلیم ہے کہ اللہ کے رزق کا احترام کرو، اس کا ادب کرو، اس کی بے ادبی نہ کرو، آج کل ہمارے معاشرے میں یہ اسلامی ادب بری طرح پامال ہو رہا ہے۔ ہر چیز میں غیروں کی نقالی شروع کی تو اس میں بھی ایسا ہی کیا۔ اور اللہ کے رزق کا کوئی ادب باقی

نہیں رہا، کھانا بچا تو اس کو اٹھا کر کوڑے میں ڈال دیا، بعض اوقات دیکھ کر دل لرزتا ہے، یہ سب مسلمانوں کے گھروں میں ہو رہا ہے، خاص طور پر دعوتوں میں اور ہوٹلوں میں غذاؤں کے بڑے بڑے ڈھیر اس طرح کوڑے میں ڈال دیئے جاتے ہیں، حالانکہ ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ اگر روٹی کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی کہیں پڑا ہوا ہو تو اس کی بھی تعظیم کرو، اس کا بھی ادب کرو، اور اس کو اٹھا کر کسی اونچی جگہ رکھ دو۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور رزق کی قدر

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمہ اللہ سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا واقعہ سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ بیمار ہوئے۔ اس دوران ایک صاحب نے آپ کو پینے کے لئے دودھ لا کر دیا، آپ نے وہ دودھ پیا، اور تھوڑا سا بچ گیا، وہ بچا ہوا دودھ آپ نے سرہانے کی طرف رکھ دیا، اتنے میں آپ کی آنکھ لگ گئی۔ جب بیدار ہوئے تو ایک صاحب جو پاس کھڑے تھے ان سے پوچھا کہ بھائی وہ تھوڑا سا دودھ بچ گیا تھا، وہ کہاں گیا؟ تو اُن صاحب نے کہا کہ حضرت وہ تو پھینک دیا ہے ایک گھونٹ ہی تو تھا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اللہ کی اس نعمت کو پھینک دیا۔ تم نے بہت غلط کام کیا، اگر میں اس دودھ کو نہیں پی سکا، تم خود پی لیتے، کسی اور کو پلا دیتے، یا بلی کو پلا دیتے، یا طوطے کو پلا دیتے۔ اللہ کی کسی مخلوق کے کام آ جاتا، تم نے اس کو کیوں پھینکا؟ اور پھر ایک اصول بیان فرما دیا:

”جن چیزوں کی زیادہ مقدار سے انسان اپنی عام زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے۔ ان

کی تھوڑی مقدار کی قدر اور تعظیم اس کے ذمہ واجب ہے۔“

مثلاً کھانے کی بڑی مقدار کو انسان کھاتا ہے، اس سے اپنی بھوک مٹاتا ہے، اپنی ضرورت پوری کرتا ہے، لیکن اگر اسی کھانے کا تھوڑا سا حصہ بچ جائے تو اس کا احترام اور توقیر بھی اس کے ذمہ واجب ہے، اس کو ضائع کرنا جائز نہیں، یہ اصل بھی درحقیقت اسی حدیث سے ماخوذ ہے کہ اللہ کے رزق کی ناقدری مت کرو، اس کو کسی نہ کسی مصرف میں لے آؤ۔

دستر خوان جھاڑنے کا صحیح طریقہ

میرے والد ماجد رحمہ اللہ کے دارالعلوم دیوبند میں ایک استاد تھے۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ جو ”حضرت میاں صاحب“ کے نام سے مشہور تھے، بڑے عجیب و غریب بزرگ تھے، ان کی باتیں سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے

ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کھانے کا وقت ہے۔ آؤ کھانا کھا لو، میں ان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے دسترخوان کو صاف کرنا شروع کیا، تاکہ میں جا کر دسترخوان جھاڑ دوں، تو حضرت صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا کہ حضرت دسترخوان جھاڑنے جا رہا ہوں۔ حضرت میاں صاحب نے پوچھا کہ دسترخوان جھاڑنا آتا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت دسترخوان جھاڑنا کون سا فن یا علم ہے، جس کے لئے باقاعدہ تعلیم کی ضرورت ہو، باہر جا کر جھاڑ دوں گا۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ اسی لئے تو میں نے تم سے پوچھا تھا کہ دسترخوان جھاڑنا آتا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ تمہیں دسترخوان جھاڑنا نہیں آتا۔ میں نے کہا پھر آپ سکھا دیں، فرمایا کہ ہاں دسترخوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے۔

پھر آپ نے اس دسترخوان کو دوبارہ کھولا اور اس دسترخوان پر جو بوٹیاں یا بوٹیوں کے ذرات تھے، ان کو ایک طرف کیا۔ اور ہڈیوں کو جن پر کچھ گوشت وغیرہ لگا ہوا تھا، ان کو ایک طرف کیا، اور روٹی کے ٹکڑوں کو ایک طرف کیا، اور روٹی کے جو چھوٹے چھوٹے ذرات تھے، ان کو ایک طرف جمع کیا، پھر مجھ سے فرمایا کہ دیکھو۔ یہ چار چیزیں ہیں، اور میرے یہاں ان چاروں چیزوں کی علیحدہ علیحدہ جگہ مقرر ہے، یہ بوٹیاں ہیں ان کی فلاں جگہ ہے، بلی کو معلوم ہے کھانے کے بعد اس جگہ بوٹیاں رکھی جاتی ہیں، وہ آکر ان کو کھا لیتی ہے، اور ان ہڈیوں کے لئے فلاں جگہ مقرر ہے، محلے کے کتوں کو وہ جگہ معلوم ہے۔ وہ آکر ان کو کھا لیتے ہیں، اور یہ جو روٹیوں کے ٹکڑے ہیں، ان کو میں اس دیوار پر رکھتا ہوں، یہاں پرندے، چیل، کوئے آتے ہیں، اور وہ ان کو اٹھا لیتے ہیں، اور یہ جو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں، تو میرے گھر میں چونٹیوں کا بل ہے، ان کو اس بل کے پاس رکھ دیتا ہوں، وہ چونٹیاں اس کو کھا لیتی ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں جانا چاہیے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اس دن ہمیں معلوم ہوا کہ دسترخوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے اور اس کو بھی سیکھنے کی ضرورت ہے۔

آج ہمارا حال

آج ہمارا یہ حال ہے کہ دسترخوان کو جا کر کوڑے دان کے اندر جھاڑ دیا، اللہ کے رزق کے احترام کا کوئی اہتمام نہیں، ارے یہ ساری اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ رزق پیدا کیا، اگر تم نہیں کھا سکتے تو کسی اور مخلوق کے لئے اس کا احترام کرو، اگر کہیں روٹی کا ٹکڑا نظر آتا تو اس کو چوم کر ادب کے ساتھ اونچی جگہ پر رکھ دیتے، لیکن جوں جوں مغربی تہذیب کا غلبہ ہمارے معاشرے پر بڑھ رہا ہے، رفتہ رفتہ اسلامی آداب رخصت ہو رہے ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کھانا پسند آئے

تو کھالو، اور اگر پسند نہ آئے تو کم از کم اس میں عیب مت نکالو، اس کی ناقدری اور بے حرمتی مت کرو، اس سنت کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ سب باتیں کوئی قصہ کہانی یا کوئی افسانہ نہیں ہے، بلکہ یہ سب باتیں عمل کرنے کے لئے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رزق کا ادب اور اس کی تعظیم کریں، اور ان آداب کو اپنائیں جو نبی کریم ﷺ نے ہمیں سکھائے اور جو ہمارے دین کا حصہ ہیں۔ جو ہمارے دین کا طرہ امتیاز ہیں۔ اور یہ جو مغرب نے بلائیں ہم پر نازل کی ہیں۔ ان سے چھٹکارہ حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

سرکہ بھی ایک سالن ہے

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَثَلَ أَهْلَهُ الْآدَمَ فَقَالُوا: مَا عِنْدَنَا إِلَّا خَلٌّ فَدَعَا بِهِ، فَجَعَلَ يَأْكُلُ وَيَقُولُ: ((نِعْمَ الْآدَمُ الْخَلُّ، نِعْمَ الْآدَمُ الْخَلُّ)) (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور گھر والوں سے فرمایا کہ کچھ سالن ہو تو لے آؤ۔ (روٹی موجود تھی) گھر والوں نے کہا ہمارے پاس تو سرکہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، سرکہ رکھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہی لے آؤ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سرکہ کو روٹی کے ساتھ تناول فرمانا شروع کیا اور ساتھ میں بار بار یہ فرماتے جاتے کہ سرکہ بڑا اچھا سالن ہے، سرکہ بڑا اچھا سالن ہے۔

آپ ﷺ کے گھر کی حالت

حضور اقدس ﷺ کے گھر کا یہ حال تھا کہ کوئی سالن موجود نہیں، حالانکہ روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ سال کے شروع میں تمام ازواج مطہرات کے پاس پورے سال کا نان نفقہ اور خرچہ بھیج دیا کرتے تھے۔ لیکن وہ ازواج بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تھیں۔ ان کے یہاں صدقات، خیرات اور دوسرے مصارف کی اتنی کثرت تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات تین تین مہینے تک ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ دو چیزوں پر ہمارا گزارا ہوتا تھا کہ کھجور کھا

(۱) صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب فضيلة الخل والتأدم به، رقم: ۳۸۲۳، سنن الترمذی، کتاب الاطعمة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في الخل، رقم: ۱۷۶۲، سنن النسائی، کتاب الایمان والنور، باب اذا حلف أن لا یأتم فاکلخبزا بخل، رقم: ۳۷۳۶، سنن ابی داود، کتاب الاطعمة، باب في الخل، رقم: ۳۳۲۴، سنن ابن ماجه، کتاب الاطعمة، باب الاطعام بالخل، رقم: ۳۳۰۷، مسند أحمد، رقم: ۱۳۷۴۲

لی اور پانی پی لیا۔ (۱)

حضور ﷺ نعمت کی قدر فرماتے تھے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو جو نعمت میسر آ جاتی اس کی قدر فرماتے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے، حالانکہ عام معاشرے میں سرکہ کو بطور سالن کے استعمال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ زبان کا ذائقہ بدلنے کے لئے لوگ سرکہ کو سالن کے ساتھ ملا کر کھاتے ہیں، لیکن حضور اقدس ﷺ نے اسی سرکہ سے روٹی تناول فرمائی اور ساتھ ساتھ اس کے اتنی تعریف فرمائی کہ بار بار آپ نے فرمایا کہ یہ بڑا اچھا سالن ہے یہ بڑا اچھا سالن ہے۔

کھانے کی تعریف کرنی چاہئے

اسی حدیث کے تحت حضرات محدثین نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس نیت سے سرکہ استعمال کرے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس کو تناول فرمایا اور اس کی تعریف فرمائی، تو انشاء اللہ، اس نیت کی وجہ سے اس کو سرکہ کھانے پر بھی ثواب ملے گا۔

اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ جو کھانا آدمی کو پسند آئے، اس کو چاہئے کہ وہ اس کھانے کی کچھ تعریف بھی کرے، تعریف کرنے کا مقصد تو اس کھانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کھانا عنایت فرمایا، دوسرے یہ کہ جس نے وہ کھانا تیار کیا ہے، اس تعریف کے ذریعہ اس کا دل خوش ہو جائے۔ یہ بھی کھانے کے آداب میں سے ہے، یہ نہ ہو کہ کھانے کے ذریعہ پیٹ کی بھوک مٹائی۔ اور زبان کا چٹخارہ بھی پورا کیا۔ حضور اقدس ﷺ کو دیکھئے کہ آپ نے سرکہ کی اتنی تعریف فرمائی، لہذا جب کھانے پکانے والے نے محنت کی، اور اپنے آپ کو آگ اور چولہے کے سامنے پیش کر کے تمہارے لئے کھانا تیار کیا اس کا اتنا تو حق ادا کرو کہ دو کلمے بول کر اس کی تعریف کر دو، اور اس کی ہمت افزائی کر دو، جو شخص تعریف کے دو کلمے بھی ادا نہ کرے، وہ بڑا بخیل ہے۔

پکانے والے کی تعریف کرنی چاہئے

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ اپنا یہ واقعہ سنایا کہ ایک صاحب میرے پاس

(۱) صحیح البخاری، کتاب الہنة وفضلها والتحريض علیہا، رقم: ۲۳۷۹، صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب، رقم: ۵۲۸۰، سنن الترمذی کتاب صفہ القیامة والرقائق عن رسول اللہ، باب منہ، رقم: ۲۳۹۵، سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب معیشتہ آل محمد، رقم: ۴۱۳۴، مسند أحمد رقم: ۲۳۰۹۹

آیا کرتے تھے، وہ اور ان کی بیوی دونوں نے اصلاحی تعلق بھی قائم کیا ہوا تھا۔ ایک دن انہوں نے اپنے گھر پر میری دعوت کی، میں چلا گیا، اور جا کر کھانا کھالیا۔ کھانا بڑا لذیذ اور بہت اچھا بنا ہونا تھا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ہمیشہ کی یہ عادت تھی کہ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اس کھانے کی اور کھانا بنانے والی خاتون کی تعریف ضرور کرتے، تاکہ اس پر اللہ کا شکر بھی ادا ہو جائے، اور اس خاتون کا دل بڑھ جائے۔ چنانچہ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو وہ خاتون پردے کے پیچھے آ گئیں، اور آ کر حضرت والا کو سلام کیا، تو حضرت والا نے فرمایا کہ تم نے بڑا لذیذ اور بہت اچھا کھانا پکایا۔ کھانے میں بڑا مزہ آیا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ کہا تو پردے کے پیچھے سے اس خاتون کے رونے اور سسکیاں لینے کی آواز آئی۔ میں حیران ہو گیا کہ معلوم نہیں میری کس بات سے ان کو تکلیف ہوئی، اور ان کا دل ٹوٹا۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ آپ کیوں رورہی ہیں؟ ان خاتون نے بمشکل اپنے رونے پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ حضرت مجھے ان (شوہر) کے ساتھ رہتے ہوئے چالیس سال ہو گئے ہیں، لیکن اس پورے عرصے میں ان کی زبان سے میں نے یہ جملہ نہیں سنا کہ ”آج کھانا بڑا اچھا پکا ہے“ آج جب آپ کی زبان سے یہ جملہ سنا تو مجھے رونا آ گیا۔ چونکہ وہ صاحب حضرت والا کے زیر تربیت تھے۔ اس لئے حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ خدا کے بندے، ایسا بھی کیا بخل کرنا کہ آدمی کسی کی تعریف میں دو لفظ نہ کہے، جس سے اس کے دل کو خوش ہو جائے۔ لہذا کھانے کے بعد اس کھانے کی تعریف اور اس کے پکانے والے کی تعریف کرنی چاہئے، تاکہ اس کھانے پر اللہ کا شکر بھی ادا ہو جائے اور کھانا بنانے والے کا دل بھی خوش ہو جائے۔

ہدیہ کی تعریف کیجئے

عام طور پر تو لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو ہدیہ پیش کیا جائے تو وہ تکلف کہتے ہیں کہ بھائی، اس ہدیہ کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے بے کار میں تکلیف کیا۔ لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہ جب حضرت کے بے تکلف احباب میں سے کوئی محبت کے ساتھ ان کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا، تو حضرت والا تکلف نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اس ہدیہ کی طرف بہت اشتیاق کا اظہار فرماتے، اور یہ کہتے بھائی، تم تو ایسی چیز لے آ گئے جس کی ہمیں ضرورت تھی۔

ایک مرتبہ میں حضرت والا کی خدمت میں ایک کپڑا لے گیا، اور مجھے اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ حضرت والا اس پر اتنی خوشی کا اظہار فرمائیں گے۔ چنانچہ جب میں نے وہ پیش کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ ہمیں ایسے کپڑے کی ضرورت تھی۔ ہم تو اس کی تلاش میں تھے، اور فرمایا کہ جس رنگ کا کپڑا لائے ہو، یہ رنگ تو ہمیں بہت پسند ہے اور یہ کپڑا بھی، محبت سے ہدیہ لے کر آیا ہے تو کم از کم اتنی

تعریف تو اس کی کرو کہ اس محبت کی قدردانی ہو جائے اور اس کا دل خوش ہو جائے کہ جو چیز میں نے ہدیہ میں پیش کی، وہ پسند آگئی اور یہ جو حدیث شریف میں ہے:

((تَهَادُوا تَحَابُّوا)) (۱)

”آپس میں ہدیہ دیا کرو، اور اس کے ذریعہ محبت میں اضافہ کرو“

تو محبت میں اضافہ کا ذریعہ اس وقت ہوگا جب تم ہدیہ وصول کر کے اس پر پسندیدگی اور محبت کا اظہار کرو۔

بندوں کا شکریہ ادا کر دو

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ)) (۲)

یعنی جو شخص انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص بھی تمہارے ساتھ محبت اور اخلاص کا معاملہ کرے، اور اس کے ذریعہ سے تمہیں کوئی فائدہ پہنچے تو کم از کم زبان سے اس کا شکریہ ادا کر دو، اور اس کی تعریف میں دو کلمے تو کہہ دو، یہ سنت ہے۔ اس لئے کہ یہ سب حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات ہیں۔ اگر ہم ان طریقوں کو اپنالیں تو دیکھو کتنی محبتیں پیدا ہوتی ہیں اور تعلقات میں کتنی خوشگواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہ عداوتیں اور نفرتیں، یہ بغض اور یہ سب دشمنیاں ختم ہو جائیں گی۔ بشرطیکہ انسان حضور ﷺ کی تعلیمات پر ٹھیک ٹھیک عمل کر لے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

حضور کا سوتیلے بیٹے کو ادب سکھانا

عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ غُلَامًا فِي حِجْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ فِي الصُّحُفَةِ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يَا غُلَامُ سَمِ اللَّهَ، وَكُلْ بِحَيْثُ نَكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ)) (۳)

(۱) مؤطا الإمام مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في المهاجرة، رقم: ۱۴۱۳

(۲) سنن الترمذی، كتاب البر والصلة والآداب، باب ماجاء في الشكر لمن أحسن إليك، رقم: ۱۸۷۸

(۳) صحيح البخاری، كتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين، رقم: ۴۹۵۷، صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، رقم: ۳۷۶۷، سنن ابن ماجه، كتاب الأطعمة، باب الأكل باليمين، رقم: ۳۲۵۸

یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، ان کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا، اور یہ حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوسلمہ کے بیٹے تھے، نکاح کے بعد یہ بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آگئے تھے، اس طرح یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے بن گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت تھے، ایک مرتبہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھا، تو کھانے کے دوران میرا ہاتھ کھانے کے برتن میں چاروں طرف حرکت کرتا تھا۔ ایک نوالہ اس طرف سے کھالیا، دوسرا نوالہ اس طرف سے کھالیا۔ تیسرے نوالہ کسی اور طرف سے کھالیا، اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حرکت دیکھی تو آپ نے فرمایا:

”اے لڑکے، کھانا شروع کرنے سے پہلے اللہ کا نام لو، بسم اللہ پڑھو، اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔“

یعنی برتن کا جو حصہ تمہارے سامنے ہے، اس سے کھاؤ۔

اپنے سامنے سے کھانا ادب ہے

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آداب بیان فرمائے:

پہلا ادب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ اس کے بارے میں پیچھے تفصیل سے بیان ہو گیا۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس کا بیان بھی پیچھے آچکا ہے۔

تیسرا ادب یہ بیان فرمایا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ، ادھر ادھر ہاتھ نہ لے جاؤ، اس ادب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو بالکل ظاہر ہے، وہ یہ کہ اگر انسان کھانا اپنے سامنے سے کھائے گا تو اس صورت میں اگر کھانے کا کچھ حصہ بچ جائے گا، تو وہ بدنما اور برا نہیں معلوم ہوگا، ورنہ اگر چاروں طرف سے کھائے گا، تو اس صورت میں جو کھانا بچ جائے گا، وہ بدنما ہو جائے گا، اور دوسرا آدمی اس کو کھانا چاہے گا تو اس کو کراہت ہوگی، جس کے نتیجے میں اس کھانے کو ضائع کرنا پڑے گا، اس لئے فرمایا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ۔

کھانے کے درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کھانا سامنے رکھا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کھانے کے وسط اور درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔ (۱)

(۱) سنن الترمذی، کتاب الأطعمة، باب ماجاء فی کراہیۃ الأکل من وسط الطعام، رقم: ۱۸۰۶

اب اگر اس کھانے کے درمیان ہی سے کھالیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کھانے کی برکت ختم ہوگئی، اس لئے اگر ایک طرف سے کھانا کھایا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ کی برکت زیادہ دیر تک برقرار رہے گی۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ برکت کیا چیز ہے؟ درمیان میں کس طرح نازل ہوتی ہے؟ یہ ساری باتیں ایسی ہیں، جن کو ہم اپنی محدود عقل سے نہیں سمجھ سکتے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ وہ جانیں اور ان کے رسول ﷺ جانیں، ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بس ہمیں تو یہ ادب سکھا دیا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ ادھر ادھر سے مت کھاؤ۔

اگر مختلف اشیاء ہوں تو آگے ہاتھ بڑھا سکتے ہیں

لیکن یہ ادب اس وقت ہے، جب کھانا ایک قسم کا ہو۔ اگر برتن کے اندر مختلف انواع کی چیزیں رکھی ہیں۔ تو اس صورت میں اپنی مطلب کی چیز لینے کے لئے ہاتھ ادھر ادھر، دائیں بائیں کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ حضرت عکراش بن زبیب رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور اقدس ﷺ کسی جگہ دعوت میں تشریف لے جانے لگے تو آپ نے مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ہمارے سامنے دسترخوان پر ”ثرید“ لایا گیا۔ ”ثرید“ اسے کہتے ہیں کہ روٹی کے ٹکڑے توڑ کر شوربے میں بھگو دیئے جاتے ہیں۔ پھر اس کو کھایا جاتا ہے۔ یہ کھانا حضور اقدس ﷺ کو بہت پسند تھا۔ اور آپ نے اس کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے کہ ”ثرید“ بڑا اچھا کھانا ہے۔ (۱)

بہر حال، حضرت عکراش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ثرید کھانا شروع کیا تو ایک کام تو یہ کیا کہ میں نے بسم اللہ نہیں پڑھی، ویسے ہی کھانا شروع کر دیا تو حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اللہ کا نام لو، اور بسم اللہ پڑھو۔ اس کے بعد دوسرا کام یہ کیا کہ میں کھانے کے دوران ایک نوالہ یہاں سے لیتا، دوسرا آگے سے لیتا۔ کبھی ادھر سے کبھی ادھر سے نوالہ لیتا، جب حضور اقدس ﷺ نے میری یہ حرکت دیکھی تو آپ نے فرمایا:

((يَا عَكَرَاشُ! كُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ، فَإِنَّهُ طَعَامٌ وَاحِدٌ))

اے عکراش، اپنے سامنے سے کھانا کھاؤ، اس لئے کہ ایک ہی قسم کا کھانا ہے، چنانچہ میں نے ایک ہی جگہ سے کھانا شروع کر دیا، جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو ہمارے سامنے ایک بڑا تھال لایا گیا، جس میں مختلف قسم کی کھجوریں تھیں۔ کوئی کسی رنگ کی، کوئی کسی رنگ کی، کوئی عمدہ، کوئی درمیانی،

کوئی تر، کوئی خشک، مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاج بھی پھونگ پھونگ کر پیتا ہے۔ چونکہ حضور اقدس ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تلقین فرمائی تھی، کہ اپنے سامنے سے کھانا چاہئے، اس لئے میں صرف اپنے سامنے کی کھجوریں کھاتا رہا، اور میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ آپ کا ہاتھ کبھی یہاں جارہا ہے، کبھی وہاں جارہا ہے، جب حضور اقدس ﷺ نے دیکھا کہ میں ایک ہی جگہ سے کھا رہا ہوں، تو آپ نے فرمایا:

((يَا عَكَرَاشُ! كُلْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ، فَإِنَّهُ غَيْرُ لَوْنٍ وَاحِدٍ))

”ایک عکراش، اب جہاں سے چاہو، کھاؤ۔ اس لئے کہ یہ کھجوریں مختلف قسم کی ہیں،

اب مختلف جگہوں سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں“ (۱)

بہر حال اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے یہ ادب سکھا دیا کہ جب ایک قسم کا کھانا ہو تو اپنے سامنے سے کھانا چاہئے، اور جب مختلف قسم کے کھانے دسترخوان پر چنے ہوئے ہوں تو ادھر ادھر ہاتھ بڑھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

بائیں ہاتھ سے کھانا جائز نہیں

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا أَكَلَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهِ فَقَالَ ((كُلْ بِيَمِينِكَ)) قَالَ: لَا أَسْتَطِيعُ قَالَ: ((لَا

أَسْتَطِيعُ)) مَا مَنَعَهُ إِلَّا الْكِبَرُ، فَمَا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ“ (۲)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کے پاس بیٹھ کر بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ اس شخص نے جواب میں کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا (بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص منافق تھا، اور اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی خرابی اور عذر بھی نہیں تھا، ویسے ہی اس نے جھوٹ بول دیا کہ میں نہیں کھا سکتا) اس لئے کہ بعض لوگوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ غلطی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، بلکہ اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں، اسی طرح یہ شخص بھی بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے ٹوکا، شاید اس کو حضور ﷺ کا ٹوکنا پسند نہیں آیا۔ اس لئے اس نے صاف کہہ دیا کہ میں

(۱) سنن الترمذی، کتاب الاطعمۃ عن رسول اللہ، باب ما جاء فی التسمیۃ فی الطعام رقم: ۱۷۷۱،

سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل معا یمینک، رقم: ۳۲۶۵

(۲) صحیح مسلم، کتاب الاشریۃ، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، رقم: ۳۷۶۶، مسند

أحمد، رقم: ۱۵۸۹۶

دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا، اور حضور ﷺ کے سامنے جھوٹ بول دیا۔ اور نبی کے سامنے جھوٹ بولنا، یا غلط بات کہنا اور بلا وجہ اپنی غلطی کو چھپانا اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے اس کو بد عادیٰ ہونے فرمایا:

((لَا اسْتَطَعْتُ))

تمہیں دائیں ہاتھ سے کھانے کی کبھی طاقت نہ ہو۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ اس کے بعد اس شخص کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر کبھی اپنے دائیں ہاتھ کو منہ تک لے جانا بھی چاہتا تب بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔

غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگ لینی چاہئے

اصول یہ ہے کہ اگر بشری تقاضے کے وجہ سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے، پھر وہ انسان ندامت اور شرمندگی کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، لیکن غلطی ہو، اور پھر اس غلطی پر اصرار ہو، اور سینہ زوری ہو اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوششیں بھی کرے، اور پھر نبی کے سامنے جھوٹ بولے، یہ بڑا سنگین گناہ ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا کسی کے حق میں بد دعا کرنا شاذ و نادر ہی ثابت ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے اپنے دشمنوں کے حق میں بد دعا نہیں فرمائی، جو لوگ آپ کے مقابلے میں لڑ رہے ہیں۔ آپ پر تلوار اٹھا رہے ہیں۔ اور آپ پر تیروں کی بارش کر رہے ہیں، ان کے لئے بھی آپ نے بد دعا نہیں فرمائی، بلکہ یہ دعا دی:

((اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ)) (۱)

”اے اللہ، میری قوم کو ہدایت دیدے جسے یہ مجھے جانتے نہیں“

لیکن یہ موقع ایسا تھا کہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص تکبر کی وجہ سے بطور عناد کے منافقت کی بنیاد پر دائیں ہاتھ سے کھانے سے انکار کر رہا ہے، حقیقت میں اس کو کوئی عذر نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے اس کے حق میں بد دعا کا کلمہ ارشاد فرمایا، اور وہ بد دعا فوراً قبول ہو گئی۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب استیابة المرتدین والمعاندين وقتالهم، باب اذا عرض الذمی وغیره بسب النبی ولم یصرح۔ الخ، رقم: ۶۴۱۷، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب غزوة أحد، رقم: ۳۳۴۷، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء، رقم: ۴۰۱۵، مسند أحمد، رقم: ۳۴۲۹

اپنی غلطی پر اڑنا درست نہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آدمی غلط کاری اور گناہوں میں مبتلا ہو۔ پھر بھی بزرگوں اور اللہ تعالیٰ والوں کے پاس اسی حال میں چلا جائے۔ اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن وہاں جا کر اگر جھوٹ بولے گا یا اپنی غلطی پر اڑا رہے گا تو یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ انبیاء کی شان تو بہت بڑی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انبیاء کے وارثین پر بھی اللہ تعالیٰ بعض اوقات یہ فضل فرمادیتے ہیں کہ ان کو تمہاری حقیقت حال سے باخبر فرمادیتے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب ہی نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت والا کی مجلس ہو رہی تھی۔ حضرت والا وعظ فرما رہے تھے، ایک صاحب اسی مجلس میں دیوار یا تکیہ پر ٹیک لگا کر متکبرانہ انداز میں بیٹھ گئے۔ اسی طرح ٹیک لگا کر پاؤں پھیلا کر بیٹھنا مجلس کے ادب کے خلاف ہے اور جو شخص بھی مجلس میں آتا تھا، وہ اپنی اصلاح ہی کی غرض سے آتا تھا، اس لئے کوئی غلط کام کرتا تو حضرت والا کا فرض تھا کہ اس کو ٹوکیں، چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس شخص کو ٹوک دیا، اور فرمایا کہ اس طرح بیٹھنا مجلس کے ادب کے خلاف ہے، آپ ٹھیک سے ادب کے ساتھ بیٹھ جائیں، ان صاحب نے بجائے سیدھے بیٹھنے کے عذر بیان کرتے ہوئے کہا: حضرت میری کمر میں تکلیف ہے۔ اس کی وجہ سے میں اس طرح بیٹھا ہوں، بظاہر وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کا یہ ٹوکنا غلط ہے۔ اس لئے کہ آپ کو کیا معلوم کہ میں کس حالت میں ہوں۔ کس تکلیف میں مبتلا ہوں، آپ کو مجھے ٹوکنا نہیں چاہئے تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو دیکھا کہ آپ نے ایک لمحے کے لئے گردن جھکائی، اور آنکھ بند کی۔ اور پھر گردن اٹھا کر اس سے فرمایا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ کی کمر میں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ آپ مجلس سے اٹھ جائیے۔ یہ کہہ کر ڈانٹ کر اٹھا دیا۔ اب بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا کو کیا پتہ کہ اس کی کمر میں تکلیف ہے یا نہیں؟ لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک بندے کو کسی واقعے کی خبر عطا فرمادیتے ہیں۔ لہذا بزرگوں سے جھوٹ بولنا، یا ان کو دھوکہ دینا بڑی خطرناک بات ہے، اگر غلطی ہو جائے، اس کے بعد آدمی اس پر نادم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس پر توبہ کی توفیق دے دے تو انشاء اللہ وہ گناہ اور غلطی معاف ہو جائے گی بہر حال حضرت والا نے اس شخص کو مجلس اٹھا دیا، بعد میں لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ واقعہ حضرت والا نے صحیح فرمایا تھا، میری کمر میں کوئی تکلیف نہیں تھی، میں نے محض اپنی بات رکھنے کے لئے یہ بات بنائی تھی

بزرگوں کی شان میں گستاخی سے اجتناب کریں

دیکھئے گناہ، کوتاہی، دنیا میں کس سے نہیں ہوئی؟ انسان سے غلطی اور کوتاہی ہو ہی جاتی ہے، اگر کوئی شخص بزرگوں کی بات پر نہیں چل رہا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کسی وقت توبہ کی توفیق دیدیں گے، اس کی خطا کو معاف فرمادیں گے۔ لیکن بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنا، یا ان کے لئے برے کلمات زبان سے نکالنا، اور اپنے گناہ کو صحیح ثابت کرنا، یہ اتنی بری لعنت ہے کہ بسا اوقات اس کی وجہ سے ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی اللہ والے کی کوئی بات پسند نہ آئے۔ تو کوئی بات نہیں، ٹھیک ہے پسند نہیں آئی۔ لیکن اس کی وجہ سے ان کے حق میں کوئی ایسا کلمہ نہ کہو۔ جو بے عزتی اور گستاخی کی ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کلمہ اللہ تعالیٰ کو ناگوار ہو جائے، تو انسان کا ایمان اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے آمین۔

آج کل لوگوں میں یہ بیماری پیدا ہو گئی ہے کہ غلطی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ گناہ کو گناہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ چوری اور پھر سینہ زوری۔ گناہ بھی کر رہے ہیں اور پھر گناہ کو صحیح ثابت کرنے کی فکر میں ہیں، مثلاً کسی بزرگ کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ وہ تو دکاندار آدمی تھے۔ ایسے ویسے تھے ایسے کلمات زبان سے نکالنا بڑی خطرناک بات ہے۔ اس سے خود پرہیز کریں اور دوسروں کو بچانے کی فکر کریں۔

دو کھجوریں ایک ساتھ مت کھاؤ

عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سُحَيْمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَصَابَنَا عَامُ سَنَةِ مَعَ ابْنِ الزُّبَيْرِ، فَرَزَقْنَا تَمْرًا، فَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَمُرُّ بِنَا وَنَحْنُ نَأْكُلُ وَيَقُولُ: لَا تُقَارِنُوا، فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْقِرَانِ، ثُمَّ يَقُولُ: الْآنَ يُسْتَأْذِنُ الرَّجُلُ أَخَاهُ. (۱)

حضرت جبلۃ بن سحیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت کے زمانے میں ہمارے اوپر قحط پڑا، قحط کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے کھانے کے لئے کچھ کھجوریں عطا فرمادیں، جب وہ کھجوریں کھا رہے تھے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس سے گزرے، انہوں نے ہم

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاطعمۃ، باب القران فی التمر، رقم: ۵۰۲۶، صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب نہی الاکل مع جماعة عن قران تمرین، رقم: ۳۸۰۹، مسند احمد، رقم: ۴۷۹۴، سنن الدارمی، کتاب الاطعمۃ، باب النهی عن القران، رقم: ۱۹۷۰

سے فرمایا کہ دودو کھجوریں ایک ساتھ مت کھاؤ، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس طرح دودو کھجوریں ایک ساتھ کھانے کو عربی میں ”قران“ کہتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اس لئے منع فرمایا کہ جو کھجوریں کھانے کے لئے رکھی ہیں اس میں سب کھانے والوں کا برابر مشترک حق ہے، اب اگر دوسرے لوگ تو ایک ایک کھجور اٹھا کر کھا رہے ہیں۔ اور تم نے دودو کھجوریں اٹھا کر کھانی شروع کر دیں تو اب تم دوسروں کا حق مار رہے ہو۔ اور دوسروں کا حق مارنا جائز نہیں۔ البتہ اگر دوسرے لوگ بھی دودو کھجوریں کھا رہے ہیں۔ تم بھی اسی طریقے سے کھاؤ، اس حدیث سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ دوسروں کا حق مارنا جائز نہیں۔

مشترک چیز کے استعمال کا طریقہ

اس حدیث میں حضور ﷺ نے ایک اصول بیان فرمادیا کہ جو چیز مشترک ہو، اور سب لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوں، اس مشترک چیز سے کوئی شخص دوسرے لوگوں سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے تو یہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس کی وجہ سے دوسروں کا حق فوت ہو جائے گا، اس اصول کا تعلق صرف کھجور سے نہیں۔ بلکہ حقیقت میں زندگی کے ان تمام شعبوں سے اس کا تعلق ہے، جہاں چیزوں میں اشتراک پایا جاتا ہے، مثلاً آج کل کی دعوتوں میں ”سلف سروس“ کا رواج ہے کہ آدمی خود اٹھ کر جائے۔ اور اپنا کھانا لائے، اور کھانا کھائے، اب اسی کھانے میں تمام کھانے والوں کا مشترک حق ہے، اب اگر ایک شخص جا کر بہت سارا کھانا اپنے برتن میں ڈال کر لے آیا، اور دوسرے لوگ اس کو دیکھتے رہ گئے۔ تو یہ بھی اس اصول کے تحت ناجائز ہے، اور اس ”قران“ میں داخل ہے جس سے حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا۔

پلیٹ میں کھانا احتیاط سے نکالو

اس اصول کے ذریعہ امت کو یہ تعلیم دینی ہے کہ ایک مسلمان کا کام ہے کہ وہ ایثار سے کام لے، نہ یہ کہ وہ دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالے۔ چاہے وہ حق چھوٹا سا کیوں نہ ہو، لہذا جب آدمی کوئی عمل کرے تو دوسروں کا حق مد نظر رکھتے ہوئے کام کرے، یہ نہ ہو کہ بس، مجھے مل جائے، چاہے دوسروں کو ملے، یا نہ ملے۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے دسترخوان پر بیٹھ کر یہی مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا جب کھانا دسترخوان پر آئے تو یہ دیکھو کہ دسترخوان پر کتنے آدمی کھانے والے ہیں اور جو چیز دسترخوان پر آئی ہے وہ سب کے درمیان برابر تقسیم کی جائے تو تمہارے حصے میں کتنی آئے

گی؟ بس اس حساب سے وہ چیز تم کھاؤ، اگر اس سے زیادہ کھاؤ گے تو یہ ”قران“ میں داخل ہے جو ناجائز ہے۔

ریل میں زائد نشست پر قبضہ کرنا جائز نہیں

اسی طرح ایک مرتبہ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ تم ریل گاڑی میں سفر کرتے ہو۔ تم نے ریل گاڑی کے ڈبے میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہوگا کہ اس ڈبے میں ۲۲ مسافروں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ اب آپ نے پہلے جا کر تین چار نشستوں پر قبضہ کر لیا، اور اپنے لئے خاص کر لیا، اور اس پر بستر لگا کر لیٹ گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ سوار ہوئے، ان کو بیٹھنے کے لئے سیٹ نہیں ملی، اب وہ کھڑے ہیں اور آپ لیٹے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ یہ بھی ”قران“ میں داخل ہے۔ جو ناجائز ہے۔ اس لئے کہ تمہارا حق تو صرف اتنا تھا کہ ایک آدمی کی نشست پر بیٹھ جاتے، لیکن جب آپ نے کئی نشستوں پر قبضہ کر کے دوسروں کے حق کو پامال کیا تو اس عمل کے ذریعہ تم نے دو گناہ کئے۔ ایک یہ کہ تم نے صرف ایک سیٹ کا ٹکٹ خریدا تھا۔ پھر جب تم نے اس سے زیادہ سیٹوں پر قبضہ کر لیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوسرے مسلمان بھائیوں کی سیٹ پر قبضہ کر لیا ان کا حق پامال کیا، اس طرح اس عمل کے ذریعہ دو گناہوں کے مرتکب ہوئے، پہلے گناہ کے ذریعے حق اللہ پامال ہوا، اور دوسرے گناہ کے ذریعہ بندے کا حق پامال ہوا۔

ساتھ سفر کرنے والے کے حقوق

اور یہ بندے کا ایسا حق ہے کہ جس کو بندوں سے معاف کرانا بھی مشکل ہے اس لئے کہ بندوں کے حق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے، جب تک صاحب حق معاف نہ کرے، لہٰذا تو بہ کرنے سے معاف نہیں ہوتے۔ اب اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ نے تو بہ کی توفیق دی، اور دل میں خیال آیا کہ مجھ سے یہ غلطی ہو گئی تھی تو اب اس وقت اس شخص کو کہاں تلاش کرو گے جس نے تمہارے ساتھ ریل گاڑی میں سفر کیا تھا، اور تم نے اس کا حق ضائع کر دیا تھا، اس لئے اب معافی کا کوئی راستہ نہیں۔ اس لئے ان معاملات میں بہت اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے کئی مقامات پر اس بات کا حکم دیا:

﴿وَالصَّاحِبُ بِالْجَنْبِ﴾ (۱)

یعنی ”صاحب بالجنب“ کا حق ادا کرو، ”صاحب بالجنب“ اس کو کہتے ہیں جو کسی وقت عارضی طور پر ریل کے سفر میں یا بس میں، یا جہاز میں، تمہارے ساتھ آ کر بیٹھ گیا ہو۔ وہ ”صاحب بالجنب“ ہے۔

اس کے بھی حقوق ہیں۔ ان حقوق کو ضائع نہ کرو۔ اور اس کے ساتھ ایثار سے کام لو۔ ذرا سی دیر سفر ہے۔ ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس سفر کے دوران تم نے اپنے ذمے گناہ لازم کر لیا، تو وہ گناہ ساری عمر تمہارے نامہ اعمال میں لکھا رہے گا، اس کی معافی ہونی مشکل ہے۔ یہ سب ”قرآن“ میں داخل ہے ناجائز ہے۔

مشترک کاروبار میں حساب کتاب شرعاً ضروری ہے

آج کل یہ وبا بھی عام ہے کہ چند بھائیوں کا مشترک کاروبار ہے، لیکن حساب کتاب کوئی نہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم سب بھائی ہیں۔ حساب کتاب کی کیا ضرورت ہے؟ حساب کتاب تو غیروں میں ہوتا ہے، اپنوں میں حساب کتاب کہاں۔ اب اس کا کوئی حساب کتاب، کوئی لکھت پڑھت نہیں کہ کس بھائی کی کتنی ملکیت اور کتنا حصہ ہے؟ ماہانہ کس کو کتنا منافع دیا جائے گا؟ اس کا کوئی حساب نہیں، بلکہ الٹا معاملہ چل رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ دنوں تک تو محبت پیار سے حساب چلتا رہتا ہے، لیکن بعد میں دلوں میں شکوے شکایتیں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ کہ فلاں کی اولاد تو اتنی ہے۔ وہ زیادہ رقم لیتا ہے، فلاں کی اولاد کم ہے، وہ کم لیتا ہے، فلاں کی شادی پر اتنا خرچ کیا گیا، ہمارے بیٹے کی شادی پر کم خرچ ہوا، فلاں نے کاروبار سے اتنا فائدہ اٹھا لیا، ہم نے نہیں اٹھایا۔ وغیرہ بس اس طرح کی شکایتیں شروع ہوتی ہیں۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے سے دور چلے گئے، یاد رکھئے، ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اگر کوئی مشترک چیز ہے تو اس مشترک چیز کا حساب و کتاب رکھا جائے، اگر حساب و کتاب نہیں رکھا جا رہا ہے تو تم خود بھی گناہوں میں مبتلا ہو رہے ہو، اور دوسروں کو بھی گناہ میں مبتلا کر رہے ہو، یاد رکھیے، بھائیوں کے درمیان معاملات کے اندر جو محبت و پیار ہوتا ہے۔ وہ کچھ دن چلتا ہے، بعد میں وہ لڑائی جھگڑوں میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور پھر وہ لڑائی جھگڑے ختم ہونے کو نہیں آتے، کتنی مثالیں اس وقت میرے سامنے ہیں۔

ملکیتوں میں امتیاز شرعاً ضروری ہے

ملکیتوں میں امتیاز ہونا ضروری ہے۔ یہاں تک باپ بیٹے کی ملکیت میں اور شوہر بیوی کی ملکیت میں امتیاز ہونا ضروری ہے، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں کے گھر الگ الگ تھے، حضرت والا رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ملکیت اور میری دونوں بیویوں کی ملکیت بالکل الگ الگ کر کے بالکل امتیاز کر رکھا ہے۔ وہ اس طرح کہ جو کچھ سامان بڑی اہلیہ کے گھر میں

ہے، وہ ان کی ملکیت ہے، اور جو سامان چھوٹی اہلیہ کے گھر میں ہے، وہ ان کی ملکیت ہے، اور جو سامان خانقاہ میں ہے، وہ میری ملکیت ہے، آج اگر دنیا سے چلا جاؤں تو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ الحمد للہ سب امتیاز موجود ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ملکیت کی وضاحت

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسی طرح دیکھا کہ ہر چیز میں ملکیت واضح کر دینے کا معمول تھا۔ آخری عمر میں حضرت والد صاحب نے اپنے کمرے میں ایک چار پائی ڈال لی تھی۔ دن رات وہیں رہتے تھے، ہم لوگ ہر وقت حاضر خدمت رہا کرتے تھے، میں نے دیکھا کہ جب میں ضرورت کی کوئی چیز دوسرے کمرے سے ان کے کمرے میں لاتا تو ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً فرماتے کہ اس چیز کو واپس لے جاؤ۔ اگر کبھی واپس لے جانے میں دیر ہو جاتی تو ناراض ہوتے کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ واپس پہنچا دو، ابھی تک واپس کیوں نہیں پہنچائی؟

کبھی کبھی ہمارے دل میں خیال آتا کہ اتنی جلدی واپس لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی واپس پہنچا دیں گے، ایک دن خود والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اپنے وصیت نامہ میں یہ لکھ دیا ہے کہ میرے کمرے میں جو چیزیں ہیں، وہ سب میری ملکیت ہیں۔ اور اہلیہ کے کمرے میں جو چیزیں ہیں، وہ ان کی ملکیت ہے، لہذا جب میرے کمرے میں کسی دوسرے کی چیز آ جاتی ہے تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا انتقال اس حالت میں ہو جائے کہ وہ چیز میرے کمرے کے اندر ہو، اس لئے کہ وصیت نامہ کے مطابق وہ چیز میری تصور کی جائے گی، حالانکہ حقیقت میں وہ چیز میری ملکیت نہیں ہے۔ اس لئے میں اس بات کا اہتمام کرتا ہوں، اور تمہیں کہتا ہوں کہ یہ چیز جلدی واپس لے جاؤ۔ یہ سب باتیں دین کا حصہ ہیں۔ آج ہم نے ان کو دین سے خارج کر دیا ہے، اور یہی باتیں بڑوں سے سیکھنے کی ہیں، اور یہ سب باتیں اسی اصول سے نکل رہی ہیں، جو اصول حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمادیا وہ یہ کہ ”قرآن“ سے بچو۔

مشترک چیزوں کے استعمال کا طریقہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ گھر میں بعض اشیاء مشترک استعمال کی ہوتی ہیں، جس کو گھر کا ہر فرد استعمال کرتا ہے، اور ان کی ایک جگہ مقرر ہوتی ہے کہ فلاں چیز فلاں جگہ پر رکھی جائے گی، مثلاً گلاس فلاں جگہ رکھا جائے گا، پیالہ فلاں جگہ رکھا جائے گا، صابن فلاں جگہ رکھا جائے گا، ہمیر فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ ان چیزوں کو استعمال کر کے بے جگہ رکھ دیتے ہو، تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا بے

عمل گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کہ وہ چیز مشترک استعمال کی ہے، جب دوسرے شخص کو اس کے استعمال کی ضرورت ہوگی تو وہ اس کو اس جگہ پر تلاش کرے گا، اور جب جگہ پر اس کو وہ چیز نہیں ملے گی تو اس کو تکلیف اور ایذا ہوگی اور کسی بھی مسلمان کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے۔ ہمارا ذہن کبھی اس طرف گیا بھی نہیں تھا کہ یہ بھی گناہ کی بات ہے، ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ تو دنیا داری کا کام ہے۔ گھر کا انتظامی معاملہ ہے۔ یاد رکھو، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں دین کی کوئی ہدایت موجود نہ ہو۔ ہم سب اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا ہم لوگ اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ مشترک استعمال کی اشیاء استعمال کے بعد ان کی متعین جگہ پر رکھیں، تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو؟ اب یہ چھوٹی سی بات ہے، جس میں ہم صرف بے دھیانی اور بے توجہی کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمیں دین کی فکر نہیں، دین کا خیال نہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا احساس نہیں، دوسرے اس لئے کہ ان مسائل سے جہالت اور ناواقفیت بھی آج کل بہت ہے۔

بہر حال، یہ سب باتیں ”قرآن“ کے اندر داخل ہیں۔ ویسے تو یہ چھوٹی سی بات ہے کہ دو کھجوروں کو ایک ساتھ ملا کر نہ کھانا چاہئے۔ لیکن اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ہر وہ کام کرنا، جس سے دوسرے مسلمان کو تکلیف ہو، یا دوسروں کا حق پامال ہو، سب ”قرآن“ میں داخل ہیں۔

مشترکہ بیت الخلاء کا استعمال

بعض اوقات ایسی بات ہوتی ہے، جس کو بتاتے ہوئے شرم آتی ہے، لیکن دین کی باتیں سمجھانے میں شرم کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ مثلاً آپ بیت الخلاء میں گئے، اور فارغ ہونے کے بعد غلاظت کو بہا یا نہیں، ویسے ہی چھوڑ کر چلے آئے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ عمل گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کہ جب دوسرا شخص بیت الخلاء استعمال کرے گا تو اس کو کراہت ہوگی، اور تکلیف ہوگی، اور اس تکلیف کا سبب تم بنے، تم نے اس کو تکلیف پہنچائی، اور ایک مسلمان کو تکلیف پہنچا کر تم نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔

غیر مسلموں نے اسلامی اصول اپنالئے

ایک مرتبہ میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ڈھاکہ کے سفر پر گیا۔ ہوائی جہاز کا سفر تھا، راستے میں مجھے غسل خانے میں جانے کی ضرورت پیش آئی، آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہوائی جہاز کے غسل خانے میں واش بیسن کے اوپر یہ عبارت لکھی ہوتی ہے: ”جب آپ واش بیسن کو استعمال کر لیں تو اس کے بعد کپڑے سے اس کو صاف اور خشک کر دیں۔ تاکہ بعد میں آنے والے کو کراہت نہ ہو۔“

جب میں غسل خانے سے واپس آیا تو حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ غسل خانے میں واش بیسن پر جو عبارت لکھی ہے، یہ ہی بات ہے جو میں تم لوگوں سے بار بار کہتا رہتا ہوں کہ دوسروں کو تکلیف سے بچانا دین کا حصہ ہے۔ جو ان غیر مسلموں نے اختیار کر لیا ہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں ترقی عطا فرمادی ہے، اور ہم لوگوں نے ان باتوں کو دین سے خارج کر دیا ہے، اور دین کو صرف نماز روزے کے اندر محدود کر دیا ہے۔ معاشرت کے ان آداب کو بالکل چھوڑ دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم لوگ پستی اور تنزل کی طرف جا رہے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے۔ اس میں جیسا عمل اختیار کرو گے، اللہ تعالیٰ اس کے ویسے ہی نتائج پیدا فرمائیں گے۔

ایک انگریز خاتون کا واقعہ

گذشتہ سال مجھے لندن جانے کا اتفاق ہوا، پھر وہاں لندن سے ٹرین کے ذریعہ ایڈمبرا جا رہا تھا۔ راستے میں غسل خانے میں جانے کی ضرورت پیش آئی، جب غسل خانے کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک انگریز خاتون دروازے پر کھڑی ہے، میں یہ سمجھا کہ شاید غسل خانہ اس وقت فارغ نہیں ہے، اور یہ خاتون اس انتظار میں ہے کہ جب فارغ ہو جائے تو وہ اندر جائے۔ چنانچہ اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔ جب کافی دیر اس طرح گزر گئی کہ نہ تو اندر سے کوئی نکل رہا تھا، اور نہ یہ اندر جا رہی تھی۔ میں دوبارہ غسل خانے کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ غسل خانے کے دروازے پر لکھا ہے کہ یہ خالی ہے، اندر کوئی نہیں۔ چنانچہ میں نے ان خاتون سے کہا کہ آپ اندر جانا چاہے تو چلی جائیں، غسل خانہ تو خالی ہے، ان خاتون نے کہا کہ ایک اور وجہ سے کھڑی ہوں۔ وہ یہ کہ میں اندر ضرورت کے لئے گئی تھی۔ اور ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد ابھی میں نے اس خلش نہیں کیا تھا کہ اتنے میں گاڑی اسٹیشن پر آ کر کھڑی ہو گئی، اور قانون یہ ہے کہ جب گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی ہو، اس وقت غسل خانہ استعمال نہ کرنا چاہئے، اور نہ اس میں پانی بہانا چاہئے، اب میں اس انتظار میں ہوں کہ جب گاڑی چل پڑے تو میں اس خلش کر دوں۔ اور اس میں پانی بہا دوں۔ اور پھر اپنی سیٹ پر واپس جاؤں،

اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ خاتون صرف اس انتظار میں تھی کہ فلش کرنا رہ گیا تھا۔ اور اب تک فلش بھی اس لئے نہیں کیا تھا کہ یہ قانون کی خلاف ورزی ہو جائے گی۔ اس وقت مجھے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی یہ بات یاد آ گئی، وہ فرمایا کرتے تھے: اس بات کا خیال اور اہتمام کہ آدمی فلش کر کے جائے، اصل میں یہ دین کا حکم ہے، تاکہ بعد میں آنے والے کو تکلیف نہ ہو۔ لیکن دین کی اس بات پر اک غمہ مسلم نے کس قدر اہتمام سے عمل کیا، آپ اندازہ لگائیں کہ کیا ہم میں سے کوئی شخص اگر

مشترک چیز کو استعمال کرے تو کیا اس کو اس بات کا اہتمام اور خیال ہوتا ہے؟ بلکہ ہم لوگ ویسے ہی گندہ چھوڑ دیتے ہیں، اور یہ سوچتے ہیں کہ جو بعد میں آئے گا۔ وہ بھرے گا۔ وہ خود ہی نمٹ لے گا۔ وہ جانے، اس کا کام جانے۔

غیر مسلم تو میں کیوں ترقی کر رہی ہیں

خوب سمجھ لیجئے، یہ دنیا، اسباب کی دنیا ہے، اگر یہ باتیں غیر مسلموں نے حاصل کر کے ان پر عمل کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں ترقی دے دی۔ اگرچہ آخرت میں تو ان کا کوئی حصہ نہیں، لیکن معاشرت کے وہ آداب جو ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ نے سکھائے تھے۔ ان آداب کو انہوں نے اختیار کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ترقی دے دی۔ لہذا یہ اعتراض تو کر دیا کہ ہم مسلمان ہیں۔ کلمہ پڑھتے ہیں۔ ایمان کا اقرار کرتے ہیں، اس کے باوجود دنیا میں ہم ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ دوسرے لوگ غیر مسلم ہونے کے باوجود ترقی کر رہے ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھا کہ ان غیر مسلموں کا یہ حال ہے کہ وہ تجارت میں جھوٹ نہیں بولیں گے، امانت اور ردیانت سے کام لیں گے، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت چمکا دی، لیکن مسلمانوں نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا۔ اور دین کو مسجد اور مدرسے تک محدود کر کے بیٹھ گیا۔ زندگی کی باقی چیزوں کو چھوڑ دیا۔ زندگی کی باقی چیزوں کو دین سے خارج کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے دین سے بھی دور ہو گئے، اور دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہو گئے۔ حالانکہ حضور اقدس ﷺ نے یہ سب تعلیمات ہمیں عطا فرمائیں۔ تاکہ ہم ان کو اپنی زندگی کے اندر اپنائیں، اور ان کو دین کا حصہ سمجھیں۔ بہر حال، بات یہاں سے چلی تھی کہ ”دو کھجوروں کو ایک ساتھ ملا کر نہ کھاؤ“، لیکن اس سے کتنے اہم اصول ہمارے لئے نکلتے ہیں، اور یہ کتنی ہمہ گیر بات ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں احساس اور ادراک پیدا فرمادے۔ آمین۔

ٹیک لگا کر کھانا خلاف سنت ہے

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنِّي لَا أَكُلُ مُتَّكِفًا)) (۱)

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاطعمہ، باب الاکل متکثاً، رقم: ۴۹۷۹، سنن الترمذی، کتاب الاطعمہ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی کراہیۃ الاکل متکثاً، رقم: ۱۷۵۳، سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمہ، باب ما جاء فی الاکل متکثاً، رقم: ۳۲۷۷، سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الاکل متکثاً، رقم: ۳۲۵۳، مسند أحمد، رقم: ۱۸۰۰۵

”حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں فیک لگا کر نہیں کھاتا“

ایک دوسری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا مُقْعِيًا يَأْكُلُ تَعَرًّا)) (۱)
 ”میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس طرح بیٹھے ہوئے کھجور کھا رہے تھے کہ آپ نے اپنے گھٹنے کھڑے کئے ہوئے تھے“

اکڑوں بیٹھ کر کھانا مسنون نہیں

کھانے کی نشست کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں چند غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کو دور کرنا ضروری ہے۔ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں کھانے کی مستحب اور بہتر نشست یہ ہے کہ آدمی اس طرح بیٹھ کر کھائے کہ اس نشست کے ذریعہ کھانے کی تعظیم بھی ہو، اور تواضع بھی ہو، متکبرانہ نشست نہ ہو، اور اس نشست میں کھانے کی بے توقیری اور بے عزتی نہ ہو۔ یہ جو مشہور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے، یہ بات اس طرح درست نہیں، مجھے ایسی کوئی حدیث نہیں ملی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اکڑوں بیٹھ کر کھانا ثابت ہو، البتہ اوپر جو حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں جس نشست کا ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ کہ آپ نے زمین پر بیٹھ کر اپنے دونوں گھٹنے سامنے کی طرف کھڑے کر دیئے تھے۔ اس حدیث میں ”اکڑوں“ بیٹھنا مراد نہیں، لہذا یہ جو مشہور ہے کہ ”اکڑوں“ بیٹھ کر کھانا سنت ہے، یہ درست نہیں۔ البتہ یہ بات ثابت ہے کہ کھانے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست تواضع والی نشست ہوتی تھی، جس میں دیکھنے والے کو فرعونیت، یا تکبر یا رعونت کا احساس نہ ہو، بلکہ عبدیت کا احساس ہوتا ہو۔

کھانے کی بہترین نشست

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ اس طرح کھانا کھا رہے تھے، جس طرح غلام کھانا کھاتا ہے۔ بہر حال، احادیث کے مجموعے سے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے جو بات اخذ کی ہے، وہ یہ ہے کہ کھانے کی بہتر نشست یہ کہ آدمی یا دوزانوں بیٹھ کر کھائے اس لئے کہ اس میں تواضع بھی زیادہ ہے، اور کھانے کا احترام بھی ہے۔ اور اس

(۱) صحیح مسلم، کتاب الاشرۃ، باب استحباب تواضع الاکل وصفۃ قعودہ، رقم: ۳۸۰۷، سنن

ایداود، کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی الاکل متکئا، رقم: ۳۲۷۹، مسند أحمد، رقم: ۱۲۳۹۵

نشست میں بسیار خوری کا سد باب بھی ہے، اس لئے جب آدمی خوب پھیل کر بیٹھے گا تو زیادہ کھایا جائے گا، اور ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ ایک ٹانگ اٹھا کر اور ایک ٹانگ بچھا کر کھانا بھی اسی میں داخل ہے، اور یہ بھی تواضع والی نشست ہے، اور اس طرح بیٹھ کر کھانے میں دنیا کا بھی فائدہ اور آخرت کا بھی فائدہ ہے۔

چار زانوں بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے

کھانے کے وقت چار زانوں ہو کر بیٹھنا بھی جائز ہے۔ ناجائز نہیں۔ اس میں کوئی گناہ نہیں، لیکن یہ نشست تواضع کے اتنے قریب نہیں ہے، جتنی پہلی دو نشستیں قریب ہیں، لہذا عادت تو اس بات کی ڈالنی چاہئے کہ آدمی دو زانوں بیٹھ کر کھائے، یا ایک ٹانگ کھڑی کر کے کھائے، چار زانوں نہ بیٹھے، لیکن اگر کسی سے اس طرح نہیں بیٹھا جاتا، یا کوئی شخص اپنے آرام کے لئے چار زانوں بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ چار زانوں بیٹھ کر کھانا ناجائز ہے۔ یہ خیال درست نہیں۔ غلط ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ دو زانوں بیٹھ کر کھائے۔ اس لئے کہ اس نشست میں کھانے کی عظمت اور توقیر زیادہ ہے۔

میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا

میز کرسی پر کھانا بھی کوئی گناہ اور ناجائز نہیں۔ لیکن زمین پر بیٹھ کر کھانے میں سنت کے اتباع کا ثواب بھی ہے، اور سنت سے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے حتی الامکان انسان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر کھائے، اس لئے کہ جتنا سنت سے زیادہ قریب ہوگا، اتنی ہی برکت زیادہ ہوگی، اور اتنا ہی ثواب ملے گا۔ اتنے ہی فوائد زیادہ حاصل ہوں گے۔ بہر حال میز، کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے، گناہ نہیں ہے۔

زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے

حضور اقدس ﷺ دو وجہ سے زمین پر بیٹھ کر کھاتے تھے، ایک تو یہ کہ اس زمانہ میں زندگی سادہ تھی، میز کرسی کا رواج ہی نہیں تھا۔ اس لئے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نیچے بیٹھ کر کھانے میں تواضع زیادہ ہے، اور کھانے کی توقیر بھی زیادہ ہے۔ آپ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ کرسی پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی، اور زمین پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہو گئی، دونوں میں زمین آسمان کا فرق محسوس ہوگا۔ اس لئے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں

طبیعت کے اندر تواضع زیادہ ہوگی، عاجزی ہوگی، مسکنت ہوگی، عبدیت ہوگی، اور میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کی صورت یہ باتیں پیدا نہیں ہوتیں، اس لئے حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ آدمی زمین پر بیٹھ کر کھائے۔ لیکن اگر کہیں میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کا موقع آجائے، تو اس طرح کھانے میں کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں ہے، لہذا اس پر اتنا تشدد کرنا بھی ٹھیک نہیں، جیسا کہ بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو حرام اور ناجائز ہی سمجھتے ہیں، اور اس پر بہت زیادہ نکیر کرتے ہیں۔ یہ عمل بھی درست نہیں۔

بشرطیکہ اس سنت کا مذاق نہ اڑایا جائے

اور یہ جو میں نے کہا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے زیادہ قریب ہے، اور زیادہ افضل ہے، اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، یہ بھی اس وقت ہے، جب اس سنت کو ”معاذ اللہ“ مذاق نہ بنایا جائے، لہذا اگر کسی جگہ پر اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر نیچے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا گیا تو لوگ اس سنت کا مذاق اڑائیں گے۔ تو ایسی جگہ پر زمین پر کھانے پر اصرار بھی درست نہیں۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے ایک دن سبق میں ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن میں اور میرے کچھ رفقاء دیوبند سے دہلی گئے، جب دہلی پہنچے تو وہاں کھانا کھانے کی ضرورت پیش آئی، چونکہ کوئی اور جگہ کھانے کی نہیں تھی، اس لئے ایک ہوٹل میں کھانے کے لئے چلے گئے، اب ظاہر ہے کہ ہوٹل میں میز کرسی پر کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ اس لئے ہمارے دوستوں نے کہا کہ ہم تو کرسی پر بیٹھ کر نہیں کھائیں گے۔ اس لئے کہ زمین پہ بیٹھ کر کھانا سنت ہے۔ چنانچہ انہوں نے چاہا کہ ہوٹل کے اندر زمین پر اپنا رومال بچا کر وہاں بیرے سے کھانا منگوائیں، حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کریں۔ بلکہ میز کرسی ہی پر بیٹھ کر کھانا کھالیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میز کرسی پر کیوں کھائیں؟ جب زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت کے زیادہ قریب ہے۔ تو پھر زمین پر بیٹھ کر کھانے سے کیوں ڈریں، اور کیوں شرمائیں، حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ شرمانے اور ڈرنے کی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب تم لوگ یہاں اس طرح زمین پر اپنا رومال بچھا کر بیٹھو گے، تو لوگوں کے سامنے اس سنت کا مذاق بناؤ گے، اور لوگ اس سنت کی توہین کے مرتکب ہوں گے۔ اور سنت کی توہین کا ارتکاب کرنا صرف گناہ ہی نہیں۔ بلکہ بعض اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

پھر حضرت والد صاحب نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایک قصہ بتاتا ہوں، ایک بہت بڑے محدث اور بزرگ ہیں، ”جو سلیمان اعمش“ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاد ہیں۔ تمام احادیث کی کتابیں ان کی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں، عربی زبان میں ”اعمش“ چوندھے کو کہا جاتا ہے۔ جس کی آنکھوں میں چندھیا ہٹ ہو، جس میں پلکیں گر جاتی ہیں۔ اور روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھیں حیرہ ہو جاتی ہیں، چونکہ ان کی آنکھیں چندھائی ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے ”اعمش“ کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کے پاس ایک شاگرد آگئے۔ وہ شاگرد اعرج یعنی لنگڑے تھے، پاؤں سے معذور تھے، شاگرد بھی ایسے تھے جو ہر وقت استاد سے چمٹے رہنے والے تھے، جیسے بعض شاگردوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وقت استاد سے چمٹے رہتے ہیں۔ جہاں استاد جا رہے ہیں، وہاں شاگرد بھی ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔ یہ بھی ایسے تھے، چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب بازار جاتے تو یہ ”اعرج“ شاگرد بھی ساتھ ہو جاتے، بازار میں لوگ ان پر فقرے کتے کہ دیکھو استاد ”چوندھا“ ہے، اور شاگرد ”لنگڑا“ ہے، چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ جب ہم بازار جایا کریں تو تم ہمارے ساتھ مت جایا کرو، شاگرد نے کہا کیوں؟ میں آپ کا ساتھ کیوں چھوڑوں؟ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب ہم بازار جاتے ہیں تو لوگ سہما مذاق اڑاتے ہیں کہ استاد چوندھا ہے، اور شاگرد لنگڑا ہے۔ شاگرد نے کہا:

”مَا لَنَا نُوْجِرُ وَيَأْتُمُونُ“

حضرت، جو لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کو مذاق اڑانے دیں۔ اس لئے اس مذاق اڑانے کے نتیجے میں ہمیں ثواب ملتا ہے، اور وطن کو گناہ ہوتا ہے۔ اس میں ہمارا تو کوئی نقصان نہیں۔ بلکہ ہمارا تو فائدہ ہے، حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

”نَسْلُمُ وَيَسْلُمُونَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ نُّوْجَرَ وَيَأْتُمُونَ“

ارے بھائی، وہ بھی گناہ سے بچ جائیں، اور ہم بھی گناہ سے بچ جائیں، یہ اس کے بنسبت بہتر ہے کہ ہمیں ثواب ملے، اور ان کو گناہ ہو۔ میرے ساتھ جانا کوئی فرض و واجب تو ہے نہیں، اور نہ جانے میں کوئی نقصان تو ہے نہیں، البتہ فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس گناہ سے بچ جائیں گے۔ لہذا ہمارے مسلمان بھائیوں کو گناہ ہو۔ اس سے بہتر یہ صورت ہے کہ نہ ان کو گناہ ہو اور نہ ہمیں گناہ ہو۔ اس لئے آئندہ میرے ساتھ باوجود صحت جایا کرو۔

اس وقت مذاق کی پرواہ نہ کرے

لیکن یہ بات رکھو، اگر کوئی گناہ کا کام ہے۔ تو پھر چاہے کوئی مذاق اڑائے۔ یا ہنسی اڑائے، اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ لوگوں کے مذاق اڑانے کی وجہ سے گناہ کا کام کرنا جائز نہیں۔ لوگوں کے مذاق اڑانے کی وجہ سے کوئی فرض یا واجب کام چھوڑنا جائز نہیں، لیکن اگر ایک طرف جائز اور مباح کام ہے، اور دوسرے طرف اولیٰ اور افضل کام ہے۔ اب اگر لوگوں کو گناہ سے بچانے کے لئے افضل کام چھوڑ دو۔ اور اس کے مقابلے میں جو جائز کام ہے۔ اس کو اختیار کر لو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ایسا کرنا درست ہے۔

بلا ضرورت میز کرسی پر نہ کھائے

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانے کی ضرورت پیش آ گئی۔ تو حضرت تھانوی نے اس وقت فرمایا کہ ویسے تو میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا جائز تو نہیں ہے، لیکن اس میں تھوڑا سا تشبہ ہے کہ چونکہ انگریزوں کا چلایا ہوا طریقہ ہے۔ اس طرح کھانے میں ان کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے، اس لئے جب آپ کرسی پر بیٹھے تو پاؤں اٹھا کر بیٹھ گئے، پاؤں لٹکائے نہیں۔ اور پھر فرمایا کہ انگریزوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جانے کا جو شبہ تھا، وہ اس طرح بیٹھنے سے ختم ہو گیا۔ اس لئے کہ وہ لوگ پاؤں لٹکا کر کھاتے ہیں، میں نے پاؤں اوپر کر لئے ہیں۔

بہر حال، میز کرسی پر کھانا کھانا جائز اور گناہ نہیں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ آدمی جتنا سنت سے قریب ہوگا، اتنی ہی برکت زیادہ ہوگی، اتنا ہی اجر زیادہ ملے گا۔ لہذا بلا وجہ اور بلا ضرورت کے میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو اپنی عادت بنا لینا اچھا نہیں، بہتر یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانے کا اہتمام کرے۔ لیکن جہاں کہیں ضرورت داعی ہو، وہاں کھائے۔ بلکہ آگے کی طرف جھک کر کھائے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فیک لگا کر کھانے کو متکبرین کا طریقہ قرار دیا ہے، یہ طریقہ درست نہیں۔

چار پائی پر کھانا

اسی طرح چار پائی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے۔ بلکہ کرسی پر کھانے کے مقابلے میں چار پائی پر کھانا زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ وہ طریقہ جس میں کھانے والا اور کھانے کی سطح برابر ہو۔ اس سے بہتر ہے جس میں کھانا اوپر ہو۔ اور کھانے والا نیچے ہو۔ البتہ سب سے بہتر یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر کھایا جائے، اس میں ثواب بھی زیادہ ہے۔ تو اضع بھی اس سے زیادہ ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی

زیادہ قریب ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں سنتوں سے زیادہ قریب رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کھانے کے وقت باتیں کرنا

ایک غلط بات لوگوں میں یہ مشہور ہے کھانا کھاتے وقت باتیں کرنا جائز نہیں، یہ بھی بے اصل بات ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، کھانا کھانے کے دوران ضرورت کی بات کی جاسکتی ہے، اور حضور اقدس ﷺ سے ثابت بھی ہے، البتہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ کھانے کے وقت جو باتیں کی جائیں۔ وہ ہلکی پھلکی ہوں، زیادہ سوچ و بچار اور زیادہ انہماک کی باتیں کھانے کے وقت نہیں کرنی چاہئے، اس لئے کہ کھانے کا بھی حق ہے۔ وہ حق یہ ہے کہ کھانے کی طرف متوجہ ہو کر کھاؤ، لہذا ایسی باتیں کرنا جس میں انسان منہمک ہو جائے، اور کھانے کی طرف توجہ نہ رہے۔ ایسی باتیں کرنا درست نہیں۔ خوش طبعی اور ہنسی مذاق کی ہلکی پھلکی باتیں کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ جو مشہور ہے کہ آدمی کھانے کے وقت بالکل خاموش رہے۔ کوئی بات نہ کرے۔ یہ درست نہیں۔

کھانے کے بعد ہاتھ پونچھ لینا جائز ہے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَمْسَحْ أَصَابِعَهُ حَتَّى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعِقَهَا)) (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھا چکے تو اپنی انگلیوں کو صاف نہ کرے۔ جب تک خود ان انگلیوں کو چاٹ نہ لے، یا دوسرے کو نہ چٹوادے۔

علماء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے دو مسئلے نکلتے ہیں۔ اور دو آداب اس حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا مسئلہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد جس طرح ہاتھ دھونا جائز، بلکہ مستحب اور سنت ہے۔ اسی طرح ان ہاتھوں کو کسی چیز سے پونچھ لینا بھی جائز ہے۔ البتہ افضل تو یہ ہے کہ ہاتھوں کو پانی سے دھولیا جائے۔ لیکن اگر پانی موجود نہیں ہے یا پانی استعمال کرنے میں کوئی تکلیف اور دشواری ہے تو اس صورت میں کسی کاغذ یا کپڑے سے پونچھ لینا بھی جائز ہے، جیسا کہ آجکل ٹیشو پیپر اسی مقصد کے لئے ایجاد ہو گئے ہیں، ان سے ہاتھ پونچھ لینا بھی جائز ہے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاطعمہ، باب لعق الاصابع و مصہا، رقم: ۵۰۳۵، صحیح مسلم،

کتاب الاشرۃ، باب استحباب طلع الاصابع و القصعة و اکل اللقمة الساقطة، رقم: ۳۷۸۷، سنن

ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب لعق الاصابع، رقم: ۳۲۶۰، مسند أحمد، رقم: ۲۵۴۷

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینا سنت ہے

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث کے بیان کا اصل مقصود ہے۔ وہ یہ کہ ہاتھوں کو دھونے اور پونچھنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹ لینا چاہئے، اور خود حضور اقدس ﷺ کا یہ معمول تھا، اور آپ کی یہ سنت تھی کہ کھانے کے جو ذرات انگلیوں پر رہ جاتے، آپ ان کو چاٹ لیتے تھے، اور اس کی حکمت حضور اقدس ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں یہ بیان فرمائی کہ تمہیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کون سے حصے میں برکت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانے کے اس مخصوص جز میں کوئی برکت کا پہلو ہو سکتا ہے، جو دوسرے اجزاء میں نہیں ہے۔ شاید برکت اسی حصے میں ہو۔ جو تمہاری انگلیوں پر لگا رہ گیا ہے، لہذا اس حصے کو بھی ضائع نہ کرو۔ بلکہ اس کو بھی کھا لو، تاکہ اس برکت سے محروم نہ رہو۔

برکت کیا چیز ہے؟

یہ برکت کیا چیز ہے؟ آج کی دنیا جو مادہ پرستی میں گری ہوئی ہے، صبح سے لے کر شام تک مادہ ہی چکر کاٹا نظر آتا ہے اور مادے کے پیچھے، مال و دولت اور سامان و اسباب کے پیچھے جھانکنے کی صلاحیت ہی ختم ہو گئی ہے۔ اس لئے آجکل برکت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ برکت کیا چیز ہے؟ برکت ایک ایسا وسیع مفہوم ہے۔ جس میں دنیا و آخرت کی تمام صلاح و فلاح سب شامل ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک عطا ہوتی ہے۔ جس کا آپ نے اپنی زندگی میں بارہا مشاہدہ کیا ہوگا۔ وہ یہ کہ بعض اوقات انسان کسی چیز کے بے شمار اسباب جمع کر لیتا ہے۔ مگر ان سے فائدہ نہیں ہوتا، مثلاً اپنے گھر کے اندر آرام و راحت کے تمام اسباب جمع کر لئے، اعلیٰ سے اعلیٰ فرنیچر سے گھر کو سجا دیا۔ بہترین بیڈ لگا لئے۔ حشم خدم، نوکر چاکر سب جمع کر لئے۔ سجاوٹ کا سارا سامان جمع کر لیا۔ لیکن اس کے باوجود رات کو نیند نہیں آتی، ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتے رہے، معلوم ہوا کہ ساز و سامان میں برکت نہیں۔ اور اس سامان سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہئے تھا وہ حاصل نہیں ہوا۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ سامان اپنی ذات میں خود مقصود ہے کہ ان کو دیکھتے رہو؟ اور خوش ہوتے رہو، ارے یہ سامان تو اس لئے کہ اس کے ذریعہ راحت ملے، آرام ملے، سکون حاصل ہو یا درکھو۔ یہ ساز و سامان سکون اور راحت کا ذریعہ تو ہیں اور جس چیز کا نام ”راحت اور سکون“ ہے۔ وہ خالص اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، لہذا جب اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے، تب ”راحت و آرام“ حاصل ہوگا۔ ورنہ دنیا کا کتنا بھی اسباب و سامان جمع کر لو۔ مگر راحت اور آرام نہیں ملے گا۔

اسباب میں راحت نہیں

آج ہر شخص اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے کہ آج سے تیس چالیس سال پہلے ہر شخص کے پاس کیسا ساز و سامان تھا، اور آج کتنا ہے، اور کیسا ہے؟ جائزہ لینے سے یہی نظر آئے گا کہ بیشتر افراد وہ ہیں، جن کی معاشی حالت میں ترقی ہوئی ہے۔ ان کے گھر کے ساز و سامان میں اضافہ ہوا ہے۔ فرنیچر پہلے سے اچھا ہے۔ گھر پہلے سے اچھا بن گیا ہے، آرام دہ چیزیں پہلے سے زیادہ حاصل ہو گئیں، لیکن یہ دیکھو کہ کیا سکون بھی حاصل ہوا؟ کیا راحت و آرام ملا؟ اگر سکون اور آرام نہیں ملا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سامان میں اللہ تعالیٰ سے برکت حاصل نہیں ہوئی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز میں برکت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے استعمال سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہئے تھا۔ وہ حاصل ہو رہا ہے۔ اور بے برکتی یہ ہے کہ اس چیز کے استعمال کے باوجود راحت اور آرام حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

راحت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے

یاد رکھو۔ راحت، آرام، سکون، یہ چیزیں بازار سے پیسوں کے ذریعہ نہیں خریدی جاسکتیں، یہ خالص اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، وہی عطا فرماتے ہیں۔ اسی کا نام برکت ہے۔ جن لوگوں کے پیسوں میں برکت ہوتی ہے۔ گنتی کے اعتبار سے تمہارے مقابلے میں ان کے پاس شاید کم ہوں لیکن پیسوں کا جو فائدہ ہے۔ یعنی راحت و آرام، وہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھا ہے۔ مثلاً ایک دولت مند انسان ہے۔ اس کے پاس دنیا کا سارا ساز و سامان جمع ہے۔ کارخانے کھڑے ہیں، کاریں ہیں، فرنیچر ہے، نوکر چاکر ہیں۔ جب کھانا چننا جاتا ہے تو دسترخوان پر اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے موجود ہیں، لیکن معدہ خراب ہے۔ بھوک نہیں لگتی۔ ڈاکٹر نے منع کیا ہے کہ فلاں چیز نہیں کھا سکتے۔ فلاں چیز نہیں کھا سکتے، اب نعمتوں کے موجود ہونے کے باوجود ان سے فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ اسی کا نام بے برکتی ہے۔ دوسری طرف ایک مزدور نے آٹھ گھنٹے محنت کر کے سو روپے کمائے، اور پھر ہوٹل سے دال روٹی یا سبزی روٹی خریدی، اور بھر پور بھوک کے بعد خوب پیٹ بھر کر کھایا، کھانے کی پوری لذت حاصل کی، اور جب رات کو اپنی ٹوٹی پھوٹی چار پائی پر سویا تو آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر اٹھا، جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کی لذت اس مزدور کو حاصل ہوئی۔ نیند کی لذت بھی اس کو حاصل ہوئی۔ البتہ اتنی بات ہے کہ دولت مند جیسا ٹیپ ٹاپ اس کے پاس نہیں ہے۔ یہ ہے برکت کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑی سی چیز میں برکت ڈال دی، اور جن چیزوں سے جو فائدہ حاصل ہونا تھا۔ وہ اس سے حاصل کر لیا۔

کھانے میں برکت کا مطلب

دیکھئے، جو کھانا آپ کھا رہے ہیں، یہ کھانا بذات خود مقصود نہیں، بلکہ کھانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ قوت حاصل ہو، جسم کو تقویت ملے، کھانے سے مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بھوک مٹ جائے، اور وہ کھانا جزو بدن بن جائے، اس کے ذریعہ لذت اور راحت حاصل ہو۔ لیکن کھانے کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا حاصل ہونا، یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اس بات کو حضور اقدس ﷺ اس حدیث میں بیان فرما رہے ہیں کہ تمہیں کیا معلوم کہ کھانے کے کس جزء میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی تھی، ہو سکتا ہے جو کھانا تم کھا چکے ہو۔ اس میں برکت نہ ہو، اور انگلیوں پر کھانے کا جو حصہ لگا ہوا تھا اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی تھی۔ تم نے اس کو چھوڑ دیا۔ جس کے نتیجے میں تم برکت سے محروم رہ گئے۔ چنانچہ وہ کھانا تو تم نے کھا لیا۔ لیکن وہ کھانا نہ تو جزو بدن بنا، بلکہ اس کھانے نے بد ہضمی پیدا کر دی، اور صحت کو نقصان پہنچا دیا۔ اور اس سے جو قوت حاصل ہونی تھی وہ حاصل نہ ہوئی۔

کھانے کے باطن پر اثرات

یہ تو میں ظاہری سطح کی باتیں کر رہا ہوں، ورنہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو ”دیدہ بینا“ یعنی بصیرت کی آنکھ عطا فرماتے ہیں، وہ اس سے بھی آگے پہنچتے ہیں، وہ یہ کہ کھانے کھانے میں فرق ہے۔ یہ کھانا انسان کی فکر پر، اس کی سوچ پر، اس کے جذبات اور خیالات پر اثر انداز ہوتا ہے، بعض کھانے وہ ہوتے ہیں جو انسان باطنی حالات میں ظلمت اور تاریکی پیدا کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے برے خیالات اور بُرے جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ گناہوں کا شوق اور غلط داعیے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور بعض کھانے ایسی برکت والے ہوتے ہیں کہ جس کی وجہ سے باطن کو سرور حاصل ہوتا ہے، روح کو غذا ملتی ہے۔ اچھے ارادے اور اچھے خیالات دل میں آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے انسان کو نیکیوں کی ترغیب ہوتی ہے، نیکیوں کا داعیہ دل میں ابھرتا ہے۔ لیکن چونکہ ہماری آنکھیں اس مادہ پرستی کے دور میں اندھی ہو چکی ہیں۔ ہم لوگ بصیرت کھو چکے ہیں، جس کی وجہ سے کھانے کی ظلمت اور نورانیت کا فرق نہیں پتہ چلتا۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ بصیرت کی آنکھ عطا فرماتے ہیں۔ ان سے پوچھئے۔

کھانے کے اثرات کا واقعہ

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ غالباً انہی کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ حضرت والا کی دعوت کی۔

آپ وہاں تشریف لے گئے، کھانا شروع کیا، ایک نوالہ کھانے کے بعد معلوم ہوا کہ جس شخص نے دعوت کی ہے۔ اس کی آمدنی حلال نہیں ہے، اس کی وجہ سے یہ کھانا حلال نہیں ہے۔ چنانچہ کھانا چھوڑ کر کھڑے ہو گئے، اور واپس چلے آئے، لیکن ایک نوالہ جو حلق سے نیچے اتار لیا تھا۔ اس کی ظلمت اور تاریکی دو ماہ تک مجھے محسوس ہوتی رہی۔ وہ اس طرح کے دو ماہ تک میرے دل میں گناہ کرنے کے داعیے بار بار پیدا ہوتے رہے۔ دل میں یہ تقاضہ ہوتا کہ فلاں گناہ کر لوں۔ فلاں گناہ کر لوں۔ اب بظاہر تو اس میں کوئی جوڑ نظر نہیں آتا کہ ایک لقمہ کھا لینے میں اور گناہ کا تقاضا پیدا ہونے میں کیا جوڑ ہے؟ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ہمیں اس لئے محسوس نہیں ہوتا کہ ہمارا سینہ ظلمت کے داغوں سے بھرا ہوا ہے۔ جیسے ایک سفید کپڑے کے اوپر بے شمار سیاہ داغ لگے ہوئے ہوں۔ اس کے بعد ایک داغ اور لگ جائے، پتہ بھی نہیں چلے گا کہ نیا داغ کونسا ہے؟ لیکن اگر کپڑا سفید، صاف، شفاف ہو، اس پر اگر ایک چھوٹا سا بھی داغ لگ جائے گا تو دور سے نظر آئے گا کہ داغ لگا ہوا ہے؟ بالکل اسی طرح ان اللہ والوں کے دل آئینے کی طرح صاف شفاف ہوتے ہیں۔ اس پر اگر ایک داغ بھی لگ جائے تو وہ داغ محسوس ہوتا ہے، اور اس کی ظلمت نظر آتی ہے۔ چنانچہ ان اللہ کے بندے نے یہ محسوس کر لیا کہ اس ایک لقمہ کے کھانے سے پہلے تو نیکی کے داعیے بھی دل میں پیدا ہو رہے ہیں، گناہوں سے نفرت ہے، لیکن ایک لقمہ کھانے کے بعد دل میں گناہوں کے تقاضے پیدا ہونے لگے، اس لئے بعد میں فرمایا کہ درحقیقت یہ اس ایک خراب لقمے کی ظلمت تھی۔ اس کا نام ”برکت باطنی“ ہے، جب اللہ تعالیٰ یہ برکت باطنی عطا فرما دیتے ہیں تو پھر اس کے ذریعہ انسان کے باطن میں ترقی ہوتی ہے۔ اخلاق اور خیالات درست ہو جاتے ہیں۔

ہم مادہ پرستی میں پھنسے ہوئے ہیں

آج ہم مادہ پرستی میں اور پیسوں کی کنتی کے چکر میں پھنس گئے، ساز و سامان اور ٹیپ ٹاپ میں پھنس گئے، جس کے نتیجے میں ہر کام کی باطنی روح ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی، اور یہ باتیں اجنبی اور اچھی معلوم نہیں ہوتی ہیں۔ اس لئے برکت کا مطلب بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ کوئی اگر ہزار بار کہے کہ فلاں کام میں برکت ہے، تو اس کی کوئی اہمیت دل میں پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ کھانا کھاؤ گے تو ایک ہزار روپے زیادہ ملیں گے، تو اب طبیعت میں اس کھانے کی طرف رغبت پیدا ہو گی کہ ہاں، یہ فائدہ کا کام ہے، اور اگر کوئی کہے کہ فلاں طریقے سے کھانا کھاؤ گے تو اس سے کھانے میں برکت ہوگی، تو اس طریقے کی طرف رغبت نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ پتہ ہی نہیں ہے کہ برکت کیا ہوتی ہے، اس برکت کا ذہن میں تصور ہی نہیں، حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ نے جگہ جگہ احادیث میں فرما

دیا کہ اس عمل سے برکت حاصل ہوگی، اور اس عمل سے برکت سلب ہو جائے گی، برکت حاصل کرنے کی کوشش کرو، بے برکتی سے بچو۔ اس لئے یہ بات یاد رکھو کہ یہ برکت اس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک حضور اقدس ﷺ کی سنتوں کا اتباع نہیں ہوگا، چنانچہ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لو۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ کھانے کے جو ذرات انگلیوں میں لگے ہوئے ہیں، ان میں برکت ہو۔

کیا انگلیاں چاٹ لینا شائستگی کے خلاف ہے؟

آج فیشن پرستی کا زمانہ ہے۔ لوگوں نے اپنے لئے نئے نئے ایٹیکٹ بنا رکھے ہیں، چنانچہ اگر دسترخوان پر سب کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں، اس وقت اگر انگلیوں پر لگے ہوئے سالن کو چاٹ لیں، تو شائستگی کے خلاف ہے، تہذیب کے خلاف ہے، یہ تو ناشائستگی اور بد تہذیبی ہے، اس لئے اس کام کو کرتے ہوئے شرم آتی ہے، اگر لوگوں کے سامنے کریں گے تو لوگ ہنسی مذاق اڑائیں گے، اور کہیں گے کہ یہ شخص غیر مہذب اور ناشائستہ ہے۔

تہذیب اور شائستگی سنتوں میں منحصر ہے

لیکن یاد رکھو، ساری تہذیب اور ساری شائستگی حضور اقدس ﷺ کی سنتوں میں منحصر ہے، جس چیز کو آپ ﷺ نے شائستگی قرار دے دیا وہ ہے شائستگی، یہ نہیں ہے کہ جس چیز کو فیشن نے شائستگی قرار دے دیا، وہ شائستگی ہو، اس لئے کہ یہ فیشن تو روز بدلتے ہیں۔ کل تک جو چیز ناشائستہ تھی، آج وہ چیز شائستہ بن گئی۔

کھڑے ہو کر کھانا بد تہذیبی ہے

مثلاً کھڑے ہو کر کھانا آجکل فیشن بن گیا ہے، ایک ہاتھ میں پلیٹ پکڑی ہے، دوسرے ہاتھ سے کھانا کھا رہے ہیں، اسی پلیٹ میں سالن بھی ہے۔ اسی میں روٹی بھی ہے، اسی میں سلاد ہے، اور جس وقت دعوت میں کھانا شروع ہوتا ہے اس وقت چھینا چھٹی ہوتی ہے، اس میں کسی کو بھی ناشائستگی نظر نہیں آتی؟ اس لئے کہ فیشن نے آنکھیں اندھی کر دی ہیں، اس کے نتیجے میں اس کے اندر ناشائستگی نظر نہیں آتی۔ چنانچہ جب تک کھڑے ہو کر کھانے کا فیشن اور رواج نہیں چلا تھا، اس وقت اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر کھانا کھاتا تو ساری دنیا اس کو یہی کہتی کہ۔ غیر مہذب اور بڑا ناشائستہ طریقہ ہے، صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی آرام سے بیٹھ کر کھائے۔

فیشن کو بنیاد مت بناؤ

لہذا فیشن کی بنیاد پر تو تہذیب اور شائستگی روز بدلتی ہے، اور بدلنے والی چیز کا کوئی بھروسہ اور کوئی اعتبار نہیں، اعتبار اس چیز کا ہے جس کو محمد ﷺ نے سنت قرار دے دیا، اور جس کے بارے میں آپ نے بتا دیا کہ برکت اس میں ہے۔ اب اگر حضور اقدس ﷺ کی اتباع کی نیت سے یہ کام کر لو گے تو آخرت میں بھی اجر و ثواب، اور دنیا میں بھی برکت حاصل ہوگی، اور اگر معاذ اللہ ناشائستہ سمجھ کر اس کو چھوڑ دو گے تو پھر تم اس کی برکتوں سے بھی محروم ہو جاؤ گے، اور پھر یہ بے چیدیاں تمہاری مقدر ہو گئی، محرومیاں تمہاری مقدر بن جائیں گی، گناہوں کی رغبت تمہارا مقدر ہوگی، اور دن رات تمہارے دل میں ظلمت اور تاریکیاں پیدا ہوتی رہیں گی۔ بہر حال بات لمبی ہو گئی، اس حدیث میں آپ نے اس بات کی تاکید فرمائی کہ کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹ لیا کرو، تاکہ کھانے کی برکت حاصل ہو جائے۔

تین انگلیوں سے کھانا سنت ہے

حضور اقدس ﷺ کی عام عادت یہ تھی کہ آپ عموماً تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے، یعنی انگوٹھا، شہادت کی انگلی، اور بیچ کی انگلی، ان تینوں کی ملا کر نوالہ لیتے تھے، علماء کرام نے تین انگلیوں سے کھانے کی ایک حکمت تو یہ لکھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا زمانہ سادہ غذاؤں کا زمانہ تھا، آج کل کی طرح بہت لمبے چوڑے کھانے نہیں ہوتے تھے اور دوسری حکمت یہ لکھی ہے کہ جب تین انگلیوں سے کھائیں گے تو نوالہ چھوٹا بنے گا، اور چھوٹے نوالے میں ایک فائدہ طبی طور پر یہ ہے کہ نوالہ جتنا چھوٹا ہوگا، اتنا ہی اس کے ہضم میں آسانی ہوگی، اس لئے کہ بڑا نوالہ پوری طرح چبے گا نہیں۔ اور پھر معدہ میں جا کر نقصان پہنچائے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر بڑا نوالہ لیا جائے گا تو اس سے انسان کی حرص کا اظہار ہوتا ہے، اور چھوٹے نوالے میں قناعت کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے حضور اقدس ﷺ تین انگلیوں سے تناول فرماتے تھے، اور کبھی کبھار چار انگلیوں سے بھی کھایا کرتے تھے، بلکہ ایک روایت میں ایک واقعہ آیا کہ حضور اقدس ﷺ نے پانچ انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا۔ جس کے ذریعہ آپ نے یہ بتا دیا کہ تین کے بجائے چار اور پانچ انگلیوں سے کھانا بھی جائز ہے۔ لیکن عام طور پر آپ کا معمول اور آپ کی سنت تین انگلیوں سے کھانے کی تھی۔ (۱)

انگلیاں چاٹنے میں ترتیب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشق دیکھئے کہ حضور اقدس ﷺ کی ایک ایک ادا کو ہمارے لئے اس طرح

محفوظ کر کے چھوڑ گئے ہیں کہ ہمارے لئے اس کی نقل اتارنا اور اس کی اتباع آسان ہو جائے، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے ہمیں یہ بتا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس ترتیب سے یہ تین انگلیاں چاٹا کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ ان تین انگلیوں کے چاٹنے کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ پہلے بیچ کی انگلی، پھر شہادت کی انگلی، اور پھر انگوٹھا۔ جب صحابہ کرامؓ آپس میں مل کر بیٹھتے تو آپ کی سنتوں کا تذکرہ کرتے، اور ایک دوسرے کو ترغیب دیتے کہ ہمیں بھی اسی طرح کرنا چاہئے۔ اب اگر کوئی انگلیاں نہ چاٹے تو کوئی گناہ نہیں ہوگا مگر سنت کی برکت سے محروم ہو جائے گا۔

کب تک ہنسے جانے سے ڈرو گے؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر ہم لوگوں کے سامنے انگلیاں چاٹیں گے تو لوگ اس پر ہنسی مذاق اڑائیں گے، اور ہمیں غیر مہذب اور غیر شائستہ کہیں گے۔ تو یاد رکھئے۔ جب تک ایک مرتبہ خم ٹھوک کر، کمر مضبوط کر کے اس بات کا تہیہ نہیں کر لو گے کہ دنیا کے لوگ جو کہیں، کہا کریں۔ ہمیں تو حضور اقدس ﷺ کی سنت محبوب ہے، ہمیں تو اس پر عمل کرنا ہے، جب تک یہ فیصلہ نہیں کرو گے۔ یاد رکھو۔ یہ دنیا تمہارا ہنسی مذاق اڑاتی رہے گی، مغربی قوموں کی نقالی کرتے کرتے ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک اپنا سراپا ان کے سانچے میں ڈھال لیا، لباس پوشاک ان جیسا، رہن سہن ان جیسا، وضع قطع ان جیسی، طریقے ان جیسے، تہذیب ان کی اختیار کر لی۔ ہر چیز میں ان کی نقالی کر کے دیکھ لی۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا ان کی نظر میں تمہاری عزت ہو گئی؟ آج بھی وہ قوم تمہیں ذلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، تمہیں ذلیل سمجھتی ہے، روزانہ تمہاری پٹائی ہوتی ہے۔ تمہارے اوپر طمانچے لگتے ہیں، تمہیں حقیر سمجھا جاتا ہے، یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ تم نے ان کو خوش کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے چھوڑ کے ان کے طریقے اختیار کر لئے ہیں، چنانچہ وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے مقلد اور ہمارے نقال ہیں۔ اب تم ان کے سامنے کتنے ہی بن سنور کے چلے جاؤ۔ لیکن تم دقیانوس اور فنڈ امینٹلسٹ ہی رہو گے، اور تمہارے اوپر یہی طعنہ لگے گا کہ یہ بنیاد پرست اور غیر مہذب ہیں، رجعت پسند ہیں۔

یہ طعنے انبیاء علیہم السلام کی وراثت ہے

جب تک تم ایک مرتبہ کمر مضبوط کر کے یہ تہیہ نہیں کر لو گے کہ یہ لوگ طعنے دیتے ہیں تو دیا کریں،

(۱) صحیح مسلم، کتاب الاشریۃ، باب استحباب لعق الاصابع والقصة.....، رقم: ۳۷۹۰، سنن

ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی المنذیل، رقم: ۳۳۵۰، مسند أحمد، رقم: ۱۴۲۰۴

کیونکہ یہ طعنے تو حق کے راستے کے راہی کا زیور ہیں، جب انسان حق کے راستے پر چلتا ہے تو اس کو یہی طعنے ملا کرتے ہیں۔ ارے ہم کیا ہیں۔ ہمارے پیغمبروں کہ یہی طعنے ملے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

﴿مَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا بِادِّى الرَّأْيِ﴾ (۱)

یہ کفار پیغمبروں سے کہا کرتے تھے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ جو لوگ تمہاری اتباع کر رہے ہیں، یہ بڑے ذلیل قسم کے لوگ ہیں۔ حقیر اور ناشائستہ اور غیر مہذب ہیں۔ بہر حال، اگر تم مسلمان ہو، پیغمبروں کے امتی اور ان کے تابع ہو تو پھر جہاں اور چیزیں ان کی وراثت میں تمہیں حاصل ہوئی ہیں، یہ طعنے بھی ان کی وراثت ہیں۔ آگے بڑھ کر ان طعنوں کو گلے لگاؤ، اور اپنے لئے ان کو باعث فخر سمجھو کہ الحمد للہ، وہی طعنے جو انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے تھے، ہمیں بھی دیئے جا رہے ہیں، یاد رکھو! جب تک یہ جذبہ پیدا نہیں ہوگا۔ اس وقت یہ ساری قومیں تمہارا مذاق اڑاتی رہیں گی۔ اسد ملتانی مرحوم ایک شاعر گزرے ہیں، انہوں نے بڑا اچھا شعر کہا ہے:

ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے

زمانہ تم پر ہنستا ہی رہے گا

دیکھ لو، زمانہ ہنس رہا ہے، خدا کے لئے یہ پرواہ دل لے نکال دو کہ دنیا کیا کہے گی، بلکہ یہ دیکھو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کیا ہے؟ اس پر عمل کر کے دیکھو، انشاء اللہ، دنیا سے عزت کراؤ گے، آخر کار عزت تمہاری ہوگی، کیونکہ عزت سرکار دو عالم ﷺ کی سنت کی اتباع میں ہے، کسی اور کی اتباع میں نہیں۔

اتباع سنت پر عظیم بشارت

اتباع سنت پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اتنی عظیم بشارت دی ہے کہ اس کے برابر کوئی بشارت ہو ہی نہیں سکتی، چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (۲)

یعنی اے نبی! آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے، تو میری اتباع کرو، میرے پیچھے چلو اور جب میرے پیچھے چلو گے اور میری اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرو گے، تمہاری کیا حقیقت تمہاری کیا مجال کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کر سکو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے، بشرطیکہ تم محمد رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کی اتباع کرنے لگو۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ

(۱) ہود: ۲۷

(۲) آل عمران: ۳۱

اس بات کی بشارت ہے کہ جس عمل کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی اتباع کی غرض سے اختیار کیا جائے، تو پھر جس وقت انسان وہ عمل کر رہا ہے، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، دیکھو سنت یہ ہے کہ جب آدمی بیت الخلاء میں جائے، تو جانے سے پہلے یہ دعا پڑھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ)) (۱)

اور داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں داخل کرے، تو جس وقت تم نے اس نیت سے بایاں پاؤں داخل کر رہے ہو کہ یہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی سنت ہے، اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو، اس لئے کہ اس وقت تم اللہ کے محبوب کی سنت کی اتباع کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنالیں گے

اسی طرح جس وقت تم اس نیت سے یہ انگلی چاٹ رہے ہو کہ یہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی سنت ہے، اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کر رہے ہیں، ارے تم مخلوق کی طرف کیوں دیکھتے ہو کہ وہ محبت کر رہے ہیں یا نہیں؟ وہ اچھا سمجھ رہے ہیں یا نہیں؟ اس مخلوق کا خالق اور مالک جب تم سے محبت کر رہا ہے، اور وہ کہہ رہا ہے کہ یہ کام بڑا اچھا ہے۔ پھر تمہیں کیا پرواہ کہ دوسرے پسند کریں یا نہ کریں۔ اس لئے سنتوں کے ان طریقوں کو اپنی زندگی میں داخل کریں۔ ان کو اپنائیں اور ان طعنوں کی پرواہ نہ کریں۔ لوگ کہتے ہیں کہ آجکل ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ اس میں دین پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے۔ ارے بھائی، ہم نے اپنے ذہن سے مشکل بنا رکھا ہے، ورنہ بتائیے کہ اس انگلیاں چاٹنے کی سنت پر عمل کرنے میں کیا دشواری ہے؟ کون تمہارا ہاتھ روک رہا ہے؟ تمہارے مال و دولت میں یا راحت و آرام میں اس سنت پر عمل کرنے سے کونسا خلل آ رہا ہے؟ جب اس ایک سنت کو اختیار کر لیا تو اللہ کی محبوبیت تمہیں حاصل ہوگئی، اور اس سنت کی برکات حاصل ہو گئیں۔ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ ایک سنت کے صلے میں تمہیں نواز دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

انگلیاں دوسرے کو بھی چٹوانا جائز ہے

اس حدیث میں ایک اختیار اور دے دیا، فرمایا کہ:

((أَوْ يُلْعِقَهَا))

(۱) صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب ما يقول عند الخلاء، رقم: ۱۲۹، صحیح مسلم، کتاب

الحيض، باب ما يقول إذا أراد دخول الخلاء، رقم: ۵۶۳، سنن الترمذی، کتاب الطهارة عن

رسول الله ﷺ، باب ما يقول إذا دخل الخلاء، رقم: ۶

یعنی اگر انگلیاں خود نہ چاٹے تو کسی اور کو چٹا دے، علماء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ اس کا منشاء یہ ہے کہ بعض اوقات ایسی صورت ہو جاتی ہے کہ آدمی انگلیاں چاٹنے پر قادر نہیں ہوتا، ایسی صورت میں کسی اور کو چٹا دے، مثلاً بچے کو چٹا دے، یا بلی کو چٹا دے، کسی پرندے کو چٹا دے، مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رزق ضائع نہ ہو۔ اب اگر اس کو جا کر دھو ڈالو گے تو رزق ضائع ہو جائے گا۔ اور مخلوق کو چٹا دوتا کہ اس کو بھی برکت حاصل ہو جائے۔

کھانے کے بعد برتن چاٹنا

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلَعْقِ الْأَصَابِعِ وَالصُّحُفَةِ، وَقَالَ: ((أَنْتُمْ لَا تَذَرُونَ فِي آيِ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَهَ)) (۱)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے انگلیاں چاٹنے اور پیالہ چاٹنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔

اس حدیث میں ایک ادب اور بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ کھانے کے بعد انگلیاں بھی چاٹے، اور جس برتن میں کھا رہا ہے۔ اس برتن کو بھی چاٹ کر صاف کر لے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری نہ ہو۔ ویسے تو برتن میں اتنا ہی سالن نکالنا چاہئے۔ جتنا کھا سکنے کی توقع ہو، زیادہ نہ نکالے، تاکہ بعد میں بچے نہیں، لیکن اگر بالفرض کھانا پلیٹ میں زیادہ نکل آیا، اور کھانا بچ گیا، اور اب کھانے کی گنجائش باقی نہ رہی، ایسے موقع پر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پلیٹ میں جتنا سالن نکال لیا ہے، اس سب کو کھا کر ختم کرنا ضروری ہے، حتیٰ کہ بعض لوگ اس کو فرض واجب سمجھنے لگے ہیں چاہے بعد میں ہیضہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یاد رکھئے! شریعت میں یہ حکم نہیں کہ ضرور پورا کھانا کھاؤ، بلکہ شریعت کا اصل طریقہ یہ ہے کہ اول تو زیادہ کھانا نکالو ہی نہیں۔ لیکن اگر زیادہ کھانا نکل آئے تو اس کو چھوڑ دینے کی گنجائش ہے۔ لیکن اس کو اس طرح چھوڑو کہ وہ چھوڑا ہوا کھانا پیالے کے ایک طرف ہو، پورے پیالے میں پھیلا ہوا نہ ہو، پورا پیالہ گندنا نہ ہو، لہذا اس کا طریقہ یہ ہے اپنے سامنے سے کھا کر اس حصے کو صاف کر لو۔ تاکہ آپ کا بچا ہوا کھانا کسی اور کو دیا جائے تو اس کو کھن نہ آئے۔ اس کو پریشانی نہ ہو، اسلام کی صحیح تعلیم یہ ہے۔

ورنہ چمچے کو چاٹ لے

بعض اوقات آدمی ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتا، بلکہ چمچوں سے کھانا کھاتا ہے۔ اس وقت انگلیوں کے چاٹنے کی سنت پر کس طرح عمل کرے؟ اس لئے کہ انگلیوں پر کھانا لگا ہی نہیں۔ تو بعض علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص چمچے سے کھا رہا ہے تو چمچے پر جو کھانا لگا ہوا ہے۔ اس کو اس نیت سے چاٹ لے کہ

نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے؟ اب کھانا میری انگلیوں پر لگا نہیں ہے۔ مگر چمچوں پر لگا ہوا ہے۔ اس کو صاف کر لے، تو امید ہے کہ انشاء اللہ، اس سنت کی فضیلت اس میں بھی حاصل ہو جائے گی۔

گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھالینا چاہئے

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((إِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةٌ أَحَدِكُمْ فَلْيَأْخُذْهَا فَلْيُعِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ أَدَى وَلْيَأْكُلْهَا، وَلَا يَدْعُهَا لِلشَّيْطَانِ، وَلَا يَمْسَحَ يَدَهُ بِالْمِنْدِيلِ حَتَّى يَلْعَقَ أَصَابِعَهُ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي فِي أَيِّ طَعَامِهِ الْبَرَكَةُ)) (۱)

بعض اوقات کھانا کھاتے وقت کوئی لقمہ یا کوئی چیز گر جائے تو اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالینا چاہئے، بعض اوقات انسان اس کو اٹھا کر کھاتے ہوئے شرماتا ہے اور جھجکتا ہے، اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، اس کی عطا ہے اس کی ناقدری نہ کرو، اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھا لو۔ البتہ اگر وہ لقمہ اس طرح گر گیا کہ بالکل ملوث یا ناپاک ہو گیا، اور گندہ ہو گیا، اور اب اس کو صاف کر کے کھانا ممکن نہیں ہے تو بات دوسری ہے۔ مجبوری ہے۔ لیکن اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھایا جاسکتا ہو، اس وقت تک نہ چھوڑو۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، اس کی قدر اور تعظیم واجب ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کے رزق کے چھوٹے حصوں کی قدر اور تعظیم نہیں کرو گے، اس وقت تک تمہیں رزق کی برکت حاصل نہیں ہوگی۔ اس میں بھی وہی بات ہے کہ گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھانا آج کل کی تہذیب کے خلاف ہے، اس لئے آدمی اس سے شرماتا ہے، اور یہ سوچتا ہے کہ اگر میں اس کو اٹھاؤں گا تو لوگ کہیں گے کہ یہ بڑا ندیدہ ہے۔ لیکن اس پر ایک واقعہ سن لیجئے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جو حضور اقدس ﷺ کے بڑے جانثار صحابی ہیں، اور حضور اقدس کے رازدار، ان کا لقب ”صاحب سر رسول اللہ ﷺ“ مشہور تھا۔ جس وقت مسلمانوں نے ایران میں کسریٰ کی سلطنت پر حملہ کیا، جو کسریٰ اس وقت کی بڑی عظیم طاقت اور سپر پاور تھا، اور ایران کی

(۱) صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب استحباب لعق الاصابع والقصة..... رقم: ۳۷۹۳، سنن

الترمذی، کتاب الاطعمة عن رسول اللہ، باب ما جاء فی اللقمة تسقط، رقم: ۱۷۲۵، سنن ابن

ماجہ، کتاب الاطعمة، باب لعق الاصابع، رقم: ۳۲۶۱، مسند أحمد، رقم: ۴۲۸۵

تہذیب ساری دنیا کے اندر مشہور تھی، اور اس کا غلغلہ تھا۔ اس لئے کہ اس وقت دو ہی تہذیبیں تھیں۔ ایک رومی اور ایک ایرانی، لیکن ایرانی تہذیب اپنی نزاکت، اپنی صفائی ستھرائی میں زیادہ مشہور تھی۔ بہر حال، جب حملہ کیا تو کسری نے مسلمانوں کو مذاکرات کی دعوت دی کہ آپ لوگ ہمارے ساتھ مذاکرات کریں۔

اپنا لباس نہیں چھوڑیں گے

حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہما جب مذاکرات کے لئے جانے لگے، اور کسری کے محل میں داخل ہونے لگے، تو اس وقت وہ اپنا وہی سیدھا سادہ لباس پہنے ہوتے تھے، چونکہ لمبا سفر کر کے آئے تھے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ کپڑے کچھ میلے بھی ہوں، دربار کے دروازے پر جو دربان تھا، اس نے آپ کو اندر جانے سے روک دیا، اس نے کہا کہ تم اتنے بڑے بادشاہ کسری کے دربار میں ایسے لباس میں جا رہے ہو؟ اور یہ کہہ کر اس نے ایک جبہ دیا کہ آپ یہ جبہ پہن کر جائیں حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس دربان سے کہا کہ اگر دربار میں جانے کے لئے اس کا دیا ہوا جبہ پہننا ضروری ہے، تو پھر ہمیں اس کے دربار میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر ہم جائیں گے تو اسی لباس میں جائیں گے، اور اگر اس کو اس لباس میں ملنا منظور نہیں، تو پھر ہمیں بھی اس سے ملنے کا کوئی شوق نہیں۔ لہذا ہم واپس جا رہے ہیں۔

تلوار دیکھ لی، بازو بھی دیکھ

اس دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ عجیب قسم کے لوگ آئے ہیں، جو جبہ لینے کو تیار نہیں، اس دوران حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار کے اوپر لپٹی ہوئی کترنوں کو درست کرنے لگے، جو تلوار کے ٹوٹے ہوئے حصے پر لپٹی ہوئی تھیں۔ اس دربان نے تلوار دیکھ کر کہا: ذرا مجھے اپنی تلوار تو دکھاؤ، آپ نے تلوار اس کو دے دی، اس نے وہ تلوار دیکھ کر کہا کہ کیا تم اس تلوار سے ایران فتح کرو گے؟

حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی تک تم نے صرف تلوار دیکھی ہے، تلوار چلانے والا ہاتھ نہیں دیکھا، اس نے کہا کہ اچھا ہاتھ بھی دکھا دو، حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ تمہارے پاس تلوار کا واروکنے والی جو سب سے زیادہ مضبوط ڈھال ہو وہ منگوالو، اور پھر میرا ہاتھ دیکھو، چنانچہ وہاں جو سب سے زیادہ مضبوط لوہے کی ڈھال تھی، جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کوئی تلوار اس کو نہیں کاٹ سکتی، وہ منگوائی گئی، حضرت ربیع بن عامر نے فرمایا کہ کوئی شخص اس کو میرے سامنے لے کر کھڑا ہو جائے، چنانچہ ایک آدمی اس ڈھال کو لے کر کھڑا ہو گیا، تو

حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے وہ تلوار جس پر کترنیں لپٹی ہوئی تھیں، اس کا ایک وار جو کیا تو اس ڈھال کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سب لوگ یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خدا جانے یہ کیسی مخلوق آگئی ہے۔ چنانچہ دربان نے اندر اطلاع بھیج دی یہ ایسی مخلوق ہے کہ اپنی ٹوٹی ہوئی تلوار سے ڈھال کے دو ٹکڑے کر دیئے، پھر ان کو اندر بلا لیا گیا۔

ان احمقوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں؟

جب اندر پہنچے تو تواضع کے طور پر پہلے ان کے سامنے کھانا لا کر رکھا گیا، چنانچہ آپ نے کھانا شروع کیا، کھانے کے دوران آپ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا۔ حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اس کو ضائع نہ کرو وہ اللہ کا رزق ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے کون سے حصے میں برکت رکھی ہے، اس لئے اس نوالے کی ناقدری نہ کرو، بلکہ اس کو اٹھا لو، اگر اس کے اوپر کچھ مٹی لگ گئی ہے تو اس کو صاف کر لو، اور پھر کھا لو۔ چنانچہ جب نوالہ نیچے گرا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث یاد آگئی، اور آپ نے اس نوالے کو اٹھانے کے لئے نیچے ہاتھ بڑھایا، آپ کے برابر ایک صاحب بیٹھے تھے انہوں نے آپ کو کہنی مار کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ تو دنیا کی سہر طاقت کسری کا دربار ہے، اگر تم اس دربار میں زمین پر گرا ہوا نوالہ اٹھا کر کھاؤ گے تو ان لوگوں کے ذہنوں میں تمہاری وقعت نہیں رہے گی، اور یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑے ندیدہ قسم کے لوگ ہیں، اس لئے یہ نوالہ اٹھا کر کھانے کا موقع نہیں ہے، آج اس کو چھوڑ دو۔ جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا:

”أَتَرَكُ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِهَؤُلَاءِ الْحَمَقِ؟“

کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے سرکارِ دو عالم ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟ چاہے یہ اچھا سمجھیں، عزت کریں، یا ذلت کریں، یا مذاق اڑائیں، لیکن میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔ چنانچہ وہ لقمہ اٹھا کر صاف کر کے کھا لیا۔

یہ ہے فاتح ایران!

کسری کے دربار کا دستور یہ تھا کہ وہ خود تو کرسی پر بیٹھا رہتا تھا اور سارے درباری سامنے کھڑے رہتے تھے۔ حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے کسی سے کہا کہ ہم محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے پیروکار ہیں، اور حضور اقدس ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے کہ ایک آدمی بیٹھا رہے اور باقی آدمی اس کے سامنے کھڑے رہیں، لہذا ہم اس سے مذاکرات کرنے کے لئے تیار نہیں، یا تو

ہمارے لئے بھی کرسیاں منگوائی جائیں، یا کسری بھی ہمارے سامنے کھڑا ہو۔ کسری نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ تو ہماری توہین کرنے کے لئے آگئے، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ایک مٹی کا ٹوکرا بھر کر ان کے سر پر رکھ کر ان کو واپس روانہ کر دو، میں ان سے بات نہیں کرتا، چنانچہ ایک مٹی کا ٹوکرا ان کو دے دیا گیا۔ حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے وہ ٹوکرا سر پر رکھ لیا، جب دربار سے نکلنے لگے تو جاتے ہوئے یہ کہا: اے کسری، یہ بات یاد رکھنا کہ تم نے ایران کی مٹی ہمیں دے دی۔ یہ کہہ کر روانہ ہو گئے ایرانی لوگ بڑے تو ہم پرست قسم کے لوگ تھے، انہوں نے سوچا کہ یہ جو کہا کہ ”ایران کی مٹی ہمیں دے دی“ یہ تو بڑی بد فالی ہو گئی، اب کسری نے فوراً ایک آدمی پیچھے دوڑایا کہ جاؤ جلدی سے وہ مٹی کا ٹوکرا واپس لے آؤ۔ اب حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ کہاں ہاتھ آنے والے تھے۔ چنانچہ وہ لے جانے میں کامیاب ہو گئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا کہ ایران کی مٹی انہی ٹوٹی ہوئی تلوار والوں کے ہاتھ میں ہے۔

کسری کے غرور کو خاک میں ملا دیا

اب بتائیے کہ انہوں نے اپنی عزت کرائی یا آج ہم سنتیں چھوڑ کر روارہے ہیں؟ عزت انہوں نے ہی کرائی، اور ایسی عزت کرائی کہ ایک طرف تو سنت پر عمل کرتے ہوئے نوالہ اٹھا کر کھایا، تو دوسری طرف ایران کے وہ کج کلاہ جو غرور کے مجسمے بنے ہوئے تھے، ان کا غرور ایسا خاک میں ملایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیا:

((إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ)) (۱)

جس دن کسری ہلاک ہوا اس کے بعد کوئی کسری نہیں ہے، دنیا سے اس کا نام و نشان مٹ گیا۔ بہر حال، یہ جو سنت کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اس کو اٹھا کر کھالو، اس کو شرمناک کر مت چھوڑنا چاہئے، بلکہ اس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

مذاق اڑانے کے ڈر سے سنت چھوڑنا کب جائز ہے؟

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ اگر کوئی سنت ایسی ہے۔ جس کا ترک بھی جائز ہے، اور اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ اگر اس سنت پر عمل کیا گیا تو کچھ مسلمان جو بے فکر اور آزاد خیال ہیں۔ وہ اس سنت کا مذاق اڑا کر کفر و ارتداد میں مبتلا ہوں گے، تو ایسے موقع میں اس سنت پر عمل چھوڑ دے تو یہ جائز

(۱) صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس، باب قول النبی أُلحلت لکم الغنائم، رقم: ۲۸۸۸، صحیح مسلم، کتاب الفتن وأُشراط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتی یمر الرجل بقبر الرجل، رقم: ۵۱۹۶، سنن الترمذی، کتاب الفتن عن رسول اللہ، باب ما جاء اذا ذهب کسری فلا کسری بعده، رقم: ۲۱۴۲، مسند أحمد، رقم: ۶۸۸۷

ہے، مثلاً زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے قریب تر ہے۔ لیکن اگر آپ کسی وقت ہوٹل یا ریسٹورانٹ میں کھانے کے لئے چلے گئے۔ وہاں کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ اب آپ نے وہاں جا کر یہ سوچا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے زیادہ قریب ہے، چنانچہ وہیں پر آپ زمین پر رومال بچھا کر بیٹھ گئے۔ تو اس صورت میں اگر اس سنت کی توہین اور تضحیک کا اندیشہ ہو، اور اس سے لوگوں کے کفر اور ارتداد میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس وقت آدمی اس سنت کو چھوڑ دے، اور کرسی پر بیٹھ کر کھالے۔

لیکن یہ اس وقت ہے جب اس سنت کو چھوڑنا جائز ہو، لیکن جہاں اس سنت کو چھوڑنا جائز اور مباح نہ ہو، وہاں کسی کے مذاق اڑانے کی وجہ سے اس سنت کو چھوڑنا جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ مسلمان کی بات اور ہے۔ کافر کی بات اور ہے، اس لئے کہ مسلمان کے اندر تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ سنت کا مذاق اڑانے کے نتیجے میں کافر ہو جائے گا، لیکن اگر کافروں کا مجمع ہے۔ تو وہ پہلے سے ہی کافر ہیں، ان کے مذاق اڑانے سے کچھ فرق نہیں پڑیگا۔ لہذا وہاں پر سنت پر عمل کو چھوڑنا درست نہیں ہوگا۔

کھانے کے دوران اگر کوئی مہمان آجائے تو؟

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْإِثْنَيْنِ، وَطَعَامُ الْإِثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ)) (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور دو آدمی کا کھانا چار کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں آپ نے یہ اصول بیان فرمایا کہ اگر تم کھانا کھانے بیٹھے، اور اس وقت کوئی مہمان یا ضرورت مند آ گیا، تو اس مہمان کو یا اس ضرورت مند کو صرف اس وجہ سے واپس مت لوٹاؤ کہ کھانا تو ہم نے ایک ہی آدمی کا بنایا تھا، اگر اس مہمان کو یا ضرورت مند کو کھانے میں شریک کر لیا تو کھانے میں کمی واقع ہو جائے گی، بلکہ ایک آدمی کا کھانا دو کے لئے بھی کافی ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس ضرورت مند کو واپس مت لوٹاؤ، بلکہ اس کو بھی کھانے میں شریک کر لو، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کھانے میں برکت عطا فرمائیں گے۔ اور جب ایک کا کھانا دو کے لئے کافی

(۱) صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب فضيلة المواساة فى الطعام القليل رقم: ۳۸۳۶، سنن الترمذی، کتاب الاطعمة عن رسول الله، باب ما جاء فى طعام الواحد يكفى الاثنین، رقم: ۱۷۴۳، سنن ابن ماجه، کتاب الاطعمة، باب طعام الواحد يكفى الاثنین، رقم: ۳۲۴۵، مسند أحمد، رقم: ۸۹۰۹

ہو جاتا ہے تو دو کا کھانا چار کے لئے، اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

سائل کو ڈانٹ کر مت بھگاؤ

ہمارے یہاں یہ عجیب رواج پڑ گیا ہے کہ مہمان اسی کو سمجھا جاتا ہے جو ہمارے ہم پلہ ہو، یا جس سے شناسائی ہو، دوستی ہو، رشتہ دار ہو، اور وہ بھی اپنے ہم پلہ اور اپنے اسٹیٹس کا ہو، وہ تو حقیقت میں مہمان ہے، اور جو بے چارہ غریب اور مسکین آجائے تو کوئی شخص اس کو مہمان نہیں مانتا، بلکہ اس کو بھکاری سمجھا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ یہ مانگنے والا آگیا، حالانکہ حقیقت میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا مہمان ہے۔ اس کا اکرام کرنا بھی ہر مسلمان کا حق ہے، لہذا اگر کھانے کے وقت ایسا مہمان آجائے تو اس کو بھی کھانے میں شریک کر لو، اس کو واپس مت کرو۔ اس میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ اگر کھانے کے وقت سائل آجائے تو اس کو واپس لوٹانا اچھی بات نہیں، اس کو کچھ دے کر رخصت کرنا چاہئے۔ اور اس سے تو ہر حال میں پرہیز کرنا چاہئے کہ اس کو ڈانٹ کر بھگا دیا جائے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ (۱)

سائل کو جھڑک نہیں اس لئے حتی الامکان اس بات کی کوشش کرو کہ جھڑکنے کی نوبت نہ آئے، اس لئے بعض اوقات آدمی اس کے اندر حدود سے تجاوز کر جاتا ہے، جس کے نتیجے میں بڑے خراب حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔

ایک عبرت آموز واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب بڑے دولت مند تھے، ایک مرتبہ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، کھانا بھی اچھا بنا ہوا تھا۔ اس لئے بہت شوق و ذوق سے کھانا کھانے کے لئے بیٹھے، اتنے میں ایک سائل دروازے پر آگیا، اب کھانے کے دوران سائل کا آنا ان کو ناگوار ہوا، چنانچہ انہوں نے اس سائل کو ڈانٹ ڈپٹ کر ذلیل کر کے باہر نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ بعض اوقات انسان کا ایک عمل اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد میاں بیوی میں ان بن شروع ہو گئی، لڑائی جھگڑے رہنے لگے، یہاں تک کہ طلاق کی نوبت آگئی، اور اس نے طلاق دے دی۔ بیوی نے اپنے میکے میں آکر عدت گزاری، اور عدت کے

بعد کسی اور شخص سے اس کا نکاح ہو گیا، وہ بھی ایک دولت مند آدمی تھا۔ پھر وہ ایک دن وہ اپنے اس دوسرے شوہر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آ گیا، چنانچہ بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آ چکا ہے۔ مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں اللہ کا غضب نازل نہ ہو جائے۔ اس لئے میں پہلے سائل کو کچھ دے دوں۔ شوہر نے کہا کہ دے آؤ۔ جب وہ دینے لگی تو اس نے دیکھا کہ وہ سائل جو دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ اس کا پہلا شوہر تھا۔ چنانچہ وہ حیران رہ گئی، اور واپس آ کر اپنے شوہر کو بتایا کہ آج میں نے عجیب منظر دیکھا کہ یہ سائل وہ میرا پہلا شوہر ہے، جو بہت دولت مند تھا۔ میں ایک دن اس کے ساتھ اس طرح بیٹھی کھانا کھا رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آ گیا اور اس نے اس کو جھڑک کر بھگا دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اب اس کا یہ حال ہو گیا۔ اس شوہر نے کہا کہ میں تمہیں اس سے زیادہ عجیب بات بتاؤں کہ وہ سائل جو تمہارے شوہر کے پاس آیا تھا۔ وہ درحقیقت میں ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی دولت اس دوسرے شوہر کو عطا فرمادی، اور اس کا فقر اس کو دے دیا، اللہ تعالیٰ برے وقت سے محفوظ رکھے۔ نبی کریم ﷺ نے اس بات سے پناہ مانگی ہے۔ فرمایا:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُورِ بَعْدَ الْكُورِ)) (۱)

بہر حال، کسی بھی سائل کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے حتی الامکان پرہیز کرو، البتہ بعض اوقات ایسا موقع آ جاتا ہے کہ ڈانٹنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تو فقہاء رحمہم اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن حتی الامکان اس بات کی کوشش کرو کہ ڈانٹنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ بلکہ کچھ دے کر رخصت کر دو۔ اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنے کھانے کی مقدار کو ایسی پتھر کی لکیر مت بناؤ کہ کتنا کھانے کا معمول ہے۔ روزانہ اتنا ہی کھانا ضروری ہے، بلکہ اگر کبھی کسی وقت کچھ کمی کا موقع آ جائے تو اس کی بھی گنجائش رکھو، اس لئے آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو کے لئے، اور دو کا کھانا چار کے لئے کافی ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(۱) پوری دعا اس طرح ہے: ((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَثَاةِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْقَلَبِ وَمِنْ الْخُورِ بَعْدَ الْكُورِ وَمِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ وَمِنْ سُوءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ)) سنن الترمذی کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ما یقول اذا خرج مسافراً، رقم: ۳۳۶۱، سنن النسائی کتاب الاستعاذۃ، باب الاستعاذۃ من الخور بعد الکور، رقم: ۵۴۰۴، سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب ما یدعوبہ الرجل اذا سافر، رقم: ۳۸۷۸، مسند أحمد، رقم: ۱۹۸۴۳

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

بہر حال، کھانے کی تقریباً اکثر سنتوں کا بیان ہو چکا، اگر ان سنتوں پر عمل نہیں ہے، تو آج ہی سے اللہ کے نام پر ان پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیں۔ یقین رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نورانیت، اور دوسرے عجیب و غریب فوائد اتباع سنت میں رکھے ہیں، وہ انشاء اللہ ان چھوٹی چھوٹی سنتوں پر عمل کرنے سے بھی حاصل ہو جائیں گے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بار بار سننے کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علوم ظاہرہ سے سرفراز فرمایا، حدیث پڑھی، تفسیر پڑھی، فقہ پڑھی، گویا تمام علوم ظاہرہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے، اس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے کمال بخشا، اس کے بعد مجھے خیال ہوا کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ کیا کہتے ہیں؟ ان کے پاس کیا علوم ہیں؟ چنانچہ ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کے علوم حاصل کئے، صوفیاء کرام کے جو چار سلسلے ہیں۔ سہروردیہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور قادریہ ان سب کے بارے میں دل میں یہ جستجو پیدا ہوئی کہ کونسا سلسلہ کیا طریقہ تعلیم کرتا ہے؟ سب کی سیر کی، اور چاروں سلسلوں میں جتنے اعمال، جتنے اشغال، جتنے اذکار، جتنے مراقبات، جتنے چلے ہیں۔ وہ سب انجام دیئے، سب کچھ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا مقام بخشا کہ خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مجھے خلعت پہنایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اتنا اونچا مقام بخشا کہ اصل کو پہنچا، پھر اصل سے ظل کو پہنچا، حتیٰ کہ میں ایسے مقام پر پہنچا کہ اگر اس کو زبان سے ظاہر کروں تو علماء ظاہر مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا دیں، اور علماء باطن مجھ پر زندیق ہونے کا فتویٰ لگا دیں۔ لیکن میں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے واقعہ اپنے فضل سے یہ سب مقامات عطا فرمائے، اب یہ سارے مقامات حاصل کرنے کے بعد میں ایک دعا کرتا ہوں، اور جو شخص اس دعا پر آمین کہہ دے گا، انشاء اللہ اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی، وہ دعا یہ ہے:

”اے اللہ! مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر زندہ رکھ اور اے اللہ! مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی پر موت عطا فرما“ آمین

سنتوں پر عمل کریں

بہر حال، تمام مقامات کی سیر کرنے کے بعد آخر میں نتیجہ یہی ہے کہ جو کچھ ملے گا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں ملے گا۔ تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تو سارے مقامات کی سیر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا، تم پہلے دن پہنچ جاؤ، پہلے ہی دن اس بات کا ارادہ کر لو نبی

کریم ﷺ کی جتنی سنتیں ہیں۔ ان پر عمل کروں گا، پھر اس کی برکت اور نورانیت دیکھو گے، پھر زندگی کا لطف دیکھو، یاد رکھو، زندگی کا لطف فسق و فجور میں نہیں ہے، گناہوں میں نہیں ہے، اس زندگی کا لطف ان لوگوں سے پوچھو، جنہوں نے اپنی زندگی کو نبی کریم ﷺ کی سنتوں میں ڈھال لیا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کا جو لطف اور اس کا جو کیف اور لذت ہمیں عطا فرمائی ہے۔ اگر ان دنیا کے بادشاہوں کو پتہ لگ جائے تو تلواریں سونت کر ہمارے مقابلے کے لئے آجائیں۔ تاکہ ان کو یہ لذت حاصل ہو جائے۔ ایسی لذت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی۔ لیکن کوئی اس پر عمل کر کے دیکھے۔ اس راہ پر چل کر دیکھے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ہم سب کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



پینے کے آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ
فِي الشَّرَابِ ثَلَاثًا، يَعْنِي يَتَنَفَّسُ خَارِجَ الْإِنَاءِ. (۱)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پینے کی چیز کو، خواہ وہ پانی ہو یا
شربت ہو۔ اس کو تین سانس میں پیا کرتے تھے، پھر سانس لینے کی وضاحت آگے
کردی کہ پینے کے دوران برتن منہ سے ہٹا کر سانس لیا کرتے تھے“

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ: ((لَا تَشْرَبُوا وَاحِدًا كَشَرْبِ الْبَعِيرِ، وَلَكِنْ اشْرَبُوا مَثْنَى وَثُلَاثَ،
وَسَمُّوا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَلُوا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ)) (۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد
فرمایا، پینے کی کسی بھی چیز کو اونٹ کی طرح ایک ہی مرتبہ نہ پیا کرو۔ یعنی ایک ہی سانس میں ایک ہی
مرتبہ آدمی غٹ غٹ کر کے پورا گلاس حلق میں انڈیل دے، یہ صحیح نہیں۔ اور اس عمل کو آپ نے اونٹ
کے پینے سے تشبیہ دی، اس لئے کہ اونٹ کی عادت یہ ہے کہ وہ ایک ہی مرتبہ میں سارا پانی پی جاتا

☆ اصلاحی خطبات (۵/۲۱۶ تا ۲۴۰) بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی، مفتی تقی
عثمانی صاحب مدظلہ کا یہ بیان علامہ نووی کی ”ریاض الصالحین“ کے ایک حصہ (باب أدب
الشرب واستحباب التنفس ثلاثا خارج الإناء، و كراهية التنفس في الإناء، واستحباب إدارة
الإناء على الأيمن فالأيمن بعد المبتدئ) کا درس ہے۔ ریاض الصالحین، ص: ۲۶۸

(۱) صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب كراهية التنفس في نفس الإناء، رقم: ۳۷۸۲، مسند أحمد،

رقم: ۱۲۷۳۰

(۲) سنن الترمذی، کتاب الأشربة عن رسول اللہ، باب ما جاء في التنفس في الإناء، رقم: ۱۸۰۷

ہے۔ تم اس کی طرح مت پیو، بلکہ تم جب پانی پیو تو یاد دوسانس میں پیو، یا تین سانس میں پیو، اور جب پانی پینا شروع کرو تو اللہ کا نام لے کر اور بسم اللہ پڑھ کر شروع کرو، یہ نہیں کہ محض غٹ غٹ کر کے پانی حلق سے اتار لیا۔

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ایک چھوٹا رسالہ ہے، جس کا نام ہے ”بسم اللہ کے فضائل و مسائل“ اس چھوٹے سے رسالے میں حقائق و معارف کا دریا بند ہے۔ اگر اس کو پڑھے تو انسان کی آنکھیں کھل جائیں۔ اس میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے یہی بیان فرمایا کہ یہ پانی جس کو تم نے اک لمحے کے اندر حلق سے نیچے اتار لیا، اس کے بارے میں ذرا یہ سوچو کہ یہ پانی کہاں تھا؟ اور تم تک کیسے پہنچا؟

پانی کے خدائی نظام کا کرشمہ

اللہ تعالیٰ نے پانی کا سارا ذخیرہ سمندر میں جمع کر رکھا ہے، اور اس سمندر کے پانی کو کھارا بنایا، اس لئے کہ اگر اس پانی کو بیٹھا بناتے تو کچھ عرصے کے بعد یہ پانی سڑ کر خراب ہو جاتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پانی کے اندر ایسے نمکیات رکھے کہ روزانہ لاکھوں جانور اس میں مر جاتے ہیں۔ اس کے باوجود اس میں کوئی خرابی اور کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ نہ اس کے اندر کوئی سڑان پیدا ہوتی ہے۔ پھر اگر تم سے یہ کہا جاتا کہ جب پانی کی ضرورت ہو تو سمندر سے حاصل کر لو۔ اور اس کو پی لو۔ تو انسان کے لئے کتنا دشوار ہو جاتا، اس لئے کہ اول تو ہر شخص کا سمندر تک پہنچنا مشکل ہے، اور دوسری طرف وہ پانی اتنا کھارا ہے کہ ایک گھونٹ بھی حلق سے اتارنا مشکل ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ اس سمندر سے مون سون کے بادل اٹھائے، اور پھر عجیب قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس بادل کے اندر ایسی آٹوینک مشین لگی ہوئی ہے کہ جب وہ بادل سمندر سے اٹھتا ہے تو اس پانی کی ساری نمکیات نیچے رہ جاتی ہیں، اور صرف بیٹھا پانی اوپر اٹھ کر چلا جاتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا سال میں ایک مرتبہ بادلوں کے ذریعہ سارا پانی برسا دیتے، اور یہ فرماتے کہ تم یہ پانی اپنے پاس جمع کر لو۔ اور ذخیرہ کر لو، ہم صرف ایک مرتبہ بارش برسا دیں گے، تو اس صورت وہ برتن اور ٹنکیاں کہاں سے لاتے جن کے اندر تم اتنا پانی جمع کر لیتے جو تمہارے سال بھر کے لئے کافی ہو جاتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَإِذَا سُكِّنَتْ فِي الْأَرْضِ﴾ (۱)

یعنی ہم نے پہلے آسمان سے پانی برسایا، اور پھر اس کو زمین کے اندر بٹھا دیا اور جمع کر دیا۔ اس کو اس طرح بٹھا دیا کہ پہلے پہاڑوں پر برسایا، اور پھر اس کو برف کی شکل میں وہاں جمادیا، اور تمہارے لئے وہاں ایک قدرتی فریئر بنا دیا۔ اب پہاڑ کی چوٹیوں پر تمہارے لئے پانی محفوظ ہے۔ اور ضرورت کے وقت وہ پانی پکھل پکھل کر دریاؤں کے ذریعہ زمین کے مختلف خطوں میں پہنچ رہا ہے، اور پھر دریاؤں سے نہریں اور ندیاں نکالیں اور دوسری طرف زمین کی رگوں کے ذریعہ کنوؤں تک پانی پہنچا دیا۔ لہذا اب پہاڑوں کی چوٹیوں پر ذخیرہ بھی موجود ہے، اور سپلائی لائن بھی موجود ہے، اور اس سپلائی لائن کے ذریعہ ایک آدمی تک پانی پہنچ رہا ہے۔ اب اگر ساری دنیا کے سائنس دان اور انجینئر مل کر بھی اس طرح پانی کی سپلائی کا انتظام کرنا چاہتے تو انتظام نہیں کر سکتے تھے، لہذا جب پانی پیو تو ذرا غور کر لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنی قدرت کا ملہ اور حکمت بالغہ کے ذریعہ یہ پانی کا گلاس تم تک پہنچایا۔ اور اسی بات کی طرف یاد دہانی کے لئے کہا جا رہا ہے کہ جب پانی پیو تو بسم اللہ کر کے پانی پیو۔

پوری سلطنت کی قیمت ایک گلاس پانی

بادشاہ ہارون الرشید ایک مرتبہ شکار کی تلاش میں جنگل میں گھوم رہے تھے۔ گھومتے گھومتے راستہ بھٹک گئے، اور زادراہ ختم ہو گیا اور پیاس سے بیتاب ہو گئے، چلتے چلتے ایک جھونپڑی نظر آئی وہاں جا کر جھونپڑی والے سے کہا کہ ذرا پانی پلا دو، وہ کہیں سے پانی لایا، اور ہارون الرشید نے پینا چاہا تو اس شخص نے کہا ”امیر المؤمنین! ذرا ایک لمحے کے لیے ٹھہر جائیے۔ پہلے یہ بتائیں کہ یہ پانی جو اس وقت میں آپ کو دے رہا ہوں، بالفرض یہ پانی نہ ملتا، اور پیاس اتنی ہی شدید ہوتی جتنی اس وقت ہے۔ تو بتائیے اس ایک گلاس پانی کی کیا قیمت لگاتے، اور اس کے حاصل کرنے پر کتنی رقم خرچ کر دیتے؟“

ہارون الرشید نے کہا کہ ”یہ پیاس تو ایسی چیز ہے کہ اگر انسان کو پانی نہ ملے تو اس کی وجہ سے بے تاب ہو جاتا ہے، اور مرنے کے قریب ہو جاتا ہے، اس لئے میں ایک گلاس حاصل کرنے کی خاطر اپنی آدھی سلطنت دے دیتا“

اس کے بعد اس نے کہا کہ اب آپ اس پانی کو پی لیں، ہارون الرشید نے پانی پی لیا، اس کے بعد اس شخص نے ہارون الرشید سے کہا ”امیر المؤمنین! ایک سوال کا اور جواب دے دیں“

انہوں نے پوچھا ”کیا سوال ہے؟“

اس شخص نے کہا ”ابھی آپ نے جو ایک گلاس پانی پیا ہے۔ اگر یہ پانی آپ کے جسم کے اندر رہ جائے اور خارج نہ ہو، پیشاب نہ آئے تو پھر اس کو خارج کرنے کے لئے کیا کچھ کر دیں گے؟“

ہارون الرشید نے جواب دیا ”یہ تو پہلی مصیبت سے بھی زیادہ بڑی مصیبت ہے کہ پانی اندر جا

کر خارج نہ ہو پیشاب نہ آئے۔ اس کو خارج کرنے کے لئے بھی میں آدمی سلطنت دے دیتا“
اس کے بعد اس شخص نے کہا ”آپ کی پوری سلطنت کی قیمت صرف ایک گلاس پانی کا اندر لے جانا اور اس کو باہر لانا ہے۔ اور یہ پانی پینے اور اس کو باہر نکالنے کی نعمت صبح سے شام تک کئی مرتبہ آپ کو حاصل ہوتی ہے۔ کبھی آپ نے اس پر غور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی نعمت دے رکھی ہے“
اس لئے یہ جو کہا جا رہا ہے کہ بسم اللہ بڑھ کر پانی پیو، اس سے اسی طرف سے متوجہ کیا جا رہا ہے کہ یہ پانی کا گلاس جس کو تم پی رہے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ اس پانی پینے کو تمہارے لئے عبادت بنا دیں گے۔

ٹھنڈا پانی، ایک عظیم نعمت

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے فرمایا ”میاں اشرف علی جب بھی پانی پیو، تو ٹھنڈا پیو، تاکہ روئیں روئیں سے اللہ کا شکر نکلے“ اس لئے کہ جب مومن آدمی ٹھنڈا پانی پئے گا تو اس کے روئیں روئیں سے اللہ تعالیٰ کا شکر نکلے گا، شاید یہی وجہ ہو کہ حضور اقدس کے ایک ارشاد میں آپ کی چند پسندیدہ چیزوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک چیز ٹھنڈا پانی ہے۔
چنانچہ روایات میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ آپ کے لئے کسی خاص کھانے کا اہتمام کیا جا رہا ہو۔ لیکن ٹھنڈے پانی کا اتنا اہتمام تھا کہ مدینے سے دو میل کے فاصلے پر ایک کنواں تھا، جس کا نام تھا ”بیر غرس“ اس کا پانی بہت ٹھنڈا ہوتا تھا۔ اس کنویں کا پانی خاص طور پر آپ کے لئے لایا جاتا تھا اور آپ نے وصیت بھی فرمائی تھی کہ میرے انتقال کے بعد مجھے غسل بھی اسی کنویں کے پانی سے دیا جائے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کو اسی ”بیر غرس“ کے پانی سے غسل دیا گیا۔ اس کنویں کے آثار اب بھی باقی ہیں، مگر پانی خشک ہو چکا ہے، الحمد للہ میں نے اس کنویں کی زیارت کی ہے۔ آپ ٹھنڈے پانی کا اہتمام اس لئے فرما رہے تھے کہ جب آدمی ٹھنڈا پانی پئے گا تو روئیں روئیں سے اللہ کا شکر نکلے گا۔

تین سانس میں پانی پینا

ان احادیث میں حضور اقدس ﷺ نے پانی پینے کا ادب بتا دیا۔ جس میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ تین سانس میں پانی پیا جائے۔ اس معنی میں جتنی احادیث حضور اقدس ﷺ سے مروی ہیں ان کی روشنی میں علماء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا کہ تین سانس میں پانی وغیرہ پینا افضل ہے، اور سنت کے زیادہ قریب ہے۔ لیکن دو سانس میں پانی پینا بھی جائز ہے، چار سانس میں پینا بھی جائز ہے۔ البتہ ایک سانس میں سارا پانی پی جانا خلاف اولیٰ ہے، اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک سانس میں پینا طبی طور پر بھی نقصان دہ ہے، واللہ اعلم۔

بہر حال، طبی طور پر نقصان دہ ہو یا نہ ہو، مگر حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ نے ایک سانس میں پانی پینے کی جو ممانعت فرمائی ہے وہ حرمت والی ممانعت نہیں، یعنی ایک سانس میں پانی پینا حرام نہیں ہے، لہذا اگر کوئی شخص ایک سانس میں پانی پی لے گا تو گناہ گار نہ ہوگا۔

حضور ﷺ کی مختلف شانیں

بات دراصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیثیت امت کے لئے مختلف شانیں رکھتی ہے، ایک حیثیت آپ کی رسول کی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچانے والے ہیں اگر اس حیثیت سے آپ کسی کام سے ممانعت فرمادیں گے تو وہ کام حرام ہو جائے گا، اور اس کام کو کرنا گناہ ہوگا، اور ایک حیثیت آپ کی ایک شفیق رہنما کی ہے، لہذا اگر شفقت کی وجہ سے امت کو کسی کام سے منع فرماتے ہیں کہ یہ کام مت کرو، تو اس ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنے میں تمہارے لئے نقصان ہے، یہ اچھا اور پسندیدہ کام نہیں ہے، لیکن وہ کام حرام نہیں ہو جاتا۔ لہذا اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے گناہ کا کام کیا، یا حرام کام کیا، لیکن یہ کہا جائے گا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف کام کیا، اور آپ کے پسندیدہ طریقے کے خلاف کیا، اور وہ شخص جس کے دل میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی محبت ہو، وہ صرف حرام کاموں ہی کو نہیں چھوڑتا، بلکہ جو کام محبوبِ حقیقی کو ناپسند ہو، اس کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔

پانی پو، ثواب کماؤ

لہذا فقہی طور پر تو میں نے بتا دیا کہ ایک سانس میں پانی پینا حرام اور گناہ نہیں ہے۔ لیکن ایک محبت صادق، جس کے دل میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی محبت ہو، تو ایسے کاموں کے قریب بھی نہیں جائے گا جو آپ کو پسند نہیں ہیں۔ لہذا جس کام کے بارے میں آپ نے یہ کہہ دیا کہ یہ کام پسندیدہ نہیں ہے، ایک مسلمان کو حتی الامکان اس کے قریب نہیں جانا چاہئے، اور اس کو اختیار نہ کرنا چاہئے، اگرچہ کر لینا کوئی گناہ نہیں۔ لیکن اچھی بات نہیں۔ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ ایک سانس میں پینا خلافِ اولیٰ ہے، اور بعض علماء نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی ہے، لہذا کیوں خواہ مخواہ ایک سانس میں پی کر خلافِ اولیٰ کا ارتکاب کیا جائے، پانی تو پینا ہی ہے۔ اس پانی کو اگر تین سانس میں اس نقطہ نظر سے پی لو کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی سنت شریفہ ہے تو یہ پانی پینا تمہارے لئے عبادت کے عبادت بن گیا، اور سنت کے انوار و برکات تمہیں حاصل ہو گئے، اور چونکہ ہر سنت پر عمل کرنے سے انسان اللہ کا محبوب بن جاتا

ہے۔ اس لئے اس وقت آپ کو اللہ کی محبت حاصل ہوگئی۔ اللہ کے محبوب بن گئے، ذرا سی توجہ سے اس پر اتنا بڑا اجر و ثواب حاصل ہو گیا۔ اب کیوں بے پرواہی میں اس کو چھوڑ دیا جائے؟ لہذا اس کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔

مسلمان ہونے کی علامت

دیکھئے، ہر ملت و مذہب کے کچھ طریقے اور آداب ہوتے ہیں، جس کے ذریعہ وہ ملت پہچانی جاتی ہے۔ یہ تین سانس میں پانی پینا بھی مسلمان کے شعار اور علامات میں سے ہے، چنانچہ بچپن سے بچے کو سکھایا جاتا ہے کہ بیٹا، تین سانس میں پانی پیو، آج کل تو اس کا رواج ہی ختم ہو گیا کہ اگر بچہ کوئی عمل اسلامی آداب کے خلاف کر رہا ہے تو اس کو ٹوکا جائے کہ بیٹا، اس طرح کرو، اس طرح نہ کرو۔ بعض عشاق کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ اگر پانی ایک ہی گھونٹ ہوتا ہے تو سنت کی اتباع کے لئے اس ایک گھونٹ کو بھی تین سانس میں پیتے ہیں، تاکہ رسول ﷺ کی سنت کا اجر حاصل ہو جائے۔

منہ سے برتن ہٹا کر سانس لو

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُتَنَفَّسَ فِيْ فَأَي: (۱)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے برتن کے اندر سانس لینے سے منع فرمایا۔ یعنی ایک آدمی پانی پیتے ہوئے برتن کے اندر ہی سانس لے، اور سانس لیتے وقت برتن نہ ہٹائے، اس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا، ایک اور حدیث میں اس کی تفصیل آئی ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، مجھے پانی پیتے وقت بار بار سانس لینے کی ضرورت ہو، اس وقت جس گلاس یا پیالے کے ذریعہ تم پانی پی رہے ہو۔ اسکو اپنے منہ سے الگ کر کے سانس لے لو، اور پھر پانی پی لو، لیکن پانی پینے کے دوران برتن اور گلاس کے اندر سانس لینا، اور پھنکارے مارنا ادب کے خلاف ہے۔ اور سنت کے خلاف ہے۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب کراهية التنفس في نفس الاناء واستحباب التنفس.....
رقم: ۳۷۸۰، سنن الترمذی کتاب الاشربة عن رسول الله، باب ماجاء في التنفس في الاناء، رقم: ۱۸۰۵، سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب النهی عن الاستنجاء باليمن، رقم: ۴۷، سنن ابی داود، کتاب الاشربة، باب في النفخ في الشراب والتنفس فيه، رقم: ۳۲۴۰، سنن ابن ماجه، کتاب الاشربة، باب الشرب بثلاثة أنفاس، رقم: ۳۴۰۷، مسند أحمد، رقم: ۱۸۰۸، سنن الدر می، کتاب الاشربة، باب في الشرب بثلاثة أنفاس، رقم: ۲۰۲۸

ایک عمل میں کئی سنتوں کا ثواب

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ سنتوں پر عمل کرنے کی نیت کرنا لوٹ کا مال ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک عمل کے اندر جتنی سنتوں کی نیت کر لو گے، اتنی سنتوں کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ مثلاً پانی پیتے وقت یہ نیت کر لو کہ میں تین سانس میں پانی اس لئے پی رہا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ تین سانس میں پینے کی تھی، اس سنت کا ثواب حاصل ہو گیا۔ اسی طرح یہ نیت کر لی کہ میں سانس لیتے وقت برتن کو اس لئے منہ سے ہٹا رہا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ اب دوسری سنت پر عمل کا بھی ثواب حاصل ہو گیا۔ اس لئے سنتوں کا حکم حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاکہ آدمی جب کوئی عمل کرے تو ایک ہی عمل کے اندر جتنی سنتیں ہیں۔ ان سب کا دھیان اور خیال رکھے۔ اور ان کی نیت کرے تو پھر ہر نیت کے ساتھ انشاء اللہ مستقل سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

دائیں طرف سے تقسیم شروع کرو

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِلَبَنٍ قَدْ شِيبَ بِعَاءٍ، وَعَنْ يَمِينِهِ أَعْرَابِيٌّ، وَعَنْ يَسَارِهِ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَشَرِبَ، ثُمَّ أَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ وَقَالَ الْإِيْمَنُ فَلَا يُعْمَنُ. (۱)

اس حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے ایک اور عظیم ادب بیان فرمایا ہے، اور یہ ادب بھی امت مسلمہ کی علامات میں سے ہے، اور اس ادب سے بھی ہمارے معاشرے میں بڑی غفلت پائی جا رہی ہے۔ وہ ادب اس حدیث میں ایک واقعہ کے اندر بیان فرمادیا۔ وہ یہ کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں دودھ لے کر آئے، اور اس دودھ میں پانی ملا ہوا تھا۔ یہ پانی ملانا کوئی ملاوٹ کی غرض سے اور دودھ بڑھانے کی غرض سے نہیں تھا۔ بلکہ اہل عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ خالص دودھ اتنا مفید نہیں ہوتا جتنا پانی ملا ہوا دودھ مفید ہوتا ہے، اس لئے وہ صاحب دودھ میں پانی ملا کر حضور ﷺ کی خدمت میں لائے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس دودھ میں سے کچھ پیا، جو دودھ

(۱) سنن الترمذی، کتاب الاشرۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء ان الایمنین احق بالشراب، رقم: ۱۷۱۵، صحیح البخاری، کتاب المساقاة، باب فی الشرب، رقم: ۲۱۷۱، صحیح مسلم، کتاب الاشرۃ، باب استحباب إدارة الماء واللبن و نحوهما..... رقم: ۳۷۸۳، سنن ابی داؤد، کتاب الاشرۃ، باب فی الساقی متی یشرّب، رقم: ۳۲۳۸، سنن ابن ماجہ، کتاب الاشرۃ، باب اذا شرب اعطى الایمن فالایمن، رقم: ۳۴۱۶، سند احمد، رقم: ۱۱۶۳۴

باقی بچا، آپ نے چاہا کہ حاضرین کو پلا دیں، اس وقت آپ کے داہنی جانب ایک اعرابی یعنی دیہات کا رہنے والا بیٹھا تھا۔ جس کو بدو بھی کہتے ہیں، اور آپ کے بائیں جانب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بچا ہوا دودھ دائیں طرف بیٹھے ہوئے اعرابی کو پہلے عطا فرما دیا، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیا، اور آپ نے ساتھ میں فرمایا ”اَلَا يَمْنُنُ فَاَلَا يَمْنُنُ“ یعنی جو آدمی داہنی طرف بیٹھا ہو، پہلے اس کا حق ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام

آپ اندازہ لگائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ترتیب کا اتنا خیال فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اس روئے زمین پر ان سے زیادہ افضل انسان پیدا نہیں ہوا، جن کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”صدیق“ وہ انسان ہے کہ اگر نبی کسی آئینے کے سامنے کھڑے ہوں، تو یہ جو کھڑے ہوئے انسان ہیں، یہ تو نبی ہیں۔ اور آئینے میں ان کا جو عکس نظر آ رہا ہے۔ وہ ”صدیق“ ہیں گویا کہ ”صدیق“ وہ ہے جو نبوت کا پورا عکس اور پوری چھاپ لئے ہوئے ہو۔ اور جو صحیح معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہو۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ انسان ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میری پوری زندگی کے تمام اعمال خیر مجھ سے لے لیں، اور اس کے بدلے میں وہ ایک رات جو انہوں نے ہجرت کے موقع پر غار کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزاری تھی، وہ مجھے دے دیں، تو بھی سودا ستار ہے گا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ لیکن اس بلند مقام کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کے وقت دودھ کا پیالہ اعرابی کو دے دیا، ان کو نہیں دیا: فرما رہے ہیں:

((اَلَا يَمْنُنُ فَاَلَا يَمْنُنُ))

”تقسیم کے وقت دائیں جانب والا مقدم ہے، بائیں جانب والا موخر ہے“

داہنی جانب باعث برکت ہے

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول سکھا دیا کہ اگر مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوں، اور کوئی چیز تقسیم کرنی مقصود ہو۔ مثلاً پانی پلانا ہو۔ یا کھانے کی کوئی چیز تقسیم کرنی ہو۔ یا چھوڑے تقسیم

کرنے ہو، اس میں ادب یہ ہے کہ دائیں جانب والوں کو دے، اور پھر بائیں جانب تقسیم کرے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے دائیں جانب کو بہت اہمیت دی ہے۔ دائیں جانب کو عربی زبان میں ”یمین“ کہتے ہیں۔ اور ”یمین“ کے معنی عربی زبان میں مبارک کے بھی ہوتے ہیں، اس لئے دائیں جانب سے کام کرنے میں برکت ہے۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ دائیں جانب سے کام کرنے میں برکت ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، دائیں ہاتھ سے پانی پیو، دایاں جوتا پہلے پہنو چلنے میں راستے کے دائیں جانب چلو، یہاں تک کہ جب حضور اقدس ﷺ اپنے بالوں میں کنگھی کرتے تو پہلے دائیں جانب کے بالوں میں کنگھی کرتے، پھر بائیں جانب کرتے، دائیں کا اتنا اہتمام فرماتے۔ لہذا دائیں جانب سے ہر کام شروع کرنے میں برکت بھی اور سنت بھی ہے۔

دائیں جانب کا اہتمام

ایک اور حدیث میں یہی مضمون آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پینے کی کوئی چیز لائی گئی، آپ نے اس میں سے کچھ پی لی، کچھ بچ گئی، اس وقت مجلس میں دائیں جانب ایک نو عمر لڑکا بیٹھا تھا، اور بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے، جو عمر میں بھی بڑے تھے، علم اور تجربہ میں بھی زیادہ تھے، اب حضور اقدس ﷺ نے سوچا کہ ادب اور اصول کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ پینے کی چیز اس چھوٹے لڑکے کو دے دی جائے، لیکن بائیں جانب بڑے بڑے مشائخ بیٹھے ہیں۔ ان کے درجے اور مرتبے کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو ترجیح دی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس نو جوان لڑکے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے بائیں جانب بڑے لوگ بیٹھے ہیں، اب حق تو تمہارا بنتا ہے کہ تمہیں دیا جائے۔ اس لئے کہ تم دائیں جانب ہو۔ لیکن بائیں جانب تمہارے بڑے بیٹھے ہیں۔ اگر تم اجرت دو تو میں ان کو دے دوں؟ وہ لڑکا بھی بڑا سمجھدار تھا۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ، اگر کوئی اور چیز ہوتی تو میں ضرور ان بڑوں کو اپنے آپ پر ترجیح دے دیتا، لیکن یہ آپ کا بچا ہوا ہے۔ اور آپ کے بچا ہوا پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، لہذا اگر میرا حق بنتا ہے تو آپ مجھے ہی عطا فرمائیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ وہ چیز اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے فرمایا کہ لو، تم ہی پی لو۔ یہ نو جوان حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ (۱)

(۱) صحیح البخاری کتاب المساقاة، باب فی الشرب، رقم: ۲۱۸۰، صحیح مسلم، کتاب

الاشربة باب استحباب ادارة الماء واللبن ونحوهما عن یمین، رقم: ۳۷۸۶، مسند أحمد،

دیکھئے، حضور اقدس ﷺ نے دائیں جانب کا اتنا اہتمام فرمایا، حالانکہ بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں، اور خود آپ کی بھی یہ خواہش کہ یہ چیز ان بڑوں کو مل جائے۔ لیکن آپ نے اس قاعدے اور اس اصول کے خلاف نہیں کیا کہ دائیں جانب سے شروع کیا جائے۔ آئے روز ہمارے ساتھ اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ مثلاً گھر میں لوگ بیٹھے ہیں ان کے درمیان کوئی چیز تقسیم کرنی ہے، یا مثلاً دسترخوان پر برتن لگاتے ہیں۔ یا کھانا تقسیم کرنا ہے۔ اس میں اگر ہم اس بات کا اہتمام کریں کہ دائیں جانب سے شروع کریں اور حضور اقدس ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی نیت کر لیں۔ پھر دیکھیں اس میں کتنی برکت اور کتنا نور معلوم ہوگا۔

بہت بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پینا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ، يَعْنِي أَنْ تُكْسَرَ أَفْوَاهُهَا وَيُشْرَبَ مِنْهَا. (۱)
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ مشکیزوں کا منہ کاٹ کر پھر اس سے منہ لگا کر پانی پیا جائے۔ اس زمانے میں پانی بڑے بڑے مشکیزوں میں بھر کر رکھا جاتا تھا، جیسے آج کل بڑے بڑے ٹینکین اور کین ہوتے ہیں، ان سے منہ سے لگا کر پانی پینے سے آپ نے منع فرمایا۔

ممانعت کی دو وجوہات

علماء نے فرمایا کہ اس ممانعت کی دو وجہیں ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ اس مشکیزے یا ٹینکین کے اندر بڑی مقدار میں پانی بھرا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پانی کے اندر کوئی نقصان دہ چیز پڑی ہوئی ہو، جس کی وجہ سے وہ پانی خراب ہو گیا ہو۔ یا نقصان وہ ہو گیا ہو۔ جیسے بعض اوقات کوئی جانور یا کیڑا وغیرہ اندر گر کر پانی میں مر جاتا ہے، اب نظر تو نہیں آ رہا ہے کہ اندر کیا ہے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ منہ لگا کر پانی

(۱) صحیح البخاری کتاب الاشرۃ، باب اختناث الاسقیۃ، رقم: ۵۱۹۴، صحیح مسلم، کتاب الاشرۃ، باب آداب الطعام والشراب و احکامہما، رقم: ۳۷۶۹، سنن الترمذی، کتاب الاشرۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی النهی عن اختناث الاسقیۃ، رقم: ۱۸۱۲، سنن ابی داؤد کتاب الاشرۃ، باب فی اختناث الاسقیۃ، رقم: ۳۲۳۲، سنن ابن ماجہ، کتاب الاشرۃ، باب اختناث الاسقیۃ، رقم: ۳۴۰۹، مسند أحمد، رقم: ۱۰۶۰۲، سنن الدارمی، کتاب الاشرۃ، باب فی النهی عن الشرب فی السقاء، رقم: ۲۰۲۷

پینے کے نتیجے میں کوئی خطرناک چیز حلق میں نہ چلی جائے۔ یا پانی ناپاک اور نجس نہ ہو گیا ہو۔ اس لئے آپ نے سا طرح منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا۔ اور دوسری وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی کہ جب آدمی اتنے بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پئے گا تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ایک دم سے بہت سا پانی منہ میں آجائے، اور اس کے نتیجے میں اچھو لگ جائے، پھندا لگ جائے، یا کوئی اور تکلیف ہو جائے۔ اس لئے آپ نے اس سے منع فرمایا۔

حضور ﷺ کی اپنی امت پر شفقت

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ جن باتوں سے منع فرماتے ہیں، ان میں سے بعض باتیں تو وہ ہوتی ہیں جو حرام اور گناہ ہوتی ہیں، اور بعض باتیں وہ ہوتی ہیں جو حرام اور گناہ تو نہیں ہوتی۔ لیکن حضور اقدس ﷺ ہم پر شفقت کرتے ہوئے اور ادب سکھاتے ہوئے اس سے منع فرماتے ہیں۔ اور جس کام کو آپ شفقت کی وجہ سے منع فرماتے ہیں۔ جبکہ وہ کام حرام اور گناہ نہیں ہوتا، اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ کبھی کبار زندگی میں آپ اس کام کو کر کے بھی دکھا دیتے ہیں، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کام حرام اور ناجائز نہیں ہے۔ لیکن ادب کے خلاف ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک دو مرتبہ مشکیزے سے منہ لگا کر بھی پانی پیا۔ علماء نے فرمایا کہ ان تمام برتنوں کا بھی یہی حکم ہے۔ جو بڑے ہوں، اور ان میں زیادہ مقدار میں پانی آتا ہو۔ جیسے بڑا کنستر ہے یا مڑکا ہے۔ ان سے بھی منہ لگا کر پانی نہیں پینا چاہئے، البتہ ضرورت داعی ہو جائے تو الگ ہے، چنانچہ اگلی حدیث میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔

مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینا

وَعَنْ أُمِّ ثَابِتٍ كَبْشَةَ بِنْتِ ثَابِتٍ أُخْتِ حَسَّانِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ
عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ فِي
قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا، فَقُمْتُ إِلَى فِيْهَا، فَقَطَعْتُهٗ. (۱)

حضرت کبشہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا، جو حضرت حسان بنت ثابت رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہمارے گھر میں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ آپ نے کھڑے ہو کر اس مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پیا۔ اس عمل کے ذریعہ آپ نے بتا دیا کہ اس

(۱) سنن الترمذی، کتاب الاشربة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فی الرخصة فی ذلك، رقم: ۱۸۱۴، سنن ابن ماجہ، کتاب الاشربة، باب الشرب قائما، رقم: ۳۴۱۴

طرح مشکیزہ سے منہ لگا کر پینا کوئی حرام نہیں ہے۔ صرف تم پر شفقت کرتے ہوئے ایک مشورے کے طور پر یہ حکم دیا گیا ہے۔ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ جب آپ چلے گئے تو میں کھڑی ہوئی، اور مشکیزے کے جس حصے سے منہ لگا کر آپ نے پانی پیا تھا، اس حصے کو کاٹ کر وہ چمڑا اپنے پاس رکھ لیا۔

حضور ﷺ کے ہونٹ جس چیز کو چھولیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار، عاشق زار، فداکار تھا۔ ایسے فداکار اور جانثار کسی اور ہستی کے نہیں مل سکتے، جیسا کہ آپ نے اوپر دیکھا کہ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہ نے اس مشکیزہ کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اور فرمایا کہ یہ وہ چمڑا ہے جس کو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہونٹ چھوئے ہیں، اور آئندہ کسی اور کے ہونٹ اس کو نہیں چھونے چاہئیں، اور اب یہ چمڑا اس لئے نہیں ہے کہ اس کو مشکیزے کے طور پر استعمال کیا جائے، یہ تو تبرک کے طور پر رکھنے کے قابل ہے۔ اس لئے اس کو کاٹ کر تبرک کے طور پر اپنے گھر میں رکھ لیا۔

یہ بال متبرک ہو گئے

حضرت ابو مخدور رضی اللہ عنہ ایک صحابی، جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا موزن مقرر فرمایا تھا۔ جس وقت یہ مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت یہ چھوٹے بچے تھے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھا، جس طرح چھوٹے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو مخدور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس مقام پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ رکھا تھا، ساری عمر اس جگہ کے بال نہیں کٹوائے، اور فرماتے تھے کہ یہ وہ بال ہیں جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک چھوئے ہیں۔

تبرکات کی حیثیت

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی چیز تبرک کے طور پر رکھنا، یا آپ کے صحابہ کرام، تابعین، بزرگان دین، اور اولیاء کرام کی کوئی چیز تبرک کے طور پر رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ آج کل اس بارے میں لوگوں کے درمیان افراط و تفریط پایا جاتا ہے، بعض لوگ ان تبرکات سے بہت چڑتے ہیں، اگر ذرا سی تبرک کے طور پر کوئی چیز رکھ لی، تو ان کے نزدیک وہ شرک ہو گیا۔ اور بعض لوگ وہ ہیں جو تبرکات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حق ان دونوں کے درمیان میں ہے۔ نہ تو انسان یہ کرے کہ تبرک کو شرک کا ذریعہ بنالے۔ اور نہ ہی تبرک کا ایسا انکار کرے کہ بے ادبی تک پہنچ

جائے، جس چیز کو اللہ والوں کے ساتھ نسبت ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس میں برکتیں نازل فرماتے ہیں، ایک واقعہ تو آپ نے ابھی سن لیا کہ حضور اقدس ﷺ نے مشکیزے کی جس جگہ سے منہ لگا کر پانی پیا تھا، ان صحابیہ نے اس کو کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔

متبرک دراہم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے چاندی کے درہم عطا فرمائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ان دراہم کو ساری عمر خرچ نہ کیا، اور فرماتے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کے عطا فرمودہ ہیں۔ وہ اٹھا کر رکھ دیے، حتیٰ کہ اولاد کو وصیت کر گئے کہ یہ دراہم حضور ﷺ کے عطا کردہ ہیں، ان کو خرچ مت کرنا، بلکہ تبرک کے طور پر ان کو گھر میں رکھنا۔ چنانچہ ایک عرصہ دراز تک وہ دراہم ان کے خاندان میں چلتے رہے، ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ کسی ہنگامے کے موقع پر وہ ضائع ہو گئے۔

حضور کا مبارک پسینہ

حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ ایک جگہ سو رہے ہیں، گرمی کا موسم تھا، اور عرب میں گرمی بہت سخت پڑتی تھی۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ کے جسم مبارک سے پسینہ بہہ کر زمین پر گر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک شیشی لا کر آپ کا مبارک پسینہ اس میں محفوظ کر لیا۔ فرماتی ہیں کہ وہ پسینہ اتنا خوشبودار تھا کہ مشک و زعفران اس کے آگے ہیچ تھے، اور پھر میں نے اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا، اور جب گھر میں خوشبو استعمال کرتی تو اس میں سے تھوڑا پسینہ شامل کر لیتی۔ اور ایک عرصہ دراز تک میں نے اس کو اپنے پاس محفوظ رکھا۔

حضور ﷺ کے مبارک بال

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو کہیں سے حضور اقدس ﷺ کے بال مل گئے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ان بالوں کو ایک شیشی کے اندر ڈال کر اس میں پانی بھر دیا، اور پھر جب قبیلے میں کوئی بیمار ہوتا، تو اس پانی کا ایک قطرہ دوسرے پانی میں ملا کر بیمار کو پلا دیتے، تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرما دیتے۔ بہر حال، صحابہ کرام نے بہت سے طریقوں سے حضور اقدس ﷺ کے تبرکات کا احترام کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تبرکات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستے میں جس جس جگہ پر ایسی منزل آتی، جہاں حضور اقدس ﷺ نے گزرتے ہوئے کبھی قیام فرمایا تھا۔ تو وہاں میں اترتا، اور دو رکعت نفل ادا کر لیتا، اور پھر آگے روانہ ہوتا۔

بہر حال، اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس ﷺ کے تبرکات کو باقی رکھنے اور محفوظ رکھنے کا بہت اہتمام فرمایا۔ لیکن حضرات صحابہ کرام تبرکات کی حقیقت سے بھی واقف تھے، ان تبرکات میں غلو، مبالغہ، یا افراط یا تقریط کا ان سے کوئی امکان نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ انہی تبرکات کو وہ سب کچھ سمجھ بیٹھے، انہی کو مشکل کشا یا حاجت روا سمجھ بیٹھے، یا ان تبرکات کو شرک کا ذریعہ بنا لیتے یا ان تبرکات کی پرستش شروع کر دیتے۔

بت پرستی کی ابتداء

عرب میں بت پرستی کا رواج بھی درحقیقت ان تبرکات میں غلو کے نتیجے میں شروع ہوا تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے پاس قیام کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام وہیں پر پلے بڑھے، جوان ہوئے، اور پھر بنی جرہم کے لوگ وہاں آ کر آباد ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں مکہ مکرمہ کی بستی آباد ہو گئی، بعد میں بنی جرہم کی ایک دوسرے قبیلے والوں سے لڑائی ہو گئی۔ لڑائی کے نتیجے میں دوسرے قبیلے والوں نے بنی جرہم کو مکہ مکرمہ سے باہر نکال دیا۔ چنانچہ بنی جرہم کے لوگ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو یادگار کے طور پر کسی نے مکہ مکرمہ کی مٹی اٹھالی۔ کسی نے پتھر اٹھائے۔ کسی نے بیت اللہ کے آس پاس کی کوئی اور چیز اٹھالی، تاکہ یہ چیزیں ہم اپنے پاس تبرک اور یادگار کے طور پر رکھیں گے، اور ان کو دیکھ کر ہم بیت اللہ شریف اور مکہ مکرمہ کو یاد کریں گے، جب دوسرے علاقے میں جا کر قیام کیا تو وہاں پر بڑے اہتمام سے ان تبرکات کی حفاظت کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ جب پرانے لوگ رخصت ہو گئے، اور کوئی صحیح راستہ بتانے والا باقی نہ رہا تو بعد کے لوگوں نے رفتہ رفتہ اس مٹی اور پتھروں سے کچھ صورتیں بنالیں۔ اور وہ صورتیں بتوں کی شکل میں تیار ہو گئیں، اور پھر انہی کی پرستش شروع کر دی، اہل عرب کے اندر یہیں سے بت پرستی کا آغاز ہوا۔

تبرکات میں اعتدال ضروری ہے

اگر ان تبرکات کا احترام حد کے اندر نہ ہو تو پھر شرک اور بت پرستی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے تبرکات کے معاملے میں بڑے اعتدال کے ساتھ چلنے کی ضرورت ہے۔ نہ تو ان کی بے ادبی ہو، اور نہ ہی ایسی تعظیم ہو، جس کے نتیجے میں انسان شرک میں مبتلا ہو جائے۔ یا شرک کی سرحدوں کو چھونے لگے، تبرکات کی حقیقت یہ ہے کہ برکت کے لئے اس کو اپنے پاس رکھ لے، اس لئے کہ جب ایک چیز کو کسی بزرگ کے ساتھ نسبت ہوگی تو اس نسبت کی بھی قدر کرنی چاہئے۔ اس نسبت کی بھی تعظیم اور ادب کرنا چاہئے۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ کے ساتھ نسبت رکھنے والے کتے کا بھی احترام کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اس کتے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کے ساتھ نسبت حاصل ہے، یہ سب عشق کی باتیں ہوتی ہیں کہ محبوب کے ساتھ کسی چیز کو ذرا سی بھی نسبت ہوگئی تو اس کا ادب اور احترام کیا۔ اور جب نسبت کی وجہ سے کوئی شخص تعظیم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں کہ اس نے میرے محبوب کی نسبت کی بھی قدر کی، بشرطیکہ حدود میں رہے، حد سے آگے نہ بڑھے، یہ بات بھی ہمیشہ سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے، اس لئے کہ لوگ بکثرت افراط و تفرط کی باتیں کرتے ہیں، اور اس کی وجہ سے پریشانی کا شکار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعتدال میں رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بیٹھ کر پانی پینا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى أَنْ يَشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا. (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔ اس حدیث کی بنیاد پر علماء نے فرمایا کہ حتی الامکان کھڑے ہو کر پانی نہیں پینا چاہئے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت شریفہ یعنی عام عادت یہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پانی پیتے تھے۔ اس لئے کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، مکروہ تنزیہی کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی

(۱) صحیح مسلم، کتاب الاشریۃ، باب کراہیۃ الشرب قائمًا، رقم: ۳۷۷۲، سنن الترمذی، کتاب

الاشریۃ، عن رسول اللہ، باب ماجاء فی النهی عن الشرب قائمًا، رقم: ۱۸۰۰، سنن ابی داؤد،

کتاب الاشریۃ، باب فی الشرب قائمًا، رقم: ۳۲۲۹، مسند أحمد، رقم: ۷۹۸۵

پینے کو ناپسند فرمایا۔ اگرچہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پی لے تو کوئی گناہ نہیں، حرام نہیں۔ لیکن خلاف ادب اور خلاف اولیٰ ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ کا ناپسندیدہ ہے۔

کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جب حضور اقدس ﷺ نے کسی چیز سے منع فرمایا، جب کہ وہ چیز حرام اور گناہ بھی نہیں ہے، تو ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ لوگوں کو بتانے کے لئے کبھی کبھار خود بھی وہ عمل کر کے دکھا دیا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ عمل گناہ اور حرام نہیں، چنانچہ حضور اقدس ﷺ سے کئی مرتبہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی ثابت ہے۔ ابھی میں آپ کو حضرت کبشہ رضی اللہ عنہ کے مشکیزے سے پانی پینے کا واقعہ سنایا۔ وہ مشکیزہ دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ اور آپ نے کھڑے ہو کر منہ لگا کر اس سے پانی پیا، اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی جگہ ایسی ہے جہاں بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہے، ایسے موقع پر اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پی لے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلا کراہت جائز ہے۔ اور بعض اوقات آپ نے صرف یہ بتانے کے لئے کھڑے ہو کر پانی پیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی جائز ہے، چنانچہ حضرت نزال بن سبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ”باب الرحۃ“ میں تشریف لائے، ”باب الرحۃ“ کوفہ کے اندر ایک جگہ کا نام ہے۔ وہاں پر کھڑے ہو کر آپ نے پانی پیا، اور فرمایا:

”إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ كَمَا رَأَيْتُمُونِي فَعَلْتُ“ (۱)

یعنی میں نے حضور اقدس ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا جس طرح تم نے مجھے دیکھا کہ میں کھڑے ہو کر پانی پی رہا ہوں۔ بہر حال، کبھی کبھی حضور اقدس ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پی کر یہ بتا دیا کہ یہ عمل گناہ نہیں۔

بیٹھ کر پینے کی فضیلت

لیکن اپنی امت کو جس کی تعلیم دی، اور جس کی تاکید فرمائی، اور جس پر ساری عمر عمل فرمایا، وہ یہ تھا کہ حتیٰ الامکان بیٹھ کر ہی پانی پیتے تھے۔ اس لئے یہ بیٹھ کر پانی پینا حضور اقدس ﷺ کی اہم سنتوں میں سے ہے۔ اور جو شخص اس کا جتنا اہتمام کرے گا۔ انشاء اللہ اس پر اس کو اجر و ثواب اور اس کی فضیلت اور برکات حاصل ہوں گی، اس لئے خود بھی اس کا اہتمام کرنا چاہئے، اور دوسروں سے بھی اس کا اہتمام کرانا چاہئے، اپنے گھر والوں کو بتانا چاہئے، اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دینی چاہئے، اور بچوں

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاشرۃ، باب الشرب قائم، رقم: ۵۱۸۴، مسند أحمد، رقم: ۱۱۹۹

کے دل میں یہ بات بٹھانی چاہئے کہ جب بھی پانی پیو تو بیٹھ کر پیو۔ اگر انسان اس کی عادت ڈال لے تو مفت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس عمل میں کوئی خاص محنت اور مشقت ہے نہیں۔ اگر آپ پانی کھڑے ہو کر پینے کے بجائے بیٹھ کر پی لیں تو اس میں کیا حرج اور کیا مشقت لازم آجائے گی؟ لیکن جب سنت کی اتباع کی نیت کر کے پانی بیٹھ کر پی لیا اتباع سنت کا عظیم اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا۔

سنت کی عادت ڈال لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گیا، وہاں پانی پینے کی ضرورت پیش آئی، مسجد میں ملے رکھے تھے، میں نے ملے سے پانی نکالا۔ اور اپنی عادت کے مطابق ایک جگہ بیٹھ کر پانی پینے لگا، ایک صاحب یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، وہ قریب آئے، اور کہا ”یہ آپ نے بیٹھنے کا اتنا اہتمام کیا، اس کی کیا ضرورت تھی؟ کھڑے ہو کر ہی پی لیتے“ میں نے سوچا کہ اب میں ان سے کیا بحث کروں، میں نے کہا کہ اصل میں ہمیشہ سے بیٹھ کر پانی پینے کی عادت پڑی ہوئی ہے، اس شخص نے کہا کہ یہ آپ نے عجیب بات فرمائی کہ عادت پڑ گئی، ارے سنت رسول اللہ ﷺ کی عادت پڑ جانا کوئی معمولی بات ہے؟ بہر حال، عادتیں تو انسان بہت سی ڈال لیتا ہے، لیکن جب عادت ڈال لے تو سنت کی عادت ڈال لے۔ تاکہ اس پر اجر و ثواب بھی حاصل ہو جائے۔

نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب دل میں کسی نیک کام کرنے یا کسی سنت پر عمل کرنے کا خیال آئے، تو اس ”خیال“ کو صوفیاء کرام ”وارد“ کہتے ہیں۔ یہ ”وارد“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا مہمان ہے اس مہمان کا اکرام کرو، اور اس کی قدر پہچانو، مثلاً جب آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینا شروع کیا تو اس وقت دل میں خیال آیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا اچھا نہیں ہے۔ سنت کے خلاف ہے، بیٹھ کر پانی پینا چاہئے، اگر آپ نے اس خیال اور ”وارد“ کا اکرام کرتے ہوئے بیٹھ کر پانی پی لیا تو یہ مہمان بار بار آئے گا، آج اس نے تمہیں بٹھا کر پانی پلا دیا تو کل کو کسی اور سنت پر عمل کرائے گا، پرسوں کسی اور نیکی پر عمل کرائے گا۔ اس طرح یہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ کراتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے اس مہمان کی ناقدری کی۔ مثلاً پانی پیتے وقت بیٹھ کر پانی پینے کا خیال آیا تو تم نے فوراً اس خیال کو یہ کہہ کر جھٹک دیا کہ بیٹھ کر پانی پینا کونسا فرض و واجب

ہے، کھڑے ہو کر پینا گناہ تو ہے نہیں۔ چلو کھڑے کھڑے پانی پی لو۔ اب تم نے اس مہمان کی ناقدری کی، اور اس کو واپس بھیج دیا، اور اگر چند مرتبہ تم نے اس کی اس طرح ناقدری کی تو پھر یہ آنا بند کر دے گا۔ اور جب یہ مہمان آنا بند کر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سیاہ ہو گیا ہے۔ اس لئے جب کبھی اتباع سنت کا خیال آئے تو فوراً اس پر عمل کر لو۔ شروع شروع میں تھوڑی تکلیف ہوگی۔ لیکن آہستہ آہستہ جب عادت پڑ جائے گی، تو پھر آسان ہو جائے گا۔

زمزم کا پانی کس طرح پیا جائے؟

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَقَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَمْزَمَ، فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ. (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو زمزم کا پانی پلایا، تو آپ نے کھڑے ہو کر وہ زمزم پیا۔ اس حدیث کی وجہ سے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینے کے بجائے کھڑے ہو کر پینا افضل اور بہتر ہے، چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ دو پانی ایسے ہیں جو کھڑے ہو کر پینے چاہئیں۔ ایک زمزم کا پانی، اور ایک وضو کا بچا ہوا پانی، اس لئے کہ وضو سے بچا ہوا پانی پینا بھی مستحب ہے۔

لیکن دوسرے علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں پانی بھی بیٹھ کر پینے چاہئیں، جہاں تک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ اس میں حضور اقدس ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو زمزم کا کنواں۔ اور دوسرا اس پر لوگوں کا ہجوم، اور پھر کنویں کے چاروں طرف کیچڑ، قریب میں کہیں بیٹھنے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے پانی کھڑے ہو کر پیا۔

زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی بیٹھ کر پینا افضل ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق یہی تھی کہ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینا افضل ہے۔ اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی بھی بیٹھ کر پینا افضل ہے، البتہ عذر کے مواقع پر جس طرح عام پانی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے۔ اسی طرح زمزم اور وضو سے بچا ہوا پانی بھی کھڑے ہو کر پینا جائز

(۱) صحیح البخاری کتاب الحج، باب ما جاء في زمزم، رقم: ۱۵۲۹، صحیح مسلم، کتاب الاشربة باب في الشرب من زمزم قائما، رقم: ۳۷۷۶، سنن النسائي، کتاب مناسك الحج، باب الشرب من زمزم قائما، رقم: ۲۹۱۶، مسند أحمد رقم: ۲۱۷۴

ہے۔ عام طور پر لوگ یہ کرتے ہیں کہ اچھے خاصے بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن جب زمزم کا پانی دیا گیا تو ایک دم سے کھڑے ہو گئے، اور کھڑے ہو کر اس کو پیا، اتنا اہتمام کر کے کھڑے ہو کر پینے کی ضرورت نہیں، بلکہ بیٹھ کر پینا چاہئے، وہی افضل ہے۔

کھڑے ہو کر کھانا

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا. قَالَ قَتَادَةُ: فَقُلْنَا لِأَنَسٍ: فَلَا أَكُلُ؟ قَالَ: ذَالِكَ أَشْرٌ أَوْ أَخْبَثُ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کھڑے ہو کر کھانے کا کیا حکم ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر کھانا تو اس سے بھی زیادہ برا اور اس سے بھی زیادہ خبیث ہے یعنی کھڑے ہو کر پانی پینے کے مقابلے میں کھڑے ہو کر کھانا اس سے زیادہ برا ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کی بنیاد پر بعض علماء نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پینا تو مکروہ تنزیہی ہے۔ اور کھڑے ہو کر کھانا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ اس لئے کہ کھڑے ہو کر کھانے کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے زیادہ خبیث اور برا طریقہ فرمایا۔

کھڑے ہو کر کھانے سے بچنے

بعض لوگ کھڑے ہو کر کھانے کے جواز پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا کہ ہم حضور کے زمانے میں چلتے ہوئے بھی کھا لیتے تھے، اور کھڑے ہو کر پانی پی لیتے تھے۔ یہ حدیث لوگوں کو بہت یاد رہتی ہے، اور اس کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہو کر کھا لیتے تھے تو ہمیں کھڑے ہو کر کھانے سے کیوں منع کیا جا رہا ہے؟

خوب سمجھ لیں ابھی آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سن لی کہ کھڑے ہو کر کھانا زیادہ خبیث اور زیادہ برا طریقہ ہے، یعنی ایسا کرنا ناجائز ہے۔ اس حدیث سے مراد وہ کھانا ہے جو باقاعدہ کھایا جاتا ہے۔ جہاں تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جس کو باقاعدہ بیٹھ کر دسترخوان بچھا کر نہیں کھایا جاتا، بلکہ کوئی چھوٹی سی معمولی سی چیز ہے۔ مثلاً

(۱) صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب کراہیۃ الشرب قائما، رقم: ۳۷۷۶، مسند أحمد، رقم:

چاکلیٹ ہے۔ یا چھوڑا ہے۔ یا بادام وغیرہ یا کوئی پھل چکھنے کے طور پر کھالیا، اس میں چلتے پھرتے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جہاں تک دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے، لُنج اور ڈنر کا تعلق ہے کہ ان کو کھڑے ہو کر کھانا، اور کھڑے ہو کر کھانے کا باقاعدہ اہتمام کرنا کسی طرح جائز نہیں، آج کل کی دعوتوں میں کھڑے ہو کر کھانے کا طریقہ عام ہوتا جا رہا ہے اس سے بچنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ انسانوں کا طریقہ نہیں ہے، بلکہ جانوروں کا طریقہ ہے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو چرنے کا طریقہ ہے۔ کھانے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ کبھی ادھر سے چر لیا۔ کبھی ادھر سے چر لیا۔ اور پھر اس طریق میں بے تہمتی ہے، ناشائستگی بھی ہے اور مہمانوں کی بھی بے عزتی ہے، خدا کے لئے اس طریقے کو چھوڑنے کی فکر کریں۔ ذرا سے اہتمام کی ضرورت ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس طریقے میں کفایت شعاری ہے۔ اس لئے کہ کرسیوں کا کرایہ بچ جاتا ہے، اور کم جگہ پر زیادہ کام ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی سب جگہوں پر کفایت کر رکھی ہے۔ حالانکہ بلاوجہ چراغاں ہو رہا ہے، فضول لائٹنگ ہو رہی ہے۔ وہاں کفایت کا خیال نہیں آتا۔ اس کے علاوہ فضول رسموں میں بے پناہ رقم صرف کردی جاتی ہے۔ وہاں کفایت شعاری کا خیال نہیں آتا، ساری کفایت شعاری کا خیال کھڑے ہو کر کھانے میں آ جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سوائے فیشن پرستی کے اور کوئی مقصد اس میں نہیں ہوتا۔ اس لئے اہتمام کر کے اس سے بچیں، اور آج ہی اس بات کا عزم کر لیں کہ خواہ بٹھا کر کھلانے میں کتنا پیسہ زیادہ خرچ ہو جائے۔ مگر کھڑے ہو کر نہیں کھلائیں گے۔ اپنے یہاں سے اس طریقے کے رواج کو ختم کریں۔ تاکہ یہ خبیث طریقہ ہمارے یہاں سے نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



دعوت کے آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
((إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصِلْ، وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا
فَلْيَطْعَمْ)) (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی دعوت کی جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کر لے اب اگر وہ شخص روزے سے ہے تو اس کے حق میں دعا کر دے یعنی اس کے گھر جا کر سب کے حق میں دعا کر دے۔ اور اگر روزے سے نہیں ہے تو اس کے ساتھ کھانا کھالے۔

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے مسلمان کی دعوت قبول کرنے کی تاکید فرمائی۔ اور دعوت کے قبول کرنے کو مسلمانوں کے حقوق میں شمار فرمایا۔ ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ، رَدُّ السَّلَامِ، تَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ، إِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، اتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ)) (۲)

☆ اصلاحی خطبات (۲۵۶ تا ۶۳۲/۵) بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی۔ مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا یہ بیان علامہ نووی رحمہ اللہ کی ”ریاض الصالحین“ کے ایک حصہ (باب ما یقولہ من حضر الطعام وهو صائم إذا لم یفطر) کا درس ہے۔ ریاض الصالحین، ص: ۲۶۴

(۱) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الامر باجابة الداعی الی دعوة، رقم: ۲۵۸۴، سنن ابی داؤد،

کتاب الصوم، باب فی الصائم یدعی الی ولیمة، رقم: ۲۱۰۴، مسند أحمد، رقم: ۱۰۱۸۰

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز، رقم: ۱۱۶۴، صحیح مسلم، کتاب

السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، رقم: ۴۰۲۲، مسند أحمد، رقم: ۱۰۵۴۳

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں، نمبر ایک، اس کے سلام کا جواب دینا، دوسرے، اگر کسی کو چھینک آئے، تو اس کے جواب میں ”یرحمک اللہ“ کہنا، تیسرے، اگر کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے جانا۔ چوتھے، اس کے جنازے کے ساتھ چلنا۔ پانچویں اگر کوئی مسلمان بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنا۔ حضور ﷺ نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر یہ پانچ حقوق بیان فرمائے۔ ان میں سے ایک حق دعوت قبول کرنے کا بھی ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کو دعوت دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہئے۔

دعوت قبول کرنے کا مقصد

اور اس نیت سے دعوت قبول کرنا چاہئے کہ یہ میرا بھائی ہے، اور یہ مجھے محبت سے بلا رہا ہے۔ اس کی محبت کی قدر دانی ہو جائے، اور اس کا دل خوش ہو جائے۔ دعوت قبول کرنا سنت ہے، اور باعث اجر و ثواب ہے۔ یہ نہ ہو کہ کھانا اچھا ہو تو قبول کر لے، اور کھانا اچھا نہ ہو تو قبول نہ کرے، بلکہ دعوت قبول کرنے کا مقصد اور منشا یہ ہو کہ میرے بھائی کا دل خوش ہو جائے، چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ

((وَلَوْ دُعِيتُ إِلَى ذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ)) (۱)

یعنی اگر کوئی شخص بکری کے پائے کی بھی دعوت کرے گا تو میں قبول کر لوں گا آج کل اگرچہ پائے کی دعوت کو عمدہ سمجھا جاتا ہے، لیکن اس زمانے میں پائے کو بہت معمولی چیز سمجھا جاتا تھا۔ لہذا دعوت دینے والا مسلمان غریب ہی کیوں نہ ہو، تم اس کی دعوت اس نیت سے قبول کر لو کہ یہ میرا بھائی ہے، اس کا دل خوش ہو جائے، غریب اور امیر کا فرق نہ ہونا چاہئے کہ اگر امیر آدمی دعوت دے رہا ہو تب تو قبول کر لی جائے، اور اگر کوئی معمولی حیثیت کا غریب آدمی دعوت دے رہا ہے تو اس کو ٹال دیا۔ بلکہ غریب آدمی اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس دعوت قبول کی جائے۔

دال اور خشکے میں نورانیت

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے کئی بار یہ واقعہ سنا کہ دیوبند میں ایک صاحب گھسارے تھے، یعنی گھاس کاٹ کر بازار میں فروخت کرتے، اور اس کے ذریعہ اپنا گزر

(۱) صحیح البخاری، کتاب الہبة و فضلہا والتحریر علیہا، باب القلیل من الہبة، رقم: ۲۳۸۰،

سنن الترمذی، کتاب الاحکام عن رسول اللہ، باب ما جاء فی قبول الہدیۃ واجابة الدعوة،

رقم: ۱۲۵۸، مسند أحمد، رقم: ۱۰۲۳۹

بسر کرتے تھے، اور ایک ہفتہ میں ان کی آمدنی چھ پیسے ہوتی تھی۔ اکیلے آدمی تھے، اور اس آمدنی کو وہ اس طرح تقسیم کرتے تھے کہ اس میں سے دو پیسے اپنے کھانے وغیرہ پر خرچ کرتے تھے، اور دو پیسے اللہ کی راہ میں صدقہ کیا کرتے تھے، اور دو پیسے جمع کرتے تھے، اور ایک دو ماہ کے بعد جب کچھ پیسے جمع ہو جاتے تو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے جو بڑے بزرگ اساتذہ تھے۔ ان کی دعوت کیا کرتے تھے، اور دعوت میں خشک چاول ابال لیتے، اور اس کے ساتھ دال پکا لیتے، اور اساتذہ کو کھلا دیتے تھے۔ میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں پورے مہینے ان صاحب کی دعوت کا انتظار رہتا ہے، اس لئے کہ ان صاحب کے خشکے اور دال کی دعوت میں جو نورانیت محسوس ہوتی ہے، وہ نورانیت پلاؤ اور بریانی کی بڑی بڑی دعوتوں میں محسوس نہیں ہوتی۔

دعوت کی حقیقت ”محبت کا اظہار“

لہذا دعوت کی حقیقت ”محبت کا اظہار“ ہے، اور اس کے قبول کرنے کی بھی حقیقت ”محبت کا اظہار“ ہے اگر محبت سے کسی نے تمہاری دعوت کی ہے۔ محبت سے تم قبول کرلو، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ کبھی کسی کی دعوت کو رد نہیں فرماتے، دعوت دینے والا چاہے کوئی معمولی آدمی کیوں نہ ہوتا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات معمولی شخص کی دعوت پر آپ نے میلوں کا سفر کیا، تو دعوت کی حقیقت یہ ہے کہ محبت سے کی جائے، اور محبت سے قبول کی جائے، اخلاص سے دعوت کی جائے، اخلاص سے قبول کی جائے، تب یہ دعوت نورانیت رکھتی ہے، سنت ہے، اور باعث اجر و ثواب ہے۔

دعوت یا عداوت

لیکن آج کل ہماری دعوتیں رسموں کے تابع ہو کر رہ گئی ہیں۔ رسم کے موقع پر دعوت ہوگی، اس کے علاوہ نہیں ہوگی، اور اگر دعوت قبول کرے تو مصیبت، قبول نہ کرے تو مصیبت، اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت ہو، عداوت نہ ہو، یعنی ایسا طریقہ اختیار کرو کہ وہ دعوت اس کے لئے عذاب اور مصیبت بن جائے، جیسا بعض لوگ کرتے ہیں، ان کے دماغ میں یہ بات آگئی کہ فلاں کی دعوت کرنی چاہئے، نہ اس بات کا خیال کیا کہ ان کے پاس وقت ہے یا نہیں؟ مگر بار بار دعوت قبول کرنے پر اصرار کروا رہے ہیں، چاہے اس دعوت کی خاطر کتنی ہی مصیبت اٹھانی پڑے۔ یہ دعوت نہیں، بلکہ یہ تو اس کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہے۔ اگر دعوت کے ذریعہ تم اس کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہو تو اس محبت کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ جس کی دعوت کر رہے ہو، اس کو راحت پہنچانے کی فکر

ہو، اس کو آرام پہنچانے کی فکر کرو، نہ یہ کہ اس پر مصیبت ڈال دو۔

اعلیٰ درجے کی دعوت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت کی تین قسمیں ہوتی ہیں، ایک سب سے اعلیٰ۔ دوسرے متوسط، تیسرے ادنیٰ۔ آج کل کے ماحول میں سب سے اعلیٰ دعوت یہ ہے کہ جس کی دعوت کرنی ہو، اس کو جا کر نقد ہدیہ پیش کر دو، اور نقد ہدیہ پیش کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کو کوئی تکلیف تو اٹھانی نہیں پڑے گی، اور پھر نقد ہدیہ میں اس کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے اس کو کھانے پر صرف کرے۔ اور یا کسی اور ضرورت میں صرف کرے، اس سے اس شخص کو زیادہ راحت اور زیادہ فائدہ ہو گا، اور تکلیف اس کو ذرہ برابر بھی نہیں ہوگی، اس لئے یہ دعوت سب سے اعلیٰ ہے۔

متوسط درجے کی دعوت

دوسرے نمبر کی دعوت یہ ہے کہ جس شخص کی دعوت کرنا چاہتے ہو، کھانا پکا کر اس کے گھر بھیج دو۔ یہ دوسرے نمبر پر اس لئے ہے کہ کھانے کا قصہ ہوا اس کو کھانے کے علاوہ کوئی اور اختیار نہیں رہا، البتہ اس کھانے پر اس کو کوئی زحمت اور تکلیف نہیں اٹھانی پڑی۔ آپ نے گھر بلانے کی زحمت اس کو نہیں دی بلکہ گھر پر ہی کھانا پہنچا دیا۔

ادنیٰ درجے کی دعوت

تیسرے نمبر کی دعوت یہ ہے کہ اس کو اپنے گھر بلا کر کھانا کھلاؤ۔ آج کل کے شہری ماحول میں، جہاں زندگیاں مصروف ہیں، فاصلے زیادہ ہیں، اس میں اگر آپ کسی شخص کو دعوت دیں۔ اور وہ تیس میل کے فاصلے پر رہتا ہے۔ تو آپ کی دعوت قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دو گھنٹے پہلے گھر سے نکلے، پچاس روپے خرچ کرے۔ اور پھر تمہارے یہاں آ کر کھانا کھائے۔ تو یہ آپ نے اس کو راحت پہنچائی یا تکلیف میں ڈال دیا؟ لیکن اگر اس کے بجائے کھانا پکا کر اس کے گھر بھیج دیتے۔ یا اس کو نقد رقم دے دیتے، اس میں اس کے ساتھ زیادہ خیر خواہی ہوتی۔

دعوت کا انوکھا واقعہ

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے بہت گہرے دوستوں میں سے تھے، لاہور میں قیام تھا، ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے تو

دارالعلوم کورنگی میں حضرت والد صاحب سے ملنے کے لئے بھی تشریف لائے، چونکہ اللہ والے بزرگ تھے، اور والد صاحب کے بہت مخلص دوست تھے۔ اس لئے ان کی ملاقات سے والد صاحب بہت خوش ہوئے، صبح دس بجے کے قریب دارالعلوم پہنچے تھے۔ والد صاحب نے ان سے پوچھا کہ کہاں قیام ہے؟ فرمایا کہ آگرہ کالونی میں ایک صاحب کے یہاں قیام ہے۔ کب واپس تشریف لے جائیں گے؟ فرمایا کل انشاء اللہ واپس لاہور روانہ ہو جاؤں گا، بہر حال، کچھ دیر بات چیت اور ملاقات کے بعد جب واپس جانے لگے تو والد صاحب نے ان سے فرمایا: بھائی مولوی ادریس، تم اتنے دنوں کے بعد یہاں آئے ہو، میرا دل چاہتا ہے کہ تمہاری دعوت کروں۔ لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہارا قیام آگرہ تاج کالونی میں ہے۔ اور میں یہاں کورنگی میں رہتا ہوں، اب اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ فلاں وقت میرے یہاں آ کر کھانا کھائیں۔ تب تو آپ کو میں مصیبت میں ڈال دوں گا، اس لئے کل آپ کو واپس جانا ہے۔ کام بھی بہت سے ہوں گے، اس لئے دل اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ آپ کو دوبارہ یہاں آنے کی تکلیف دوں۔ لیکن یہ بھی مجھے گوارہ نہیں ہے کہ آپ تشریف لائیں۔ اور بغیر دعوت کے آپ کو روانہ کر دوں۔ اس لئے میری طرف سے دعوت کے بدلے یہ سو روپے ہدیہ رکھ لیں۔ مولانا محمد ادریس صاحب نے وہ سو روپے کا نوٹ اپنے سر رکھ لیا، اور فرمایا کہ یہ تو آپ نے مجھے بہت بڑی نعمت عطا فرمادی، آپ کی دعوت کا شرف بھی حاصل ہو گیا، اور کوئی تکلیف بھی اٹھانی نہیں پڑی۔ اور پھر اجازت لے کر روانہ ہو گئے۔

محبت کا تقاضا ”راحت رسائی“

یہ ہے بے تکلفی، اور راحت رسائی۔ حضرت مفتی صاحب کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ یہ کہتا کہ ”یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ لاہور سے کراچی تشریف لائیں، اور میرے گھر دعوت کھائے بغیر چلے جائیں، اس وقت آپ واپس جائیں اور دوسرے وقت تشریف لائیں۔ اور کھانا کھا کر جائیں۔ چاہے اس کے لئے سو مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ مولانا ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ کوئی اور ہوتا وہ کہتا کہ میں تمہاری دعوت کا بھوکا ہوں، میں فقیر ہوں، جو تم مجھے پیسے دے رہے ہو کہ اس کا کھانا کھا لینا۔

یاد رکھو! محبت کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ جس سے محبت کی جارہی ہے، اس کو راحت اور آرام پہنچانے کی کوشش کی جائے، نہ یہ کہ اس کو تکلیف میں ڈالا جائے۔ میرے بڑے بھائی ذکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ ان کے درجے بلند فرمائے، شعر بہت اچھے کہا کرتے تھے، ان کا ایک بہت خوبصورت شعر ہے:

میرے محبوب میری ایسی وفا سے تو بہ
جو تیرے دل کی کدورت کا سبب بن جائے

ایسی وفاداری، اور ایسا اظہار محبت جس سے تکلیف ہو، جس سے دل میں کدورت پیدا ہو جائے، میں ایسی وفاداری اور محبت سے تو بہ کرتا ہوں۔ جب بھائی صاحب نے یہ شعر کہا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے اس شعر نے بدعت کی جڑ کاٹ دی، اس لئے ساری بدعات اسی سے پیدا ہوتی ہیں کہ آدمی اپنی طرف سے وفاداری کے طریقے گھڑ کر اس پر عمل شروع کر دیتا ہے، اور اس کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وفاداری کا طریقہ میرے محبوب کے دل کی کدورت کا سبب بن رہا ہے۔

دعوت کرنا ایک فن ہے

بہر حال، دعوت کرنا بھی ایک فن ہے، ایسی دعوت کرو جس سے واقعی راحت پہنچے، جس سے آرام ملے، نہ یہ کہ دوسرے کے لئے تکلیف کا سبب بن جائے۔ دوسرے یہ کہ دعوت کا منشا تو محبت کا اظہار ہے، محبت کا تقاضے پر عمل کرنا ہے۔ اس دعوت کا رسموں سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً یہ رسم ہے کہ عقیقے کے موقع پر دعوت کی جاتی ہے، یا تیجے دسویں اور چالیسویں کے موقع پر دعوت کی جاتی ہے، اس رسم کے موقع پر دعوت کریں گے، فلاں کو بلائیں گے۔ یاد رکھئے، ان رسمی دعوتوں کا حضور ﷺ کی سنت سے کوئی تعلق نہیں، دعوت تو وہ ہے کو کھلے دل سے کسی قید اور شرط کے بغیر، کسی رسم کے بغیر آدمی دوسرے کی دعوت کرے۔

یہ باتیں تو دعوت کرنے کے بارے میں تھیں، جہاں تک دعوت قبول کرنے کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے کہ اس کی دعوت قبول کرے، لیکن دعوت قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دعوت قبول کرنے والے کے پیش نظر اس کی محبت اور قدر دانی ہو، اور اس کے پیش نظر یہ نہ ہو کہ اگر میں اس دعوت میں شریک نہیں ہوا تو خاندان میں میری ناک کٹ جائے گی، اگر اس خیال کے ساتھ شریک ہوا تو پھر وہ دعوت قبول کرنا مسنون نہیں رہے گا، یہ دعوت مسنون اس وقت ہوگی جب شرکت سے پیش نظر یہ ہو کہ میرے جانے سے اس کا دل خوش ہو جائے گا۔

دعوت قبول کرنے کی شرط

پھر دعوت قبول کرنے کی ایک شرط ہے، وہ یہ کہ دعوت قبول کرنا اس وقت سنت ہے جب اس دعوت قبول کرنے کے نتیجے میں آدمی کسی معصیت اور گناہ میں مبتلا نہ ہو، مثلاً ایک ایسی جگہ کی دعوت قبول کر لی جہاں گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہو رہا ہے، اب ایک سنت پر عمل کرنے کے لئے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا جا رہا ہے، ایسی دعوت قبول کرنا سنت نہیں۔ آج کل کی اکثر دعوتیں ایسی ہیں جن میں یہ

مصیبت پائی جاتی ہے، ان میں معصیتیں ہو رہی ہیں، منکرات ہو رہی ہیں، گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ شادی کے کارڈ پر لکھا ہوتا ہے ”ولیمہ مسنونہ“ یہ تو معلوم ہے کہ ولیمہ کرنا سنت ہے۔ لیکن کس طرح یہ ولیمہ مسنونہ کیا جائے؟ اس کا کیا طریقہ ہے یہ معلوم نہیں۔ چنانچہ ولیمہ مسنونہ کے اندر بے پردگی ہو رہی ہے، مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہے، گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے۔

کب تک ہتھیار ڈالو گے؟

یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ ہم لوگ ان رسموں اور گناہوں کے سامنے ہتھیار ڈالتے جا رہے ہیں، اور ہتھیار ڈالتے ڈالتے اب اس مقام تک پہنچ گئے کہ مفاسد، گناہ، منکرات معاشرے میں پھیل کر رائج ہو گئے ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی اللہ کا بندہ اسٹینڈ لے کر خاندان والوں سے یہ کہتا ہے کہ اگر اس گناہ کا ارتکاب ہوگا تو میں اس دعوت میں شریک نہیں ہوں گا، تو اس بات کی امید تھی کہ اتنی تیزی سے منکرات نہ پھیلتے، آج جب لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جس دعوت میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہو، اس میں شریک مت کرو، تو لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر ہم نے شرکت نہ کی تو خاندان سے اور معاشرے سے کٹ جائیں گے، میں کہتا ہوں اگر گناہوں سے بچنے کے لئے اللہ کی خاطر خاندان سے کٹنا پڑے تو کٹ جاؤ، یہ کتنا تمہارے لیے مبارک ہے، اور اگر کوئی تمہاری دعوت کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ تمہارے اصول کا بھی کچھ خیال کرے، جو شخص تمہارے اصول کا خیال نہیں رکھتا اس کی دعوت قبول کرنا تمہارے ذمے کوئی ضروری نہیں۔

اگر ایک مرتبہ کچھ لوگ اسٹینڈ لے لیں۔ اور اپنے خاندان والوں سے صاف صاف کہہ دیں کہ ہم مردوں اور عورتوں کی مخلوط دعوتوں میں شریک نہیں ہوں گے، اگر ہمیں بلانا چاہتے ہو تو مردوں اور عورتوں کا انتظام الگ کرو، پھر دیکھو گے کہ کچھ عرصہ کے اندر اس کی بہت اصلاح ہو سکتی ہے، ابھی یہ سیلاب اتنا آگے نہیں بڑھا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو آدمی دین پر عمل کرنا چاہتا ہے، وہ یہ بات کہی تو لوگ بیک ورڈ سمجھیں گے پسماندہ اور جعت پسند سمجھیں گے۔ اور اس کے برخلاف جو شخص بے دینی اور آزادی کے راستے پر چلتا ہے، وہ سینہ تان کر فخر کے ساتھ اپنی آزادی اور بے دینی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اب تو شادی اور دیگر تقریبات کی دعوتوں میں یہاں تک نوبت آ گئی ہے، کہ نوجوان لڑکیاں مردوں کے سامنے رقص کرنے لگی ہیں، مگر پھر بھی ایسی دعوتوں میں لوگ شریک ہو رہے ہیں، کہاں تک اس سیلاب میں بہتے جاؤ گے؟ اگر یہی سلسلہ چلتا رہا تو کوئی بعید نہیں کہ مغربی تہذیب کی لعنتیں ہمارے معاشرے پر بھی پوری طرح مسلط ہو جائیں۔ کوئی حد تو ہوگی جہاں جا کر تمہیں رکنا پڑے گا۔ اس لئے اپنے لئے کچھ ایسے اصول بنا لو، مثلاً جس دعوت میں کھلے منکرات کا ارتکاب ہوگا وہاں ہم شریک نہیں

ہوں گے۔ یا جس دعوت میں مخلوط اجتماع ہوگا، ہم شریک نہیں ہوں گے، اگر اب بھی اللہ کے کچھ بندے اسٹینڈ لیں تو اس سیلاب پر بند لگ سکتا ہے۔

پردہ دار خاتون اچھوت بن جائے؟

بعض اوقات لوگ یہ سوچتے ہیں کہ تقریبات میں پردہ کرنے والی عورتیں اکادکا ہوتی ہیں، تو ان کے لئے ہم علیحدہ انتظام کر دیں گے۔ ذرا سوچو، کیا تم اس پردہ دار خاتون کو اچھوت بنانا چاہتے ہو؟ وہ سب سے الگ اچھوت بن کر بیٹھی رہے، اگر ایک بے پردہ عورت ہے، وہ اگر مردوں سے الگ پردہ میں ہو جائے تو اس کا کیا نقصان ہوا؟ لیکن ایک پردہ دار سے بے پردہ ہو کر مردوں کے سامنے چلی جائے گی تو اس کا تو دین غارت ہو جائے گا، اس لئے مردوں اور عورتوں کے الگ انتظام کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہے، بس صرف توجہ دینے کی بات ہے، صرف اہتمام کرنے اور اس پر ڈٹ جانے کی بات ہے۔

دعوت قبول کرنے کا شرعی حکم

اور شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جس دعوت کے بارے میں پہلے سے یہ معلوم ہو کہ اس دعوت میں فلاں گناہ کبیرہ ارتکاب ہوگا اور اندیشہ یہ ہو کہ میں بھی اس گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، اس دعوت میں شرکت کرنا جائز نہیں، اور جس دعوت کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اس دعوت میں فلاں گناہ تو ہوگا۔ لیکن میں اپنے آپ کو اس گناہ سے بچا لوں گا، ایسی دعوت میں عام آدمی کو شرکت کی گنجائش ہے۔ لیکن جس آدمی کے لئے کسی حال میں بھی ایسی دعوت میں شرکت کرنا جائز نہیں۔ اور یہ دعوت قبول کرنے کا اہم اصول ہے، دعوت قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی اس کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب کرے۔

دعوت کے لئے نفلی روزہ توڑنا

اس حدیث میں حضور ﷺ نے یہ بھی فرما دیا کہ جس شخص کی دعوت کی گئی ہے، اگر وہ روزہ دار ہے، اور روزے کی وجہ سے کھانا نہیں کھا سکتا تو وہ میزبان کے حق میں دعا کر دے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے تو بعض احادیث کی روشنی میں یہاں تک لکھا ہے کہ اگر نفلی روزہ کسی نے رکھا ہے، اور اس کی کسی مسلمان نے دعوت کر دی، تو اب مسلمان کی دعوت قبول کرنے کے لئے اور اس کا دل خوش کرنے کے لئے نفلی روزہ توڑ دے تو اس کی بھی اجازت ہے، بعد میں اس روزے کی قضا کر لے۔ لیکن اگر روزہ توڑنا نہیں چاہتا تو کم از کم اس کے حق میں دعا کر دے۔

بن بلائے مہمان کا حکم

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْبَدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ دَعَا رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَطْعَامٍ صَنَعَهُ لَهُ، خَامِسَ خُمُسِهِ، فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ، فَلَمَّا بَلَغَ الْبَابَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَذَا تَبِعَنَا فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَأْذَنَ وَالْأَرْجَعُ، قَالَ: بَلْ أَذْنُ لَهُ، يَا رَسُولَ اللَّهِ. (۱)

حضرت ابو مسعود البدري رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، اور آپ کے ساتھ چار افراد کی بھی دعوت کی، سادگی کا زمانہ تھا، اس لئے بسا اوقات جب کوئی شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کرتا تو عام طور پر وہ حضور سے یہ بھی کہہ دیتا کہ آپ اپنے ساتھ مزید تین افراد کو بھی لے آئیں۔ یا چار افراد کو لے آئیں۔ چنانچہ ان صاحب نے پانچ افراد کی دعوت کی تھی۔ ایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعوت میں جانے لگے تو ایک صاحب اور ساتھ ہوئے، جیسے بزرگوں کے بعض معتقدین ہوتے ہیں کہ جو بزرگوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میزبان کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے میزبان سے فرمایا کہ یہ صاحب ہمارے ساتھ آگئے ہیں، ان کو آپ نے دعوت نہیں دی تھی، اب اگر آپ کی اجازت ہو تو یہ اندر آ جائیں، اگر اجازت نہ ہو تو یہ واپس چلے جائیں، میزبان نے کہا: یا رسول اللہ، میں اجازت دیتا ہوں، آپ ان کو بھی اندر لے آئیں۔

وہ شخص چور اور لٹیرا ہے

اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ جب کسی کے گھر دعوت میں شرکت کے لئے جاؤ، اور اتفاق سے کوئی ایسا شخص تمہارے ساتھ اس دعوت میں آ گیا جس کو دعوت نہیں دی گئی تو میزبان کو اس کے آنے کی اطلاع کر دو، اور پھر اس کی اجازت کے بعد اس کو دعوت میں شریک کرو، کیونکہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی دعوت میں بن بلائے شرکت کر لے تو وہ شخص چور بن کر داخل ہوا، اور لٹیرا بن کر نکلا۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب ما قیل فی اللحام و الجزار، رقم: ۱۹۳۹، صحیح مسلم،

کتاب الاشربة، باب ما یفعل الضیف اذا تبعه غیر من دعاه صاحب الطعام، رقم: ۳۷۹۷، مسند

میزبان کے بھی حقوق ہیں

درحقیقت حضور اقدس ﷺ کی یہ تعلیم ایک بہت بڑے اصول کی نشان دہی کرتی ہے، جس کو ہم نے بھلا دیا ہے، وہ یہ کہ ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا مہمان بن جائے تو میزبان پر بے شمار حقوق عائد ہو جاتے ہیں کہ وہ اس کا اکرام کرے، اس کی خاطر مدارات کرے وغیرہ، لیکن اس حدیث کے ذریعہ سے حضور اقدس ﷺ نے یہ بتا دیا کہ جس طرح مہمان کے حقوق میزبان پر ہیں، اسی طرح میزبان کے بھی کچھ حقوق مہمان پر ہیں، ان میں سے ایک حق ہے کہ مہمان میزبان کو بلا وجہ تکلیف نہ دے، مثلاً یہ کہ مہمان ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائے جن کی دعوت نہیں ہے، جیسے آج کل کے بعض پیروں، فقیروں کے یہاں ہوتا ہے کہ جس کسی نے پیر صاحب کی دعوت کی تو اب پیر صاحب اکیلے نہیں جائیں گے، بلکہ ان کے ساتھ ایک لشکر بھی میزبان کے گھر پر حملہ آور ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس میزبان کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اتنے مہمان آئیں گے، جب اچانک وقت پر اتنا بڑا لشکر پہنچ جاتا ہے تو اب میزبان کے لئے ایک مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایسا شخص چور بن کر داخل ہوا، اور لٹیرا بن کر نکلا۔ البتہ جہاں بے تکلفی کا معاملہ ہو، اور یقین سے یہ بات معلوم ہو کہ اگر میں اس کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا تو میزبان زیادہ خوش ہو جائے گا۔ ایسے مواقع پر ساتھ لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ جہاں ذرا بھی تکلیف پہنچنے کا احتمال ہو، وہاں پہلے سے بتانا واجب ہے۔

پہلے سے اطلاع کرنی چاہئے

اسی طرح میزبان کا ایک حق یہ ہے کہ جب تم کسی کے یہاں مہمان بن کر جانا چاہتے ہو تو پہلے سے اس کو اطلاع کر دو، یا کم از کم ایسے وقت میں جاؤ، کہ وہ کھانے کا انتظام آسانی کے ساتھ کر سکے، کیونکہ تم عین کھانے کے وقت کسی کے گھر پہنچ گئے تو اس کو فوری طور پر کھانے کا انتظام کرنے میں تکلیف اور مشقت ہوگی۔ لہذا ایسے وقت میں جانا ٹھیک نہیں، یہ میزبان کا حق ہے۔

مہمان بلا اجازت روزہ نہ رکھے

حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات پر قربان جائے کہ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی مہمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ میزبان کو بتائے بغیر روزہ رکھے، اس لئے کہ جب تم نے اس کو بتایا نہیں کہ آج میں روزہ رکھوں گا، اس کو تو یہ معلوم ہے کہ تم اس کے مہمان ہو، اس لئے وہ تمہارے لئے

ناشتے کا بھی انتظام کرے گا۔ دوپہر کے کھانے کا بھی انتظام کرے گا، پھر جب اس نے سب انتظام کر لیا تو عین وقت پر تم نے اس سے کہا کہ میرا تو روزہ ہے، اس کی محنت بے کار گئی، اس کے مصارف بے کار گئے، اور اس کو تم نے تکلیف بھی پہنچائی، اس لئے حکم یہ ہے کہ میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا جائز نہیں۔ لہذا جس طرح مہمان کے حقوق ہیں، اسی طرح میزبان کے بھی حقوق ہیں۔

مہمان کو کھانے کے وقت پر حاضر رہنا چاہئے

یا مثلاً میزبان کے یہاں کھانے کا وقت مقرر ہے، اور تم اس وقت غائب ہو گئے۔ اور وہ تم کو تلاش کرتا پھر رہا ہے، اور اب وہ بے چارہ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتا، اس لئے اصول یہ ہے کہ مہمان کو چاہئے کہ اگر کسی وقت کھانا نہ کھانا ہو، یا دیر ہو جانے کا امکان ہو تو پہلے سے میزبان کو بتا دو کہ آج میں کھانے پر دیر سے آؤں گا۔ تاکہ اس کو تلاش اور انتظام کی تکلیف نہ ہو۔

میزبان کو تکلیف دینا گناہ کبیرہ ہے

دین صرف نماز روزے کا اور ذکر و تسبیح کا نام نہیں، یہ سب باتیں دین کا حصہ ہیں۔ ہم نے اس کو دین سے خارج کر دیا، بڑے بڑے دین دار، بڑے بڑے تہجد گزار، اشراق اور چاشت پڑھنے والے بھی معاشرت کے ان آداب کا لحاظ نہیں کرتے، جس کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یاد رکھو، اگر ان آداب کا لحاظ نہ کرنے کے نتیجے میں میزبان کو تکلیف ہوگی تو ایک مسلمان کو تکلیف کا گناہ کبیرہ اس مہمان کو ہوگا۔

میرے والد ماجد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان کو اپنے قول یا فعل سے تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے، جیسے شراب پینا، چوری کرنا، زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے، لہذا اگر تم نے اپنے کسی عمل سے میزبان کو تکلیف میں مبتلا کر دیا تو ایذا مسلم ہوئی، یہ سب گناہ کبیرہ ہے، یہ ساری باتیں اس اصول میں داخل ہیں، جو حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث میں بتا دیا، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.



لباس کے شرعی اصول و آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
﴿يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِي سَوَاتِيَكُمْ وَرِيْشًا، وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ
ذَلِكَ خَيْرٌ﴾ (۱)

جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں، لہذا ان کا تعلق ہماری معاشرت اور رہن سہن کے ہر حصے سے ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اسلام کی تعلیمات سے خالی نہیں۔ ”لباس“ بھی زندگی کے گوشوں میں سے اہم گوشہ ہے۔ اس لئے قرآن و سنت نے اس کے بارے میں بھی تفصیلی ہدایات دی ہیں۔

موجودہ دور کا پروپیگنڈہ

آج کل ہمارے دور میں یہ پروپیگنڈہ بڑی کثرت سے کیا گیا ہے کہ لباس تو ایسی چیز ہے جس کا ہر قوم اور ہر وطن کے حالات سے تعلق ہوتا ہے، اس لئے آدمی اگر اپنی مرضی اور ماحول کے مطابق کوئی لباس اختیار کر لے تو اس کے بارے میں شریعت کو بیچ میں لاتا اور شریعت کے احکام سنانا تنگ نظری کی بات ہے۔ اور یہ جملہ تو لوگوں سے بکثرت سننے میں آتا ہے کہ ان مولویوں نے اپنی طرف سے قیدیں شرطیں لگا دی ہیں، ورنہ دین میں تو بڑی آسانی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے تو دین میں اتنی پابندیاں نہیں لگائی ہیں، مگر ان ملاؤں نے اپنی طرف سے گھڑ کر یہ پابندیاں عائد کر رکھی ہیں، اور یہ ان

☆ اصلاحی خطبات (۵/۲۵۸ تا ۳۱۵) جامع مسجد بیت المکرم، کراچی۔ مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا یہ بیان علامہ نووی رحمہ اللہ کی ”ریاض الصالحین“ کے ایک حصہ (کتاب اللباس، باب استحباب الثوب الأبيض وجواز الأحمر والأخضر والأصفر والأسود وجوازه من قطن وكتان وشعر وصوف وغيرها إلا الحرير) کا درس ہے۔ ریاض الصالحین، ص: ۲۷۳

ملاؤں کی تنگ نظری کی دلیل ہے، اور اس تنگ نظری کے نتیجے میں انہوں نے خود بھی بہت سی باتوں کو چھوڑ رکھا ہے اور دوسروں سے بھی چھڑا رکھا ہے۔

ہر لباس اپنا اثر رکھتا ہے

خوب سمجھ لیجئے لباس کا معاملہ اتنا سادہ اور اتنا آسان نہیں ہے کہ آدمی جو چاہے لباس پہنتا رہے اور اس لباس کی وجہ سے اس کے دین پر، اس کے اخلاق پر، اس کی زندگی پر اس کے طرز عمل پر کوئی اثر واقع نہ ہو۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے جس کو شریعت نے تو ہمیشہ بیان فرمایا، اور اب نفسیات اور سائنس کے ماہرین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ انسان کے لباس کا اس کی زندگی پر، اس کے اخلاق پر، اس کے کردار پر بڑا اثر واقع ہوتا ہے۔ لباس محض ایک کپڑا نہیں ہے جو انسان نے اٹھا کر پہن لیا، بلکہ یہ لباس انسان کے طرز فکر پر، اس کی سوچ پر، اس کی ذہنیت پر اثر انداز ہوتا ہے، اس لئے اس لباس کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جبہ کا اثر

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے، اس وقت وہ ایک بہت شاندار جبہ پہنے ہوئے تھے، جب خطبہ سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے گئے تو اس جبہ کو جا کر اتار دیا اور فرمایا کہ میں آئندہ اس جبہ کو نہیں پہنوں گا، اس لئے کہ اس جبہ کو پہننے سے میرے دل میں بڑائی اور تکبر کا احساس پیدا ہو گیا، اس لئے میں آئندہ اس کو نہیں پہنوں گا۔ حالانکہ وہ جبہ بذات خود ایسی چیز نہیں تھی جو حرام ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ جن حضرات کی طبیعتوں کو آئینے کی طرح شفاف بناتے ہیں، ان کو ذرا سی باتیں بھی بری لگتی ہیں، اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے ایک کپڑا داغ دار ہے اور اس کپڑے پر ہر جگہ دھبے ہی دھبے لگے ہوئے ہیں، اس کے بعد اس کپڑے پر ایک داغ اور لگ جائے تو اس کپڑے پر کوئی اثر ظاہر نہ ہوگا۔ ہمارا بھی یہی حال ہے کہ ہمارا سینہ داغوں اور دھبوں سے بھرا ہوا ہے، اس لئے اگر خلاف شریعت کوئی بات ہو جاتی ہے تو اس کی ظلمت اور اس کی تاریکی اور اس کے وبال کا احساس نہیں ہوتا، لیکن جس حضرات کے سینوں کو اللہ تعالیٰ آئینے کی طرح شفاف بناتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سفید صاف شفاف کپڑا ہو، اس پر اگر ذرا سا بھی داغ لگ جائے گا تو وہ داغ بہت نمایاں نظر آئے گا، اسی طرح اللہ والوں کے دل صاف شفاف ہوتے ہیں، ان پر ذرا سی بھی چھینٹ پڑ جائے تو ان کو ناگوار ہوتی ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ لباس کا اثر انسان کے اخلاق و کردار پر اور اس کی زندگی پر بھی پڑتا ہے۔ اس لئے

لباس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، اور لباس کے بارے میں شریعت کے جو اصول ہیں وہ سمجھ لینے چاہئیں اور ان کی پیروی کرنی بھی ضروری ہے۔

آج کل کا ایک اور پروپیگنڈہ

آج کل یہ جملہ بھی بہت کثرت سے سننے میں آتا ہے کہ اس ظاہری لباس میں کیا رکھا ہے، دل صاف ہونا چاہئے اور ہمارا دل صاف ہے ہماری نیت اچھی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق قائم ہے، سارے کام تو ہم ٹھیک کر رہے ہیں، اب اگر ذرا سا لباس بدل دیا تو اس میں کیا حرج ہے؟ کیونکہ دین ظاہر کا نام نہیں بلکہ باطن کا نام ہے، دین جسم کا نام نہیں بلکہ روح کا نام ہے، شریعت کی روح دیکھنی چاہئے، دین کی روح کو سمجھنا چاہئے۔ آج کل اس قسم کے جملے بہت کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں اور پھیلانے جارہے ہیں اور فیشن بن گئے ہیں۔

ظاہر اور باطن دونوں مطلوب ہیں

خوب یاد رکھئے، دین کے احکام روح پر بھی ہیں اور جسم پر بھی ہیں، باطن پر بھی ہیں اور ظاہر پر بھی ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَذَرُوا ظَاهِرَ الْأَسْمِ وَبَاطِنَهُ﴾ (۱)

یعنی ظاہر کے گناہ بھی چھوڑ دو اور باطن کے گناہ بھی چھوڑ دو، صرف یہ نہیں کہا کہ باطن کے گناہ چھوڑ دو۔ خوب یاد رکھئے، جب تک ظاہر خراب ہے تو پھر یہ شیطان کا دھوکہ ہے کہ باطن ٹھیک ہے، اس لئے کہ ظاہر اسی وقت خراب ہوتا ہے جب اندر سے خراب ہوتا ہے، اگر باطن خراب نہ ہو تو ظاہر بھی خراب نہیں ہوگا۔

ایک خوبصورت مثال

ہمارے ایک بزرگ ایک مثال دیا کرتے تھے کہ جب کوئی پھل اندر سے سڑ جاتا ہے تو اس کے سڑنے کے آثار چھلکے پر داغ کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں اور اگر اندر سے وہ پھل سڑا ہوا نہیں ہے تو چھلکے پر کبھی خرابی نظر نہیں آئیگی، چھلکے پر اسی وقت خرابی ظاہر ہوتی ہے جب اندر سے خراب ہو۔ اسی طرح جس شخص کا ظاہر خراب ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ باطن میں بھی کچھ نہ کچھ خرابی ضرور

ہے، ورنہ ظاہر خراب ہوتا ہی نہیں، لہذا یہ کہنا کہ ہمارا ظاہر اگر خراب ہے تو کیا ہوا، باطن ٹھیک ہے، یاد رکھئے، اس صورت میں باطن کبھی ٹھیک ہو ہی نہیں سکتا۔

دنیاوی کاموں میں ظاہر بھی مطلوب ہے

دنیا کے سارے کاموں میں تو ظاہر بھی مطلوب ہے اور باطن بھی مطلوب ہے، ایک بے چارہ دین ہی ایسا رہ گیا ہے جب کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہمیں اس کا باطن چاہئے، ظاہر نہیں چاہئے، مثلاً دنیا کے اندر جس آپ مکان بناتے ہیں تو مکان کا باطن تو یہ ہے کہ چار دیواری کھڑی کر کے اوپر سے چھت ڈال دی تو باطن حاصل ہو گیا، اب اس پر پلاستر کی کیا ضرورت ہے؟ اور رنگ و روغن کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ مکان کی روح تو حاصل ہو گئی ہے، وہ مکان رہنے کے قابل ہو گیا۔ مگر مکان کے اندر کی تو یہ فکر ہے کہ صرف چار دیواری اور چھت کافی نہیں، بلکہ پلاستر بھی ہو، رنگ و روغن بھی ہو، اس میں زیب و زینت کا سارا سامان موجود ہو، یہاں کبھی صرف باطن ٹھیک کر لینے کا فلسفہ نہیں چلتا۔ یا مثلاً گاڑی ہے، ایک اس کا باطن ہے اور ایک ظاہر ہے، گاڑی کا باطن یہ ہے کہ ڈھانچہ لے کر اس میں انجن لگا لو تو باطن حاصل ہے، اس لئے کہ انجن لگا ہوا ہے، وہ سواری کرنے کے قابل ہے، لہذا اب نہ باڈی کی ضرورت ہے، نہ رنگ و روغن کی ضرورت ہے۔ وہاں تو کسی شخص نے آج تک یہ نہیں کہا کہ مجھے گاڑی کا باطن حاصل ہے، اب ظاہر کی ضرورت نہیں، بلکہ وہاں تو ظاہر بھی مطلوب ہے اور باطن بھی مطلوب ہے، ایک بے چارہ دین ہی ایسا مسکین رہ گیا کہ اس میں صرف باطن مطلوب ہے اور ظاہر مطلوب نہیں۔

یہ شیطان کا دھوکہ ہے

یاد رکھئے، یہ شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے، لہذا ظاہر بھی درست کرنا ضروری ہے اور باطن بھی درست کرنا ضروری ہے، چاہے لباس ہو، یا کھانا، یا آداب معاشرت ہوں، اگرچہ ان سب کا تعلق ظاہر سے ہے، لیکن ان سب کا گہرا اثر باطن پر واقع ہے، اس لئے لباس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں، ان کو دین کی حقیقی فہم حاصل نہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضور ﷺ لباس کے بارے میں کوئی ہدایت نہ فرماتے، کوئی تعلیم نہ دیتے، لیکن آپ ﷺ نے لباس کے بارے میں ہدایات دیں، آپ کی تعلیمات اسی جگہ پر آتی ہیں جہاں لوگوں کے بہک جانے اور غلطی میں پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان اصولوں کو اور ان تعلیمات کو اہتمام کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے۔

شریعت نے کوئی لباس مخصوص نہیں کیا

شریعت نے لباس کے بارے میں بڑی معتدل تعلیمات عطا فرمائی ہیں، چنانچہ شریعت نے کوئی خاص لباس مقرر کر کے اور اس کی ہیئت بتا کر یہ نہیں کہا کہ ہر آدمی کے لئے ایسا لباس پہننا ضروری ہے، لہذا جو شخص اس ہیئت سے ہٹ کر لباس پہنے گا، وہ مسلمانی کے خلاف ہوگا۔ ایسا اس لئے کہا کہ اسلام دین فطرت ہے، اور حالات کے لحاظ سے، مختلف ممالک کے لحاظ سے، وہاں کے موسموں کے لحاظ سے، وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے لباس مختلف ہو سکتا ہے، کہیں باریک، کہیں موٹا، کہیں کسی وضع کا، کہیں کسی ہیئت کا لباس اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ بنیادی اصول عطا فرمادیئے، ان اصولوں کی ہر حالت میں رعایت رکھنی ضروری ہے، ان کو سمجھ لینا چاہئے۔

لباس کے چار بنیادی اصول

جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے لباس کے بنیادی اصول بتادیئے ہیں، فرمایا:

﴿يُنَبِّئُ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُورِي سَوَاتِكُمْ وَرِيشًا، وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾ (۱)

”اے بنی آدم، ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس اتارا جو تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور جو تمہارے لئے زینت کا سبب بنتا ہے، اور تقویٰ کا لباس تمہارے لئے سب سے بہتر ہے۔“

یہ تین جملے ارشاد فرمائے اور ان تین جملوں میں اللہ تعالیٰ نے معافی کی کائنات بھر دی ہے۔

لباس کا پہلا بنیادی مقصد

اس آیت میں لباس کا پہلا مقصد یہ بیان فرمایا کہ وہ تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپا سکے۔ ”سواۃ“ کے معنی ہیں وہ چیز جس کے ذکر کرنے سے یا جس کے ظاہر ہونے سے انسان شرم محسوس کرے، اس سے مراد ہے ”ستر“ تو گویا لباس کا سب سے بنیادی مقصد ”ستر“ چھپانے کی چیز ہے، وہ ستر مردوں میں الگ ہے اور عورتوں میں الگ ہے، مردوں میں ستر کا حصہ جس کو چھپانا ہر حال

میں ضروری ہے، وہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ہے، عام حالات میں اس کو چھپانا ضروری ہے، عورت کا سارا جسم، سوائے چہرہ اور گٹوں تک ہاتھ کے سب کا سب ”ستر“ ہے۔ جس کا چھپانا ضروری ہے اور کھولنا جائز نہیں۔

لہذا لباس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ شریعت کے مقرر کئے ہوئے ستر کے حصوں کو چھپالے، جو لباس اس مقصد کو پورا نہ کرے، شریعت کی نگاہ میں وہ لباس ہی نہیں، وہ لباس کھلانے کے لائق نہیں، کیونکہ وہ لباس اپنا بنیادی مقصد پورا نہیں کر رہا ہے جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔

لباس کے تین عیب

لباس کے بنیادی مقصد کو پورا نہ کرنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ لباس اتنا چھوٹا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود ستر کا کچھ حصہ کھلا رہ گیا، اس لباس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ اس لباس سے اس کا بنیادی مقصد حاصل نہ ہوا اور کشف عورت ہو گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس لباس سے ستر کو چھپا تو لیا، لیکن وہ لباس اتنا باریک ہے کہ اس سے اندر کا بدن جھلکتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ لباس اتنا چست ہے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ اور جسم کا ابھار نظر آ رہا ہے، یہ بھی ستر کے خلاف ہے۔ اس لئے مرد کے لئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ایسے کپڑے سے چھپانا ضروری ہے جو اتنا موٹا ہو کہ اندر سے جسم نہ جھلکے اور وہ اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ اندر کے اعضاء کو نمایاں نہ کرے اور اتنا مکمل ہو کہ جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہ جائے، اور یہی تین چیزیں عورت کے لباس میں بھی ضروری ہیں۔

آج کل کا ننگا پہناوا

موجودہ دور کے فیشن نے لباس کے اصل مقصد ہی کو مجروح کر دیا ہے، اس لئے کہ آج کل مردوں اور عورتوں میں ایسے لباس رائج ہو گئے ہیں جن میں اس کی کوئی پروا نہیں کہ جسم کا کونسا حصہ کھل رہا ہے اور کونسا حصہ ڈھکا ہوا ہے، حالانکہ شریعت کی نگاہ میں وہ لباس لباس ہی نہیں۔ جو خواتین بہت باریک اور بہت چست لباس پہنتی ہیں جس کی وجہ سے کپڑا پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ دوسروں کے سامنے نمایاں ہوتی ہے، ایسی خواتین کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

((كَاْسِيَاتٍ عَارِيَّاتٍ)) (۱)

(۱) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النساء الکاسیات المائلات الممیلات رقم: ۳۹۷۱، مسند أحمد، رقم: ۸۳۱۱، موطأ مالک، کتاب الجامع، باب ما یکرہ للنساء لیسه من الثیاب، رقم: ۱۴۲۱

”وہ خواتین لباس پہننے کے باوجود نکلی ہوں گی“

یعنی لباس پہنا ہوگا مگر نکلی ہوں گی، اس لئے کہ اس کپڑے سے لباس کا وہ بنیادی مقصد حاصل نہ ہوا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے لباس اتارا تھا۔ آج کل خواتین میں یہ وبا اس کثرت سے پھیل چکی ہے جس کی کوئی حد نہیں، شرم دنیا سے بالائے طاق ہو کر رہ گئی ہے، اور ایسا لباس رائج ہو گیا جو جسم کو چھپانے کے بجائے اور نمایاں کرتا ہے، خدا کے لئے ہم اس بات کو محسوس کریں اور اپنے اندر فکر پیدا کریں اور اپنے گھروں میں ایسے لباس پر پابندی عائد کریں جو نبی کریم ﷺ کے ان ارشادات کے مخالف ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں یہ احساس اور فکر پیدا فرمائے۔

خواتین ان اعضاء کو چھپائیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمہ اللہ کا شاید ہی کوئی جمعہ ایسا جاتا ہو جس میں اس پہلو کی طرف متوجہ نہ فرماتے ہوں، فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو فتنے آج کل عام رواج پا گئے ہیں، ان کو کسی طرح ختم کرو، خواتین اس حالت میں مجمع عام کے اندر جا رہی ہیں کہ سر کھلا ہوا ہے، بازو کھلے ہوئے ہیں، سینہ کھلا ہوا ہے، پیٹ کھلا ہوا ہے۔ حالانکہ ”ستر“ کا حکم یہ ہے کہ مرد کے لئے مرد کے سامنے ستر کھولنا بھی جائز نہیں اور عورت کے لئے عورت کے سامنے ستر کھولنا جائز نہیں، مثلاً اگر کسی عورت نے ایسا لباس پہن لیا جس میں سینہ کھلا ہوا ہے، پیٹ کھلا ہوا ہے، بازو کھلے ہوئے ہیں تو اس عورت کو اس حالت میں دوسری عورتوں کے سامنے آنا بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ اس حالت میں مردوں کے سامنے آئے، اس لئے کہ یہ اعضاء اس کے ستر کا حصہ ہیں۔

گناہوں کے برے نتائج

آج کل کی شادی کی تقریبات میں جا کر دیکھئے، وہاں کیا حال ہو رہا ہے، خواتین بہت بے حیائی کے ساتھ ایسا لباس پہن کر مردوں کے سامنے آ جاتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ڈنکے کی چوٹ، سینہ تان کر اور ڈھٹائی کے ساتھ جب حضور ﷺ کے ارشادات کی ایسی کھلم کھلا خلاف ورزی ہوگی تو اس کے بارے میں ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ درحقیقت ان فتنوں نے ہمارے اوپر یہ عذاب مسلط کر رکھا ہے، یہ بد امنی اور بے چینی جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ کسی انسان کی جان و مال محفوظ نہیں ہے، درحقیقت ہماری ان ہی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَمِمَّا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ (۱)

یعنی جو کچھ تمہیں برائی پہنچتی ہے وہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پہنچتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف ہی فرما دیتے ہیں اور ان پر پکڑ نہیں فرماتے ہیں۔ خدا کے لئے اپنے گھروں سے اس فتنے کو دور کریں۔

قرب قیامت میں خواتین کی حالت

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے اس زمانے کا ایک ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ اگر آج کا زمانہ کسی نے نہ دیکھا ہوتا تو وہ شخص حیران ہو جاتا کہ اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے اس طرح نقشہ کھینچا ہے جس طرح کہ آپ ﷺ نے موجودہ دور کی خواتین کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا ہو، اس لئے کہ اس زمانے میں اس کا تصور بھی مشکل تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ قیامت کے قریب عورتیں لباس پہننے کے باوجود نکلی ہوں گی اور ان کے سروں کے بال ایسے ہوں گے جیسے بختی اونٹوں کے کوہان ہوتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ جس زمانے میں حضور اقدس ﷺ نے یہ بات فرمائی تھی، اس زمانے میں اس قسم کے بالوں کا کوئی رواج نہیں تھا، یہی وجہ سے کہ بعض شراح حدیث نے اس پر کلام کیا ہے کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ بختی اونٹوں کے کوہان کی طرح بال کس طرح ہو سکتے ہیں؟ لیکن آج کے جدید فیشن نے حضور اقدس ﷺ کی پیشین گوئی کو پورا کر دیا اور ایسا لگتا ہے کہ حضور ﷺ نے آج کی عورتوں کو دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی ہو۔ آگے ارشاد فرمایا:

((مُعِينَاتٍ مَائِلَاتٍ)) (۱)

یعنی وہ عورتیں اپنے لباس سے، اپنے انداز سے، اپنے زیب و زینت اور اپنے بناؤ سنگھار سے دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور دوسروں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔

خدا کے لئے اس بات کو ذہن نشین کیجئے کہ یہ جو کچھ فتنے اور مصائب اور بد امنی اور بے چینی ہے، یہ حقیقت میں اس بات کا نتیجہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے احکامات کی کھلم کھلا بغاوت ہو رہی ہے۔

کھلم کھلا گناہ کرنے والے

ایک بات اور سمجھئے کہ گناہوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک گناہ وہ ہے کو انسان چوری چھپے تنہائی میں کر رہا ہے، علی الاعلان دوسروں کے سامنے نہیں کر رہا ہے اور کبھی کبھی اس کو گناہوں پر شرمندگی اور

(۱) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النساء الکاسیات العائلات المعملات رقم: ۳۹۷۱،

مسند أحمد، رقم: ۸۳۱۱، موطأ مالک، کتاب الجامع، باب ما یکرہ للنساء لبسه من الثیاب،

ندامت بھی ہو جاتی ہے اور توبہ کی بھی توفیق ہو جاتی ہے۔ لیکن دوسرا شخص علی الاعلان اور کھلم کھلا دوسروں کے سامنے گناہ کر رہا ہے اور اس پر فخر بھی کر رہا ہے کہ میں نے یہ گناہ کیا، یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((كُلُّ أُمَّتِي مُعَافَى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ)) (۱)

یعنی میری امت میں جتنے گناہ کرنے والے ہیں، سب کی مغفرت کی توقع ہے، انشاء اللہ سب کی معافی ہو جائے گی، یا تو توبہ کی توفیق ہو جائے گی یا اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرمادیں گے، لیکن وہ لوگ جو ڈنکے کی چوٹ پر کھلم کھلا اعلانیہ گناہ پر فخر کرتے ہوں گے اور بلکہ اس گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ درست ہے، اور اگر ان کو سمجھایا جائے تو اس پر بحث کرنے اور مناظرہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہوں گے، اور کہتے ہوں گے کہ اس میں کیا حرج ہے؟ کیا ہم زمانے سے کٹ جائیں؟ کیا ہم دقیانوس ہو کر بیٹھ جائیں؟ اور ساری دنیا کے طعنے ہم اپنے سر لے لیں؟ کیا سوسائٹی سے کٹ کر بیٹھ جائیں؟ ایسے لوگوں کی مغفرت نہیں ہوگی۔

سوسائٹی کو چھوڑ دو

ارے یہ تو دیکھو کہ اگر سوسائٹی سے کٹ کر اللہ کے ہو جاؤ گے تو یہ کونسا مہنگا سودا ہے؟ ذرا غور تو کرو کہ یہ سوسائٹی کب تک تمہارا ساتھ دے گی؟ تمہیں کہاں تک لے جائے گی؟ یاد رکھو کہ قبر میں جانے کے بعد تمہارے اعمال کے سوا کوئی تمہارا ساتھی نہیں ہوگا، اس وقت تم اپنی سوسائٹی کو مدد کے لئے پکارنا کہ تمہاری وجہ سے ہم یہ کام کر رہے تھے، اب آ کر ہماری مدد کرو، کیا اس وقت تمہاری سوسائٹی کے افراد میں سے کوئی آ کر تمہاری مدد کرے گا؟ اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکے گا؟ اس وقت کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿مَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ (۲)

یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا ولی اور مددگار نہیں ہوگا جو تمہیں عذاب سے چھڑا سکے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ستر المؤمن علی نفسه، رقم: ۵۶۰۸، صحیح مسلم،

کتاب الزهد والرقائق، باب النهی عن هتك الانسان ستر نفسه، رقم: ۵۳۰۶

(۲) البقرة: ۱۰۷

ایک قرآنی واقعہ

قرآن کریم نے سورہ صافات میں ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس شخص کو جب جنت میں پہنچا دیں گے اور جنت کی ساری نعمتیں عطا فرما دیں گے، اس وقت اس کو اپنے ایک ساتھی اور دوست کا خیال آئے گا کہ معلوم نہیں اس کا کیا حال ہے؟ اس لئے کہ وہ دنیا کے اندر مجھے غلط کاموں پر اکسایا کرتا تھا اور مجھ سے بحث کیا کرتا تھا کہ آج کل کے حالات ایسے ہیں، ماحول ایسا ہے، سوسائٹی کے یہ تقاضے ہیں، وقت کے تقاضے یہ ہیں وغیرہ، تو ایسی باتیں کر کے مجھے درغلایا کرتا تھا، اب ذرا اس کو میں دیکھوں تو وہ کس حال میں ہے؟ چنانچہ وہ اس کو دیکھنے کے لئے جہنم کے اندر جھانکے گا۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

﴿فَطَافَ قَرَاهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ قَالَ تَاللَّهِ إِنِ كِدْتُ لَتُرْدِينَ، وَلَوْلَا نِعْمَةُ

رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْمُخْضِرِينَ﴾ (۱)

جب وہ اس کو دیکھنے کے لئے جہنم کے اندر جھانکے گا تو اس ساتھی کو جہنم کے پتھروں بچ دیکھے گا اور پھر اس کو مخاطب ہو کر اس سے کہے گا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو نے مجھے ہلاک ہی کر دیا تھا یعنی اگر میں تیرے کہنے میں آ جاتا، تیری بات مان لیتا اور تیری اتباع کرتا تو آج میرا بھی یہی حشر ہوتا تھا جو حشر تیرا ہو رہا ہے۔ اور اگر میرے ساتھ میرے رب کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو مجھے بھی اسی طرح دھریا گیا ہوتا جس طرح آج تجھے دھریا گیا ہے۔

ہم ”بیک ورڈ“ ہی سہی

بہر حال، اس سوسائٹی کے تقاضے یہاں پر تو بڑے خوش نما لگتے ہیں، لیکن اگر اس بات پر پورا ایمان ہے کہ ایک دن مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے، تو خدا کے لئے اس سوسائٹی کی باتوں کو چھوڑو، اس کے ڈر اور خوف کو چھوڑو، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کی طرف آؤ۔ اور یہ سوسائٹی تمہیں جو طعنے دیتی ہے، ان طعنوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرو، اگر سوسائٹی یہ کہتی ہے کہ تم رجعت پسند ہو، تم دقیانوس ہو، تم بیک ورڈ ہو تم زمانے کے ساتھ چلنا نہیں جانتے، تو ایک مرتبہ اس سوسائٹی کو خم ٹھوک کر اور کمر کس کر یہ جواب دے دو کہ ہم ایسے ہی ہیں، تم اگر ہمارے ساتھ تعلق رکھنا چاہتے ہو رکھو، نہیں رکھنا چاہتے تو مت رکھو، جب تک ایک مرتبہ یہ نہیں کہو گے، اس وقت تک یاد رکھو، یہ سوسائٹی تمہیں جہنم کی طرف لے جاتی رہے گی۔

یہ طعنے مسلمان کے لئے مبارک ہیں

حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی یہ طعنے دیئے گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ طعنے دیئے گئے، اور جو شخص بھی دین پر چلنا چاہتا ہے، اس کو یہ طعنے دیئے جاتے ہیں۔ لیکن جب تک ان طعنوں کو اپنے لئے باعث فخر نہیں قرار دو گے، یاد رکھو، اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ ایک روایت میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَكْبَرُوا ذِكْرَ اللَّهِ حَتَّى يَقُولُوا مَجْنُونٌ)) (۱)

اللہ کی یاد اور ذکر اس حد تک کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہنے لگیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر سوسائٹی ایک طرف جارہی ہے، زمانہ ایک طرف جارہا ہے، اب تم اس کے بہاؤ پر بہنے کے بجائے اس کے بھاؤ کا رخ موڑنے کی کوشش کر لو تو لوگ تمہیں پاگل کہیں گے، چنانچہ آج اگر کوئی شخص دیانتداری اور امانت داری سے کوئی کام کرتا ہے تو لوگ اس کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ یہ پاگل ہے، اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مثلاً آج اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں رشوت نہ لوں، رشوت نہ دوں، سود نہ کھاؤ، حرام کاموں سے اجتناب کروں، اور لباس کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کروں، تو اس وقت سوسائٹی اسکو یہی کہے گی کہ اس کا دماغ خراب ہے، یہ پاگل ہے، حالانکہ جب سوسائٹی تمہیں یہ کہے کہ تم پاگل ہو تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے تو یہ حضور اقدس ﷺ کی طرف سے بشارت ہے اور تمہارے لئے باعث فخر کلمہ ہے، اور یہ وہ لقب ہے جو حضور اقدس ﷺ نے تمہیں دیا ہے۔ لہذا جس دن تمہیں دین کی وجہ سے کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ پاگل ہے، اس دن خوشی مناؤ اور دو رکعت شکرانہ کی نفل ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آج تمہیں اس مقام تک پہنچا دیا جو نبی کریم نے ایک مومن کے لئے فرمایا تھا، اس لئے اس سے ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں مولانا ظفر علی خان مرحوم نے خوب کہا:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

لہذا اگر ساری دنیا کے خفا ہونے کے نتیجے میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے تمہارا تعلق جڑ جائے تو کیا یہ مہنگا سودا ہے؟ یہ دنیاوی زندگی معلوم نہیں کتنے دن کی زندگی ہے، یہ باتیں اور یہ طعنے سب ختم ہو کر رہ جائیں گے، اور جس دن تمہاری آنکھ بند ہوگی اور وہاں تمہارا استقبال ہوگا، اس وقت تم دیکھنا کہ ان

طعنہ دینے والوں کا کیا حشر ہوگا، اور یہ طعنے دینے والے جو آج تم پر ہنس رہے ہیں، قیامت کے دن یہ ہنسنے والے روئیں گے اور تم ان پر ہنسا کرو گیا۔ لہذا ان سوسائٹی والوں سے کب تک تم ان کے پیچھے چلو گے۔ لہذا جب تک ایک مرتبہ ہمت کر کے ارادہ نہیں کرو گے، اس وقت تک چھٹکارا نہیں ملے گا۔ اور برہنگی کے لباس کا جو رواج چل پڑا ہے، ایک مرتبہ عزم کر کے اس کو ختم کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے آمین۔ بہر حال، اللہ تعالیٰ نے لباس کا پہلا مقصد بیان فرمایا، وہ ہے ستر، جو لباس ساتر نہیں، وہ حقیقت میں لباس ہی نہیں، وہ برہنگی ہے۔

لباس کا دوسرا مقصد

لباس کا دوسرا مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ”ریشا“ یعنی ہم نے اس لباس کو تمہارے لئے زینت کی چیز اور خوبصورتی کی چیز بنائی۔ ایک انسان کی خوبصورتی لباس میں ہے، لہذا لباس ایسا ہونا چاہئے کہ جسے دیکھ کر انسان کو فرحت ہو، بدہیئت اور بے ڈھنگانہ ہو جس کو دیکھ کر دوسروں کو نفرت اور کراہت ہو، بلکہ ایسا ہونا چاہئے جس کو پہن کر زینت کا فائدہ حاصل ہو سکے۔

اپنا دل خوش کرنے کے لئے قیمتی لباس پہننا

بعض اوقات دل میں یہ اشتباہ رہتا ہے کہ کیسا لباس پہنیں؟ اگر بہت قیمتی لباس پہن لیا تو یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں اسراف میں داخل نہ ہو جائے؟ اگر معمولی لباس پہنیں تو کس درجے کا پہنیں؟ اللہ تعالیٰ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے اندران سے ایسا عجیب کام لیا کہ آپ نے کوئی چیز پردہ خفا کے اندر نہیں چھوڑی، ہر چیز کو دو اور دو چار کر کے بالکل واضح کر کے اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ نے لباس کے بارے میں فرمایا کہ لباس ایسا ہونا چاہئے جو ساتر ہو اور ساتر ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے تھوڑا سا آسائش کا مقصد بھی حاصل ہو، یعنی لباس کے ذریعے جسم کو راحت بھی حاصل ہو، آرام بھی حاصل ہو، ایسا لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً پتلا لباس پہن لیا، اس خیال سے کہ جسم کو آرام ملے گا، اس میں کوئی حرج نہیں، شرعاً جائز ہے، شریعت نے اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ اسی طرح اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے زیبائش کا لباس پہننے تو یہ بھی جائز ہے، مثلاً ایک کپڑا دس روپے گز ہے اور دوسرا کپڑا پندرہ روپے گز مل رہا ہے، اب اگر ایک شخص پندرہ روپے گز والا اس لئے خریدے کہ اس کے ذریعے میرے جسم کو آرام ملے گا یا اس وجہ سے کہ یہ کپڑا مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے، اس کو پہننے سے میرا دل خوش ہوگا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی وسعت دی ہے کہ میں دس روپے کے بجائے پندرہ روپے گز والا کپڑا پہن سکتا ہوں، تو یہ اسراف میں

داخل نہیں ہے اور گناہ بھی نہیں ہے، بلکہ شرعاً یہ بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت بھی دی ہے اور تم اپنا دل خوش کرنے کے لئے ایسا کپڑا پہن رہے ہو، اس لئے جائز ہے۔

مالدار کو اچھے کپڑے پہننا چاہئے

بلکہ جس شخص کی آمدنی اچھی ہو، اس کے لئے خراب قسم کا کپڑا اور بہت گھٹیا قسم کا لباس پہننا کوئی پسندیدہ بات نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ صاحب بہت بد ہیئت قسم کا پرانا لباس پہنے ہوئے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے ان صاحب سے پوچھا تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ تیرے پاس کس قسم کا مال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کا مال عطا فرمایا ہے یعنی اونٹ، بکرے، گھوڑے اور غلام سب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو اس کے انعامات کا کچھ اثر تمہارے لباس سے بھی ظاہر ہونا چاہئے۔ (۱)

ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو سب کچھ دے رکھا ہے، لیکن فقیر اور گداگر کی طرح پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، یہ تو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آرام کی خاطر اور اپنی آسائش یا زیبائش کی خاطر کوئی شخص اچھا اور قیمتی لباس پہن لے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں، جائز ہے۔

حضور ﷺ کا قیمتی لباس پہننا

میں یہ کہتا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ کے بارے میں یہ بات جو مشہور ہو گئی کہ، ”کالی کملی والے“ اس بات کو ہمارے شاعروں نے بہت مشہور کر دیا، یہ بات صحیح ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی زیادہ حیات طیبہ سادگی کی حالت میں بسر ہوئی، لیکن آپ ﷺ کے بارے میں اس طرح یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ موٹا کپڑا زیب تن فرماتے تھے۔ اور جہاں یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے موٹی چادریں استعمال فرمائیں، اسی طرح آپ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک جبہ زیب تن فرمایا جس کی قیمت دو ہزار دینار تھی، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ہر عمل شریعت کا حصہ بننا تھا، اس لئے ہم جیسے کمزوروں کے لئے یہ بھی کر کے دکھا دیا کہ اگر تم اپنی جسمانی راحت اور آسائش کے لئے کوئی قیمتی لباس پہننا چاہتے ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

(۱) سنن النسائی، کتاب الزینة، باب الجلاجل، رقم: ۵۱۲۹، سنن أبی داود، کتاب اللباس، بار

فی غسل الثوب وفی الخلقان، رقم: ۳۵۴۱، مسند أحمد، رقم: ۱۵۳۲۳

نمائش اور دکھاوا جائز نہیں

لیکن اگر لباس پہننے سے نہ تو آسائش مقصود ہے اور نہ آرائش مقصود ہے، بلکہ نمائش اور دکھاوا مقصود ہے، تاکہ لوگ دیکھیں کہ ہم نے اتنا شاندار کپڑا پہنا ہوا ہے، اور اتنا اعلیٰ درجے کا لباس پہنا ہوا ہے، اور یہ دکھانا مقصود ہے کہ ہم بڑی دولت والے اور بڑے پیسے والے ہیں، اور دوسروں پر بڑائی جتانے اور دوسروں پر رعب جمانا مقصود ہے تو یہ سب باتیں نمائش میں داخل ہیں اور حرام ہیں، اس لئے کہ نمائش کی خاطر جو بھی لباس پہنا جائے گا وہ حرام ہے۔

یہاں شیخ کی ضرورت ہے

ان دونوں باتوں میں بہت باریک فرق ہے کہ اپنا دل خوش کرنا مقصود ہے یا دوسروں پر اپنی بڑائی جتانے مقصود ہے، یہ کون فیصلہ کرے گا کہ یہ لباس اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہنا ہے یا دوسروں پر بڑائی جتانے کے لئے پہنا ہے؟ یہ فیصلہ کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ اس مقصد کے لئے کسی مصلح اور رہنما کی ضرورت پڑتی ہے، وہ ان دونوں کے درمیان فرق کر کے بتا دیتا ہے کہ اس وقت جو کپڑے تم پہن رہے ہو اور یہ کہہ رہے ہو کہ اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہن رہا ہوں، یہ دراصل شیطان کا دھوکا ہے، حقیقت میں ان کپڑوں کے پہننے کا مقصد دوسروں پر بڑائی ظاہر کرنا ہے۔ اور بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔ بہر حال، کسی شیخ کی ضرورت ہے۔ اور یہ پیری مریدی درحقیقت اسی کام کیلئے ہوتی ہے کہ اس قسم کے کاموں میں اس سے رہنمائی حاصل کی جائے کہ اس وقت میرے ساتھ یہ صورت حال ہے، بتائیے کہ اس وقت ایسے کپڑے پہنوں یا نہ پہنوں؟ وہ شیخ بتاتا ہے کہ اس وقت ایسے کپڑے پہنو اور اس وقت مت پہنو۔ نمائش اور آسائش میں یہ باریک فرق ہے۔ دنیا کے جتنے کام ہیں، چاہے وہ لباس ہو، یا کھانا ہو، یا جوتے ہوں، یا مکان ہو، ان سب میں یہ اصول کارفرما ہے جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بیان فرما دیا ہے۔ یہ بذاذین اصول ہے۔

اسراف اور تکبر سے بچئے

اسی لئے حضور اقدس ﷺ کا بڑا اصولی ارشاد ہے:

((كُلْ مَا شِئْتَ وَابْسُ مَا شِئْتَ مَا أَخْطَأَتْكَ الشَّانِ سَرَقَتْ أَوْ مَخِيلَةً)) (۱)

(۱) یہ جملہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب اللباس کے پہلے باب میں ترجمۃ الباب کے اندر استعمال فرمایا ہے اور اسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا ہے۔ البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی ترجمۃ الباب میں نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے: ((كُلُوا وَاشْرَبُوا وَابْسُوا وَتَصَلَّقُوا فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلَا مَخِيلَةٍ)) واضح رہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ مشکوٰۃ المصابیح، کشف الخفاء، التفسیر الکشاف، المحالسة و جواهر العلم، روح المعانی اور کچھ دوسری کتابوں میں بھی یہ جملہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے۔

”جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، لیکن دو چیزوں سے پرہیز کرو، ایک اسراف سے اور دوسرے تکبر سے“

مطلب یہ ہے کہ جس طرح کا کپڑا چاہو پہنو، تمہارے لئے یہ جائز ہے، لیکن اسراف نہ ہو، اور اسراف اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی نمائش کے لئے کپڑا پہنتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جس کپڑے کو پہن کر تکبر پیدا ہو، اس سے بچو۔ لیکن کون سے کپڑے سے اسراف ہو گیا اور کون سے کپڑے سے تکبر پیدا ہو گیا، اس کے لئے کسی شیخ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بتاتا ہے کہ یہاں تکبر ہو گیا اور یہاں اسراف ہو گیا۔ بہر حال: میں یہ عرض کر رہا تھا کہ لباس کا دوسرا مقصد ہے زینت، لیکن اس زینت کی حدود ہیں، بس ان حدود شریعت کے اندر رہ کر جتنی زینت کر سکتے ہو، اس کو اختیار کر لو، لیکن اگر ان حدود سے باہر نکل کر زینت اختیار کرو گے تو یہ حرام ہوگی اور ناجائز ہوگی۔

فیشن کے پیچھے نہ چلیں

آج کل عجیب مزاج بن گیا ہے کہ اپنی پسند یا ناپسند کا کوئی معیار نہیں، بس جو فیشن چل گیا وہ پسند ہے، اور جو چیز فیشن سے باہر ہو گئی وہ ناپسند ہے، ایک زمانے میں ایک چیز کا فیشن چل رہا ہے تو اب اس کو پسند کیا جانے لگا اور اس کی تعریف کی جانے لگی کہ یہ بہت اچھی چیز ہے اور جب اس کا فیشن نکل گیا تو اب اسی کی برائی شروع ہو گئی۔ مثلاً ایک زمانے میں لمبی اور نیچی قمیض کا فیشن چل گیا تو اب جس کو بھی دیکھو وہ لمبی قمیض پہن رہا ہے اور اس کے فضائل بیان کر رہا ہے اور اس کی تعریف کر رہا ہے کہ یہ بہت اچھی چیز ہے اور جب اونچی قمیض پہننے کا فیشن چل پڑا تو اب اونچی قمیض کی تعریف ہو رہی ہے اور اس کو پسندیدہ قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ فیشن کے تابع ہو کر خوبصورتی اور بد صورتی کا تعین صحیح نہیں، بلکہ اپنے آپ کو جو چیز اچھی لگے اور اپنے خیال کو جو چیز خوبصورت لگے، اس کو پہننے کی شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔

من بھاتا کھاؤ، من بھاتا پہنو

ہمارے یہاں ہندی میں ایک مقولہ مشہور تھا کہ ”کھائے من بھاتا اور پہنے جگ بھاتا“ یعنی کھائے تو وہ چیز جو اپنے من کو بھائے، اپنے دل کو اچھی لگے، اپنا دل اس سے خوش ہو اور اپنے آپ کو پسند ہو۔ لیکن لباس وہ پہنے جو جگ کو بھائے۔ جگ سے مراد زمانہ، یعنی جو زمانے کے لوگوں کو پسند ہو، زمانے کے لوگ جس کو پسند کریں اور ان کی آنکھوں کو اچھا لگے۔ یہ کہاوت مشہور ہے، لیکن یہ اسلامی اصول نہیں، اسلامی اصول یہ ہے کہ پہنے بھی من بھاتا اور کھائے بھی من بھاتا، اور ”جگ بھاتا“ والی

بات نہ لباس میں درست ہے اور نہ کھانے میں درست ہے، بلکہ شریعت نے تو یہ کہا ہے کہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے حد و شریعت میں رہتے ہوئے جو بھی لباس استعمال کرو، وہ جائز ہے، لیکن فیشن کی اتباع میں لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نمائش کے لئے کوئی لباس استعمال کر رہے ہو تو وہ جائز نہیں۔

خواتین اور فیشن پرستی

اس معاملے میں آج کل خاص طور پر خواتین کا مزاج قابل اصلاح ہے۔ خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ لباس اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے ہے، اس لئے لباس پہن کر اپنے دل کو خوش کرنے کا معاملہ بعد کا ہے، اصل یہ ہے کہ دیکھنے والے اس لباس کو دیکھ کر اس کو فیشن کے مطابق قرار دیں اور اس کی تعریف کریں، اور ہمارا لباس دیکھ کر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بڑے لوگ ہیں۔ یہ باتیں عورتوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ عورتیں اپنے گھر میں اپنے شوہروں کے سامنے تو میلی جولی رہیں گی اور اچھا لباس پہننے کا خیال بھی نہیں آگے گا، لیکن جہاں کہیں گھر سے باہر نکلنے کی نوبت آگئی یا کسی تقریب میں شرکت کی نوبت آگئی تو پھر اس کے لئے اس بات کا اہتمام کیا جا رہا ہے کہ وہ لباس فیشن کے مطابق ہو اور اس کے پہننے کے نتیجے میں وہ لوگ ہمیں دولت مند سمجھیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک لباس ایک تقریب کے اندر پہن لیا تو اب وہ لباس دوسری تقریب کے اندر نہیں پہنا جاسکتا، اب وہ لباس حرام ہو گیا، اس لئے کہ اگر وہی لباس پہن کر دوسری تقریب میں چلے گئے تو دوسری خواتین یہ سمجھیں گی یہ بار بار ایک ہی لباس پہن کر آ جاتی ہیں، جس کی وجہ سے ہماری بے عزتی ہو جائے گی۔ درحقیقت ان باتوں کے پس پردہ نمائش کا جذبہ ہے اور یہ نمائش کا جذبہ ممنوع ہے، البتہ نمائش کے ارادے اور اہتمام کے بغیر کوئی خاتون اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے آج ایک جوڑا پہن لے اور کل دوسرا جوڑا پہن لے، اور اللہ تعالیٰ نے عطا بھی فرمایا ہے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور نئے جوڑے

ہمارے بزرگوں میں بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جو بہت اچھا اور عمدہ لباس پہنا کرتے تھے، حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا نام آپ نے سنا ہوگا، جو بڑے درجے کے امام گزرے ہیں، مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے۔ انہیں ”امام دارالہجرۃ“ بھی کہا جاتا تھا۔

ان کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہوا دیکھا کہ وہ ہر روز ایک نیا جوڑا پہنا کرتے تھے، گویا کہ ان کے لئے سال میں تین سو ساٹھ جوڑے بنتے تھے، اور جو جوڑا ایک دن پہنا، وہ دوبارہ بدن پر نہیں آتا

تھا، دوسرے دن دوسرا جوڑا تیسرے دن تیسرا جوڑا۔ کسی کو خیال آیا کہ روز نیا جوڑا پہننا تو اسراف ہے، چنانچہ اس نے آپ سے کہا کہ حضرت یہ روزانہ نیا جوڑا پہننا تو اسراف میں داخل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں کیا کروں، بات دراصل یہ ہے کہ جب سال شروع ہوتا ہے تو میرا ایک دوست تین سو ساٹھ جوڑے سلوا کر میرے گھر لے آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ آپ کا روز کا ایک جوڑا ہے، اب میں نے خود سے تو اس بات کا اہتمام نہیں کیا کہ روزانہ ایک نیا جوڑا پہنوں، اگر میں ان جوڑوں کو واپس کر دوں تو اس کی دل شکنی ہوتی ہے، اور اگر نہ پہنوں تو بھی اس کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، اس لئے میں روزانہ ایک جوڑا بدلتا ہوں، اور اس کو اتارنے کے بعد کسی مستحق کو دے دیتا ہوں، جس کی وجہ سے بہت سے اللہ کے بندوں کا بھلا ہو جاتا ہے۔ بہر حال ان کا روزانہ نیا جوڑا پہننا دکھاوے کے لئے نہیں تھا بلکہ جس نے ہدیہ دیا تھا اس کا دل خوش کرنے کی خاطر تھا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ

ایک بڑا عجیب و غریب واقعہ یاد آ گیا، یہ واقعہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے سنا ہے، بڑا سبق آموز واقعہ ہے، وہ یہ کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی دو اہلیہ تھیں، ایک بڑی اور ایک چھوٹی، دونوں کو حضرت والا سے بہت تعلق تھا، لیکن بڑی پیرانی صاحبہ پرانے وقتوں کی تھیں اور حضرت والا کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کی فکر میں رہتی تھیں، عید آنے والی تھی، بڑی پیرانی صاحبہ کے دل میں خیال آیا کہ حضرت والا کے لئے کسی عمدہ اور اچھے کپڑے کا اچکن بنایا جائے۔ اس زمانے میں ایک کپڑا چلا کرتا تھا، جس کا نام تھا ”آنکھ کا نشہ“ یہ بڑا شوخ قسم کا کپڑا ہوتا تھا۔ اب حضرت والا سے پوچھے بغیر کپڑا خرید کر اس کا اچکن سینا شروع کر دیا، حضرت والا کو اس خیال سے نہیں بتایا کہ اچکن سلنے کے بعد جب اچانک میں ان کو پیش کروں گی تو اچانک ملنے سے خوشی زیادہ ہوگی، اور سارا رمضان اس کے سینے میں مشغول رہیں، اس لئے کہ اس زمانے میں مشین کا رواج تو تھا نہیں، ہاتھ سے سلائی ہوتی تھی، چنانچہ جب وہ سل کر تیار ہو گیا تو عید کی رات کو وہ اچکن حضرت والا کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ میں نے آپ کے لئے یہ اچکن تیار کیا ہے، میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ اس کو پہن کر عید گاہ جائیں اور عید کی نماز پڑھیں۔ اب کہاں حضرت والا کا مزاج اور کہاں وہ شوخ اچکن، وہ تو حضرت والا کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ اگر میں پہننے سے انکار کروں تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ انہوں نے تو پورا رمضان اس کے سینے میں محنت کی اور محبت سے محنت کی، اس لئے آپ نے ان کا دل رکھنے کے لئے فرمایا کہ تم نے تو یہ ماشاء اللہ بڑا اچھا اچکن بنایا ہے، اور پھر آپ نے وہ اچکن پہنا اور عید گاہ میں پہنچے اور نماز پڑھائی،

جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت آپ نے یہ جواچکن پہنا ہے، یہ آپ کو زیب نہیں دیتا، اس لئے کہ یہ بہت شوخ قسم کا اچکن ہے، حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ہاں بھائی تم بات تو ٹھیک کہہ رہے ہو، اور یہ کہہ کر پھر آپ نے وہ اچکن اتارا اور اسی شخص کو دے دیا کہ یہ تمہیں ہدیہ ہے، اس کو تم پہن لو۔

دوسرے کا دل خوش کرنا

اس کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا کہ جس وقت میں یہ اچکن پہن کر عیدہ گاہ کی طرف جا رہا تھا، تو کچھ نہ پوچھو کہ اس وقت میرا دل کتنا کٹ رہا تھا، اس لئے کہ ساری عمر اس قسم کا شوخ لباس کبھی نہیں پہنا، لیکن دل میں اس وقت یہ نیت تھی کہ جس اللہ کی بندی نے محنت کے ساتھ اس کو سیا ہے، اس کا دل خوش ہو جائے تو اس کا دل خوش کرنے کے لئے اپنے اوپر یہ مشقت برداشت کر لی، اور اس کے پہننے پر طعنے بھی سہے، اس لئے کہ لوگوں نے اس کے پہننے پر طعنے بھی دیئے کہ کیسا لباس پہن کر آگئے، لیکن گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لئے یہ کام کر لیا۔

بہر حال انسان اچھے سے اچھا لباس اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہنے، اپنے گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لئے پہنے، اور کسی ہدیہ اور تحفہ دینے والے کا دل خوش کرنے کے لئے پہنے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اچھا لباس اس مقصد کے لئے پہننا تا کہ لوگ مجھے بڑا سمجھیں، میں فیشن ایبل نظر آؤں، میں دنیا والوں کے سامنے بڑا بن جاؤں، اور نمائش اور دکھاوے کے لئے پہنے تو یہ عذاب کی چیز ہے اور حرام ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

لباس کے بارے میں تیسرا اصول

لباس کے بارے میں شریعت نے جو تیسرا اصول بیان فرمایا، وہ ہے ”تشبہ سے بچنا“ یعنی ایسا لباس پہننا جس کو پہن کر انسان کسی غیر مسلم قوم کا فرد نظر آئے، اور اس مقصد سے وہ لباس پہنے تا کہ میں ان جیسا ہو جاؤں، اس کو شریعت میں تشبہ کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ کسی غیر مسلم قوم کی نقالی کی نیت سے کوئی لباس پہننا، اس سے قطع نظر کہ وہ چیز ہمیں پسند ہے یا نہیں، وہ اچھی ہے یا بری، لیکن چونکہ فلاں قوم کی نقالی کرنی ہے، بس ان کی نقالی کے پیش نظر اس لباس کو اختیار کیا جا رہا ہے، اس کو ”تشبہ“ کہا جاتا ہے۔ اس نقالی پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سخت وعید ارشاد فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

((مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (۱)

یعنی جو شخص کسی قوم کے ساتھ تشبہ اختیار کرے، اس کی نقالی کرے، اور ان جیسا بننے کی کوشش کرے، تو وہ انہیں میں سے ہے، گویا کہ وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے، اسی قوم کا ایک فرد ہے، اس لئے کہ یہ شخص انہی کو پسند کر رہا ہے، انہی سے محبت رکھتا ہے، انہی جیسا بننا چاہتا ہے، تو اب اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا، اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔

”تشبہ“ کی حقیقت

تشبہ کے بارے میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ یہ ”تشبہ“ کب پیدا ہوتی ہے اور کب اس کی ممانعت آتی ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی ایسے کام میں دوسری قوم کی نقالی کرنا جو فی نفسہ برا کام ہے اور شریعت کے اصول کے خلاف ہے، ایسے کام میں نقالی تو حرام ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کام اگرچہ فی نفسہ تو برا نہیں ہے بلکہ مباح ہے، لیکن جو شخص اس غرض سے وہ کام کر رہا ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں اور دیکھنے میں ان جیسا لگوں اور اہتمام کر کے ان جیسا بننے کی کوشش کر رہا ہے، تو اس صورت میں وہ مباح کام بھی حرام اور ناجائز ہو جاتا ہے۔

گلے میں زنا رڈالنا

مثلاً ہندو اپنے گلے میں زنا رڈال کرتے ہیں، اب یہ زنا رڈال ایک طرح کا ہار ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان ویسے ہی اتفاقاً ڈال لے تو کوئی گناہ کا کام نہیں، ناجائز اور حرام کام نہیں ہے بلکہ مباح ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس مقصد کے لئے اپنے گلے میں ”زنا رڈال“ ڈال رہا ہے تاکہ میں ان جیسا لگوں تو یہ ناجائز اور حرام ہے اور ”تشبہ“ میں داخل ہے۔

ماتھے پر قشقہ لگانا

یا مثلاً ہندو عورتیں اپنے ماتھے پر سرخ قشقہ لگاتی ہیں، اب اگر بالفرض ہندو عورتوں میں اس طرح قشقہ لگانے کا رواج نہ ہوتا اور کوئی مسلمان عورت خوبصورتی اور زینت کے لئے لگاتی تو یہ کام فی نفسہ مباح تھا، کوئی ناجائز اور حرام نہیں تھا، لیکن اب اگر ایک عورت قشقہ اس لئے لگا رہی ہے تاکہ میں ان کا فیشن اختیار کروں اور ان جیسی نظر آؤں، تو اس صورت میں یہ قشقہ لگانا حرام ہے اور ناجائز ہے۔

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، رقم: ۳۵۱۲، مسند أحمد، رقم: ۴۸۶۸

ہندوستان میں مسلمان عورتیں تو ان کی مشابہت اختیار کرنے کے لئے یہ قشقہ لگاتی ہیں، لیکن اب سنا ہے کہ یہاں پاکستان میں بھی عورتوں میں قشقہ لگانے کا رواج شروع ہو گیا ہے، حالانکہ یہاں ہندو عورتوں کے ساتھ معاشرت بھی نہیں ہے، اس کے باوجود مسلمان خواتین اپنے ماتھے پر یہ قشقہ لگاتی ہیں تو یہ ان کے ساتھ ”تشبہ“ اختیار کرنا ہے، جو حرام اور ناجائز ہے۔ لہذا کوئی عمل جو اگرچہ فی نفسہ جائز اور مباح ہو، مگر اس کے ذریعہ دوسری قوموں کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا مقصود ہو اس کو ”تشبہ“ کہتے ہیں، جس کو حضور اقدس ﷺ نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

پتلون پہننے کا حکم

اسی مندرجہ بالا اصول کی بنیاد پر یہ کہا جائے گا کہ جو لباس کسی بھی قوم کا شعار بن چکا ہے، یعنی وہ لباس اس قوم کی امتیازی علامت بن چکا ہے، اگر ان کی نقالی کی غرض سے ایسا لباس اختیار کیا جائے گا تو وہ حرام اور ناجائز ہوگا اور گناہ ہوگا۔ مثال آج کل مردوں میں کوٹ پتلون کا رواج چل پڑا ہے اس میں بعض باتیں تو فی نفسہ بھی ناجائز ہیں، چاہے اس میں تشبہ پایا جائے یا نہ پایا جائے، چنانچہ ایک خرابی تو یہ ہے کہ پتلون ٹخنوں سے نیچے پہنی جاتی ہے، اور کوئی لباس بھی مردوں کے لئے ٹخنوں سے نیچے پہننا جائز نہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اگر پتلون ایسی چست ہو کہ اس کی وجہ سے اعضا نمایاں ہوں، تو پھر لباس کا جو بنیادی مقصد تھا، یعنی ”ستر“ کرنا، وہ حاصل نہ ہوا پھر وہ لباس شرعی لحاظ سے بے معنی اور بے کار ہے۔ لہذا ان دو خرابیوں کی وجہ سے فی نفسہ پتلون پہننا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی شخص اس بات کا اہتمام کرے کہ وہ پتلون چست نہ ہو، بلکہ ڈھیلی ڈھالی ہو، اور اس کا اہتمام کرے کہ وہ پتلون ٹخنوں سے نیچے نہ ہو تو ایسی پتلون پہننا فی نفسہ مباح ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص پتلون اس مقصد سے پہنے تاکہ میں انگریز نظر آؤں، اور میں ان کی نقالی کروں اور ان جیسا بن جاؤں، تو اس صورت میں پتلون پہننا حرام اور ناجائز ہے اور ”تشبہ“ میں داخل ہے، لیکن اگر نقالی مقصود نہیں ہے اور اس بات کا بھی اہتمام کر رہا ہے کہ پتلون ٹخنوں سے اونچی اور ڈھیلی ہو، تو ایسی صورت میں اس کے پہننے کو حرام تو نہیں کہیں گے، لیکن فی نفسہ اس پتلون کا پہننا پھر بھی اچھا نہیں اور کراہت سے خالی نہیں۔ کیوں؟ اس بات کو ذرا غور سے سمجھ لیں۔

تشبہ اور مشابہت میں فرق

وہ یہ کہ یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک ”تشبہ“ اور ایک ہے ”مشابہت“ دونوں میں فرق ہے۔ ”تشبہ“ کے معنی تو یہ ہیں کہ آدمی ارادہ کر کے نقالی کرے، اور ارادہ کر کے ان جیسا بننے کی کوشش

کرے، یہ تو بالکل ہی ناجائز ہے۔ دوسری چیز ہے ”مشابہت“ یعنی اس جیسا بننے کا ارادہ تو نہیں کیا تھا، لیکن اس عمل سے ان کے ساتھ مشابہت خود بخود پیدا ہو گئی۔ یہ ”مشابہت“ جو خود بخود پیدا ہو جائے حرام نہیں، لیکن حضور اقدس ﷺ نے بلا ضرورت مشابہت پیدا ہونے سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ اس کی کوشش کرو کہ ان سے امتیاز رہے، مسلمان قوم اور مسلمان ملت کا ایک امتیاز ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ دیکھ کر پتہ نہ چلے کہ یہ آدمی مسلمان ہے یا نہیں، سر سے لے کر پاؤں تک اپنا حلیہ ایسا بنا کر رکھا ہے کہ دیکھ کر یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ مسلمان ہے یا نہیں، اس کو سلام کریں یا نہ کریں، مباحات کے ذریعہ بھی ایسا حلیہ بنانا پسندیدہ نہیں۔

حضور ﷺ کا مشابہت سے دور رہنے کا اہتمام

آنحضرت ﷺ نے ”مشابہت“ سے بچنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ محرم کی دس تاریخ کو عاشورہ کے دن روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا کام ہے، اور جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابتداء میں عاشورہ کا روزہ فرض تھا، اور رمضان کے روزے اس وقت تک فرض نہیں ہوئے تھے، اور جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی، اب فرض تو نہ رہا، البتہ نفل اور مستحب بن گیا۔ لیکن حضور اقدس ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ یہودی بھی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر مسلمان عاشورہ کے دن روزہ رکھیں گے تو وہ یہودیوں کی نقالی میں تو نہیں رکھیں گے، وہ تو حضور اقدس ﷺ کی اتباع میں رکھیں گے۔ لیکن حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو عاشورہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا کر رکھوں گا، یا نوں تاریخ کا روزہ یا گیا ہو یا تاریخ کا روزہ، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو، بلکہ ان سے علیحدگی اور امتیاز ہو جائے۔ (۱)

اب دیکھئے کہ روزے جیسی عبادت میں بھی آنحضرت ﷺ نے مشابہت پیدا ہونے کو پسند نہیں فرمایا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب عاشورہ کا روزہ رکھو تو اس کے ساتھ یا تو نوں تاریخ کا روزہ ملا لو، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت بھی پیدا نہ ہو۔ لہذا ”تشبہ“ تو حرام ہے، لیکن ”مشابہت“ پیدا ہو جانا بھی کراہت سے خالی نہیں، حضور اقدس ﷺ نے اس سے بھی بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

مشرکین کی مخالفت کرو

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

((خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ)) (۱)

مشرکین کے طریقے کی مخالفت کرو۔ یعنی انہوں نے جیسے طریقے اختیار کئے ہیں، تم ان سے الگ اپنا طریقہ بناؤ۔ چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا:

((فَرَّقْ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ)) (۲)

یعنی ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ پہننا ہے، یعنی یہ مشرکین عمامے کے نیچے ٹوپیاں نہیں رکھتے ہیں، تم ان کی مخالفت کرو اور عمامے کے نیچے ٹوپی بھی پہنا کرو۔ حالانکہ بغیر ٹوپی کے عمامہ پہننا کوئی ناجائز اور حرام نہیں لیکن ذرا سی مشابہت سے بچنے کے لئے حضور اقدس ﷺ نے یہ حکم فرمایا کہ عمامے کے نیچے ٹوپی پہنو، تاکہ اشتباہ لازم نہ آئے، لہذا بلاوجہ کسی دوسری قوم کی مشابہت اختیار کرنا اچھا نہیں ہے، آدمی اس سے جتنا بچے بہتر ہے۔ اس لئے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے کہ دوسری قوموں کی مشابہت پیدا نہ ہو۔

مسلمان ایک ممتاز قوم ہے

سوچنے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک الگ قوم بنایا اور اپنے گروہ میں شامل فرما کر تمہارا نام ”حزب اللہ“ رکھا، یعنی اللہ کا گروہ ساری دنیا ایک طرف اور تم ایک طرف۔ قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ بنیادی طور پر پوری دنیا میں دو جماعتیں ہیں، چنانچہ فرمایا:

﴿خَلَقَكُمْ مِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ﴾ (۳)

یعنی دو جماعتیں ہیں: ایک کافر اور ایک مومن، اس لئے مومن کو کبھی کافر کی جماعت کے ساتھ مخلوط نہ ہونا چاہئے، اس کا امتیاز ہونا چاہئے اس کے لباس میں، اس کی پوشاک میں، اس کی وضع قطع میں، اس کے اٹھنے بیٹھنے میں، اس کے طریق ادا میں، ہر چیز میں اسلامی رنگ نمایاں ہونا چاہئے، اب اگر مسلمان دوسروں کا طریقہ اختیار کر لے تو اس کے نتیجے میں وہ امتیاز مٹ جائے گا۔ اب آج دیکھ لو کہ یہ جو طریقہ چل پڑا ہے کہ سب کا لباس ایک جیسا ہے، اگر تم کسی مجمع میں جاؤ گے تو یہ پتہ نہیں لگا سکتے ہیں، پوشاک سے، اور نہ کسی اور انداز سے، اب اس کو سلام کریں یا نہ کریں؟ اور اس سے کس قسم

(۱) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، رقم: ۵۴۴۲، صحیح مسلم، کتاب

الطهارة، باب خصال الفطرة، رقم: ۳۸۲

(۲) سنن الترمذی، کتاب اللباس عن رسول الله، باب العمام على القلانس، رقم: ۱۷۰۶، سنن

ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی العمام، رقم: ۳۵۵۶

(۳) التغابن: ۲

کی باتیں کریں؟ لہذا ان خرابیوں کے سد باب کے لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تشبہ سے بھی بچو، اس لئے کہ وہ تو بالکل ہی حرام ہے، اور ”مشابہت“ سے بھی بچو، اور یہ مشابہت بھی کراہت سے خالی نہیں ہے اور پسندیدہ بھی نہیں ہے۔

یہ بے غیرتی کی بات ہے

یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے کہ انسان ایک ایسی قوم کا لباس پسند کر کے اس کو اختیار کرے جس قوم نے تمہیں ہر طریقے سے غلامی کی چکی میں پیسا، تمہارے اوپر ظلم و ستم توڑے، تمہارے خلاف سازشیں کیں، تمہیں موت کے گھاٹ اتارا، اور ظلم و ستم کا کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جو اس نے فرو گذاشت کر دیا ہو، اب تم ایسی قوم کے طریق کو عزت اور تکریم کے ساتھ اختیار کرو۔ یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے۔

انگریزوں کی تنگ نظری

لوگ ہمیں یہ کہتے ہیں کہ آپ جو اس قسم کا لباس پہننے سے منع کرتے ہیں، یہ تنگ نظری کی بات ہے۔ اور ایسی بات کہنے والوں کو تنگ نظر کہا جاتا ہے، حالانکہ جس قوم کا لباس تم اختیار کر رہے ہو، اس کی تنگ نظری اور اس کی مسلمان دشمنی کا عالم یہ ہے کہ جب اس نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو ہمارے مغل مسلمان بادشاہوں کا جو لباس تھا، یعنی عمامہ اور خاص شلوار قمیص، اس نے یہ لباس اپنے خاندانوں کو پہنایا، اپنے بیروں کو پہنایا، اپنے چوکیداروں کو پہنایا، اور اس نے ان کو لباس پہننے پر مجبور کیا۔ ایسا کیوں کیا؟ صرف مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لئے اور یہ دکھانے کے لئے کہ دیکھو، ہم نے تمہارے بادشاہوں کا لباس اپنے نوکروں کو، اپنے خاندانوں کو اور اپنے بیروں کو پہنایا۔ اس قوم کی تنگ نظری کا تو یہ عالم ہے اور ماشاء اللہ ہماری فراخی قلب کا یہ عالم ہے کہ ہم ان کا لباس بڑے فخر سے اور برے ذوق و شوق سے پہننے کے لئے تیار ہیں۔ اب اگر ان سے کوئی کہے کہ یہ لباس پہننا غیرت کے خلاف ہے تو اس کو کہا جاتا ہے کہ تو تنگ نظر ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہر حال اس میں شرعی قباحت کے علاوہ بڑی بے غیرتی کی بھی بات ہے۔

تم اپنا سب کچھ بدل ڈالو، لیکن

یہ بات بھی خوب سمجھ لو کہ تم کتنا ہی ان کا لباس پہن لو، اور کتنا ہی ان کا طریقہ اختیار کر لو، مگر تم پھر بھی ان کی نگاہ میں عزت نہیں پاسکتے، قرآن کریم نے صاف صاف کہہ دیا ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (۱)

یہ یہود اور نصاریٰ تم سے کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کی ملت کو اختیار نہیں کر لو گے، ان کے نظریات، ان کے ایمان، ان کے دین کو اختیار نہیں کر لو گے، اس وقت تک وہ تم سے راضی نہیں ہوں گے۔ لہذا اب تم اپنا لباس بدل لو، پوشاک بدل لو، سراپا بدل لو، جسم بدل لو، جو چاہو بدل لو، لیکن وہ تم سے راضی ہونے کو تیار نہیں۔

چنانچہ تم نے تجربہ کر لیا اور سب کچھ کر کے دیکھ لیا، سب کچھ ان کی نقالی پر فغا کر کے دیکھ لیا، سر سے لے کر پاؤں تک تم نے اپنے آپ کو بدل لیا، کیا تم سے وہ لوگ خوش ہو گئے؟ کیا تم سے راضی ہو گئے؟ کیا تمہارے ساتھ انہوں نے ہمدردی کا برتاؤ شروع کر دیا؟ بلکہ آج بھی ان کی دشمنی کا وہی عالم ہے، اور اس لباس کی وجہ سے ان کے دل میں تمہاری عزت کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

اقبال مرحوم کا مغربی زندگی پر تبصرہ

اقبال مرحوم نے نثر کے انداز میں تو بہت گڑبڑ باتیں بھی کی ہیں، لیکن اشعار میں بعض اوقات بڑی حکمت کی باتیں کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ مغربی لباس اور مغربی طرز زندگی وغیرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے:

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے زرقص دختران بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روس
نے زعریاں ساق، نے از قطع موش

یعنی مغربی ممالک کے اندر جو قوت نظر آ رہی ہے، وہ اس چنگ و رباب کی وجہ سے نہیں، موسیقی اور گانوں کی وجہ سے نہیں، اور لڑکیوں کے بے پردہ ہونے اور ان کے ناچنے گانے کی وجہ سے بھی نہیں ہے اور یہ ترقی اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کی عورتوں آدھے سر کے بال کاٹ کر پٹھے بنا لئے، اور نہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اپنی پنڈلیاں نگلی کر لیں۔ آگے کہتے ہیں:

قوت افرونگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است

یعنی جو کچھ قوت ہے وہ ان کی محنت کی وجہ سے ہے، علم و ہنر کی وجہ سے ہے، اور اسی وجہ سے ترقی کر رہے ہیں، پھر آخر میں کہا:

حکمت از قطع و برید جامہ نیست
مانع علم و ہنر عمامہ نیست

یعنی حکمت اور ہنر کسی خاص قسم کا لباس پہننے سے حاصل نہیں ہوتا، اور عمامہ پہننے سے علم و ہنر حاصل ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ بہر حال اصل چیز جو حاصل کرنے کی تھی، وہ تو حاصل کی نہیں، اور لباس و پوشاک اور طریق زندگی میں ان کی نقل اتار کر ان کے آگے بھی اپنے آپ کو ذلیل کر لیا۔ دنیا سے عزت وہی کراتا ہے جس کو اپنے طریق زندگی سے عزت ہو، اگر دل میں اپنی عزت نہیں، اپنے طریقے کی عزت نہیں، تو پھر وہ دنیا سے کیا عزت کرائے گا۔ لہذا تمہارا یہ انداز اور یہ طریقہ ان کو کبھی پسند نہیں آگے گا، چاہے تم ان کے طریقوں میں غرق ہو کر اور ڈوب کر دیکھ لو اور اپنے آپ کو پوری طرح بدل کر دیکھ لو۔

تشبہ اور مشابہت دونوں سے بچو

بہر حال فتوے کی بات وہ ہے جو میں نے پہلے عرض کی کہ ”تشبہ“ تو ناجائز حرام اور گناہ ہے۔ اور ”تشبہ“ کا مطلب یہ ہے کہ ارادہ کر کے ان جیسا بننے کی کوشش کرنا، اور ”مشابہت“ کے معنی یہ ہیں کہ ان جیسا بننے کا ارادہ تو نہیں تھا لیکن کچھ مشابہت پیدا ہو گئی۔ یہ گناہ اور حرام تو نہیں ہے، البتہ کراہت سے خالی نہیں، اور غیرت کے تو بالکل خلاف ہے، اس لئے ان دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔ یہ لباس کا تیسرا اصول تھا۔

لباس کے بارے میں چوتھا اصول

لباس کے بارے میں چوتھا اصول یہ ہے کہ ایسا لباس پہننا حرام ہے جس کو پہن کر دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہو جائے، چاہے وہ لباس ٹاٹ ہی کا کیوں نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی ایک شخص ٹاٹ کا لباس پہنے اور مقصد یہ ہو کہ یہ پہن کر میں لوگوں کی نظروں میں بڑا درویش اور صوفی نظر آؤں اور بڑا متقی اور پرہیزگار بن جاؤں، اور پھر اس کی وجہ سے دوسروں پر اپنی بڑائی کا خیال دل میں آجائے اور دوسروں کی تحقیر پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ ٹاٹ کا لباس بھی تکبر کا ذریعہ اور سبب ہے، اس لئے وہ بھی

حرام ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبر کپڑے پہننے سے نہیں ہوتا، بلکہ دوسروں کی حقارت دل میں لانے سے ہوتا ہے، اس لئے بعض اوقات ایک شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا تواضع والا لباس پہن رہا ہوں، حقیقت میں اس کے اندر تکبر بھرا ہوتا ہے۔

ٹخنے چھپانا جائز نہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر کے ساتھ نیچے گھسیٹے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو رحمت کی نگاہ سے دیکھیں گے بھی نہیں۔ (۱)
دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی زیر جامہ کا کتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ حصہ جہنم میں جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لئے ٹخنوں سے نیچے پانچ جامہ، شلوار، پتلون، لنگی وغیرہ پہننا جائز نہیں، اور اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وعیدیں بیان فرمائیں، ایک یہ کہ ٹخنوں سے نیچے جتنا حصہ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا، اور دوسرے یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف رحمت کی نگاہ سے دیکھے گا بھی نہیں۔ اب دیکھئے کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار پہننا ایک معمولی بات ہے، اگر ایک انچ اوپر شلوار پہن لی تو اس سے کیا آفت اور مصیبت آجائے گی؟ کونسا آسمان ٹوٹ پڑے گا؟ لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت حاصل ہوگی اور یہ ایسا گناہ بے لذت ہے کہ جس میں پوری کی پوری قوم مبتلا ہے، کسی کو فکر ہی نہیں۔

ٹخنے چھپانا تکبر کی علامت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا، اس میں ٹخنے ڈھکنے اور ازار کو نیچے تک پہننے کا بڑا فیشن اور رواج تھا، بلکہ اگر ازار زمین پر بھی گھسٹا جائے تو اس کو اور اچھا اور قابل فخر سمجھا جاتا تھا۔ مدارس کے درس نظامی میں ایک کتاب ”حماسہ“ پڑھائی جاتی ہے جو جاہلیت کے شاعروں کے اشعار پر مشتمل ہے، اس کتاب میں ایک شاعر اپنے حالات پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے:

(۱) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب قول اللہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ، رقم: ۵۳۳۷، صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم جر الثوب خیلاء، رقم: ۳۸۸۷، سنن الترمذی، کتاب اللباس عن رسول اللہ، باب ماجاء فی کراہیۃ جر الازار، رقم: ۱۶۵۲، سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار، رقم: ۳۵۶۳، مسند أحمد، رقم: ۵۰۹۸

”إِذَا مَا اصْطَبَحْتُ أَرْبَعًا خَطَّ مِثْرَی“ (۱)

”جب میں صبح کے وقت شراب کے چار جام چڑھا کر نکلتا ہوں تو میرا ازار

زمین پر لکیریں بناتا ہوا جاتا ہے“

اب وہ اپنے اس طرز عمل کو اپنا قابل فخر کارنامہ بتا رہا ہے، لیکن جب حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے جس طرح جاہلیت کے اور طریقوں کو ختم فرمایا، اسی طرح اس طریقے کو بھی ختم فرمایا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس عمل کے ذریعہ دل میں تکبر اور رعوت پیدا ہوتی ہے، لہذا ازار ٹخنوں سے اوپر ہونا چاہئے۔ اس سے اس پر وہیکینڈہ کا بھی جواب ہو گیا جو آج کل بہت پھیلا یا جا رہا ہے، اور بہت سے لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ درحقیقت حضور اقدس ﷺ نے وہ طریقے اختیار کر لئے جو آپ کے زمانے میں رائج تھے، اور جیسا لباس قریش میں رائج تھا، جیسی وضع قطع رائج تھی، اسی کو اختیار کر لیا، اب اگر آج ہم اپنے دور کے رائج شدہ طریقے اختیار کر لیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ خوب سمجھ لیجئے کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی بھی اپنے زمانے میں رائج طریقوں کو اختیار نہیں فرمایا، بلکہ ان میں تبدیلی پیدا کی اور ان کو ناجائز قرار دیا۔ آج لوگ نہ صرف یہ کہ غلط کاری میں مبتلا ہیں، بلکہ بعض اوقات بحث کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ اگر ازار ٹخنوں سے ذرا نیچے ہو گیا تو اس میں کیا حرج ہے؟ ارے حرج یہ ہے کہ یہ حصہ جہنم میں جائے گا اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہے۔

انگریز کے کہنے پر گھٹنے بھی کھول دیئے

ہمارے بزرگ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمہ اللہ ایک تقریر میں فرمانے لگے کہ اب ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ٹخنے کھول دو اور ٹخنے ڈھکنا جائز نہیں تو اس وقت ہم لوگ ٹخنے کھولنے کو تیار نہیں تھے اور جب انگریز نے کہا کہ گھٹنے کھول دو اور نیکر پہن لو، تو اب گھٹنے کھلوانے کو تیار ہو گئے۔ انگریز کے حکم پر گھٹنے بھی کھول دیا اور نیکر پہن لی اور حضور اقدس ﷺ کے حکم پر ٹخنے کھولنے پر تیار نہیں۔ یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے۔ ارے حضور اقدس ﷺ سے محبت کے بھی کچھ تقاضے ہیں لہذا جب آپ ﷺ نے اس عمل کو ناپسند فرمایا تو ایک مسلمان کو کس طرح یہ گوارا

(۱) دیوان الحماسہ (۵۵/۱)، پورا شعریوں ہے:

إِذَا مَا اصْطَبَحْتُ أَرْبَعًا خَطَّ مِثْرَی

وَاتَّبَعْتُ ذُلُوْی فِی السَّمَا حِ رَشَاءَ بَہَا

”جب میں صبح کے وقت شراب کے چار جام چڑھا تا ہوں تو اس وقت میرا ازار زمین پر گھسٹ رہا ہوتا ہے اور

میں اس نشے کی حالت میں بھی پوری پوری سخاوت کرتا ہوں اور ہر حق والے کو اس کا حق ادا کرتا ہوں“

ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے خلاف کرے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ میں نے آپ کو پہلے بھی سنایا تھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ کفار مکہ سے مذاکرات کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، تو آپ کے چچا زاد بھائی نے جو آپ کے ساتھ تھے کہا کہ یہ آپ کا ازار ٹخنوں سے اونچا ہے اور مکہ کے جن روساء اور سرداروں سے آپ مذاکرات کے لئے جا رہے اور وہ لوگ ایسے آدمی کو حقیر سمجھتے ہیں جس کا ازار ٹخنوں سے اونچا ہو۔ اس لئے آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا ٹخنہ ڈھک لیں اور ازار کو نیچے کر لیں تاکہ وہ لوگ آپ کو حقیر نہ سمجھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

”لَا، هَكَذَا اِزْرَةُ صَاحِبِنَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ (۱)

نہیں، یہ کام نہیں کر سکتا، اس لئے کہ میرے آقا سرکارِ دو عالم ﷺ کا ازار ایسا ہی ہوتا ہے۔ اب چاہے وہ لوگ حقیر سمجھیں یا ذلیل سمجھیں، اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں، بس میرے حضور اقدس ﷺ کا طریقہ یہ ہے اور میں تو اسی کو اختیار کروں گا پھر انہوں نے ہی دنیا سے اپنی عزت کرائی۔ آج ہم اس مصیبت میں مبتلا ہیں کہ ڈر رہے ہیں، جھینپ رہے ہیں، شرم رہے ہیں کہ اگر ازار ٹخنوں سے اونچا کر لیا تو قاعدے کے خلاف ہو جائے گا، وقار کے خلاف ہو جائے گا، فیشن کے خلاف ہو جائے گا۔ خدا کے لیے یہ خیالات دل سے نکال دو اور حضور اقدس ﷺ کی اتباع سنت کا جذبہ دل میں پیدا کرو۔

اگر دل میں تکبر نہ ہو تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟

بعض لوگ یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے تکبر کی وجہ سے ٹخنے سے نیچے ازار پہننے کو منع فرمایا تھا، لہذا اگر تکبر نہ ہو تو پھر ٹخنوں سے نیچے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے تو فرمایا کہ ازار کو ٹخنے سے نیچے نہ کرو، لیکن میرا ازار بار بار ٹخنے سے نیچے ڈھلک جاتا ہے، میرے لئے اوپر رکھنا مشکل ہوتا ہے، میں کیا کروں؟ تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۳۶۸۵۲ (۷/۳۸۶)، روضة المحدثین، رقم: ۵۶۲۲ (۱۲/۱۲۲)،

اتحاف الخیرة المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ، رقم: ۵۵۴۱، الرياض النضرة فی مناقب العشرۃ

تمہارا ازار جو نیچے ڈھلک جاتا ہے، یہ تکبر کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ تمہارے عذر اور مجبوری کی وجہ سے ڈھلک جاتا ہے، اس لئے تم ان میں داخل نہیں۔ (۱)

اب لوگ استدلال میں اس واقعہ کو پیش کر کے یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تکبر کی وجہ سے نہیں کرتے، لہذا ہمارے لئے جائز ہونا چاہئے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے کہ تم تکبر کی وجہ سے کرتے ہو یا تکبر کی وجہ سے نہیں کرتے؟ ارے بھائی یہ تو دیکھو کہ حضور اقدس ﷺ سے زیادہ تکبر سے پاک کون ہو سکتا ہے؟ لیکن حضور اقدس ﷺ نے کبھی زندگی بھر ٹخنوں سے نیچے ازار نہیں پہنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو اجازت دی گئی تھی، وہ ایک مجبوری کی وجہ سے اجازت دی گئی تھی۔ وہ مجبوری یہ تھی کہ ان کے جسم کی بناوٹ ایسی تھی کہ بار بار ان کا ازار خود بخود نیچے ڈھلک جاتا تھا، لیکن تمہارے ساتھ کیا مجبوری ہے؟ اور آج تک آپ نے کوئی ایسا متکبر دیکھا ہے جو یہ کہے کہ میں تکبر کرتا ہوں، میں متکبر ہوں، اس لئے کہ کسی متکبر کو کبھی خود سے اپنے متکبر ہونے کا خیال نہیں آتا۔ اس لئے شریعت نے علامتوں کی بنیاد پر احکام جاری کئے ہیں، یہ نہیں کہا کہ تکبر ہو تو ازار کو اونچا رکھو ورنہ نیچے کر لیا کرو۔ بلکہ شریعت نے بتا دیا کہ جب ازار کو نیچے لٹکا رہے ہو، باوجودیکہ حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرما دیا ہے، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر تکبر ہے، اس لئے ہر حالت میں ازار نیچے لٹکانا جائز ہے۔

علماء محققین کا صحیح قول

اگرچہ بعض فقہاء نے یہ لکھ دیا ہے کہ اگر تکبر کی وجہ سے نیچے کرے تو مکروہ تحریمی ہے اور تکبر کے بغیر کرے تو مکروہ تنزیہی ہے لیکن علماء محققین کا صحیح قول یہ ہے اور جس پر ان کا عمل بھی رہا ہے کہ ہر حالت میں نیچے کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ تکبر کا پتہ لگانا آسان نہیں ہے، اس لئے اس سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی ٹخنوں سے اونچا ازار پہنے اور تکبر کی جڑ ہی ختم کر دے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ان اصولوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بہر حال لباس کے یہ چار اصول ہیں، پہلا اصول یہ ہے کہ وہ ستر ہونا چاہئے دوسرا اصول یہ ہے کہ حدود شریعت میں رہتے ہوئے اس کے ذریعہ زینت بھی حاصل کرنی چاہئے، تیسرا اصول یہ ہے کہ اس کے ذریعہ نمائش اور دکھاوا مقصود نہ ہو، چوتھا اصول یہ ہے کہ اس کے پہننے سے دل میں تکبر پیدا

(۱) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب قول النبی لو كنت متخذاً خلیلاً، رقم: ۳۳۹۲، سنن النسائی، کتاب الزینۃ، باب اسبال الازار، رقم: ۵۲۴۰، سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی اسبال الازار، رقم: ۳۵۶۳، مسند أحمد، رقم: ۵۰۹۸

نہ ہو۔ اب آگے لباس سے متعلق جو احادیث حضور اقدس ﷺ سے منقول ہیں وہ پڑھ لیتے ہیں۔

سفید رنگ کے کپڑے پسندیدہ ہیں

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
(الْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ، وَكَفِنُوا فِيهَا
مَوْتَاكُمْ)) (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سفید رنگ کے کپڑے پہنو، اس لئے کہ مردوں کے لئے سب سے اچھے کپڑے سفید رنگ کے ہیں اور اپنے مردوں کو بھی سفید کفن دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے مردوں کے لئے سفید کے کپڑوں کو پسند فرمایا ہے، اگرچہ دوسرے رنگ کے کپڑے پہننا ناجائز نہیں، حرام نہیں۔ چنانچہ خود حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض اوقات دوسرے رنگ کے کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔ لہذا اگر مرد اس نیت سے سفید کپڑے پہنے کہ آپ ﷺ کو سفید کپڑے پسند تھے تو اس نیت کی وجہ سے انشاء اللہ اتباع سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ ہاں اگر کبھی دوسرے رنگ کا کپڑا پہن لیا تو وہ بھی بعض شرائط کے ساتھ مردوں کے لئے جائز ہے، کوئی ناجائز نہیں، چنانچہ اگلی حدیث ہے:

حضور ﷺ کا سرخ دھاری دار کپڑے پہننا

عَنْ بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْبُوعًا وَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي حُلَّةٍ حُمْرَاءَ مَارَأَيْتُ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ. (۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ درمیانہ قد کے تھے، اور میں نے آپ کو ایک مرتبہ سرخ جوڑے میں دیکھا اور میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت چیز اس کائنات میں کوئی نہیں دیکھی۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب الجنائز عن رسول اللہ، باب ما يستحب من الاكفان، رقم: ۹۱۵، سنن

النسائی، کتاب الجنائز، باب ای الکفن خیر، رقم: ۱۸۷۰، سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی

الامر بالکحل، رقم: ۳۳۸۰، مسند أحمد، رقم: ۲۱۰۹

(۲) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب الثوب الاحمر، رقم: ۵۴۰۰، سنن النسائی، کتاب الزینة،

باب اتخاذ الجمعة، رقم: ۵۱۳۷

بلکہ ایک صحابی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چودہویں کا چاند چمک رہا تھا، چاندنی رات تھی، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سرخ جوڑا پہنے تشریف فرما تھے، تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنے حسین لگ رہے تھے کہ میں بار بار کبھی چودہویں کے چاند کو دیکھتا، اور کبھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا، آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ یقیناً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال چودہویں کے چاند سے کہیں زیادہ تھا۔ تو ان احادیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سرخ جوڑا پہننا ثابت ہے۔ (۱)

خالص سرخ کپڑے مرد کے لئے جائز نہیں

لیکن یہ بات سمجھ لیجئے کہ سرخ جوڑے سے مراد یہ نہیں ہے کہ پورا سرخ تھا، بلکہ علماء کرام نے دوسری روایات کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے کہ اس زمانے میں یمن سے کچھ چادریں آیا کرتی تھیں، ان چادروں پر سرخ رنگ کی دھاریاں ہوا کرتی تھیں، پوری سرخ نہیں ہوتی تھیں، اور وہ بہت اچھا کپڑا سمجھا جاتا تھا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سرخ دھاریوں والے کپڑے کا جوڑا پہنا ہوا تھا۔ اور یہ جوڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے پہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو پتہ چل جائے کہ اس قسم کے کپڑے پہننا جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، البتہ بالکل خالص سرخ کپڑا پہننا مرد کے لئے جائز نہیں۔ اسی طرح ایسے کپڑے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں، ایسے کپڑے پہننا بھی مردوں کے لئے جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ تشبہ ہو جائے گا اور یہ تشبہ بھی ناجائز ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سبز کپڑے پہننا

عَنْ رُفَاعَةَ التَّيْمِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ. (۲)

حضرت رفاعہ تیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو سبز رنگ کے کپڑے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز رنگ کے کپڑے بھی پہنے ہیں، تو کبھی کبھی آپ نے دوسرے رنگوں کے کپڑے پہن کر یہ بتا دیا کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ کپڑا سفید ہی تھا۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب الادب عن رسول اللہ، باب ما جاء فی الرخصة فی لبس الحمرۃ للرجال،

رقم: ۲۷۳۵، سنن الدارمی، المقدمة، باب فی حسن النبی، رقم: ۵۷

(۲) سنن النسائی، کتاب الزینة، باب لبس الخضر من الثياب، رقم: ۵۲۲۴، سنن ابی داؤد، کتاب

اللباس، باب فی الخضرة، رقم: ۳۵۴۳

آپ ﷺ کے عمامے کے رنگ

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ. (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فتح مکہ کے دن جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ﷺ کے سر پر سیاہ رنگ کا عمامہ تھا۔ حضور اقدس ﷺ سے سیاہ عمامہ پہننا ثابت ہے اور بعض روایات سے سفید عمامہ پہننے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

آستین کہاں تک ہونی چاہئے

وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ يَدُكُمْ قَمِيصِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّسْغِ. (۲)

یعنی حضور اقدس ﷺ کی قمیص کی آستین گٹوں تک ہوتی تھی۔ اس لئے مردوں کے لئے تو سنت یہ ہے کہ ان کی آستین گٹوں تک ہو، اگر اس سے کم ہوگی سنت ادا نہیں ہوگی، اگرچہ جائز ہے، لیکن عورتوں کے لئے گٹوں سے اوپر کا تو حصہ کھلا رکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں، حرام ہے، کیونکہ ان کے لئے نیچے سے نیچے پوری کلائی ستر میں داخل ہے، اس کا کھولنا کسی بھی حال میں جائز نہیں۔

آج کل یہ فیشن بھی عورتوں میں چل پڑا ہے کہ قمیص کی آستین آدھی ہوتی ہے اور بسا اوقات پورے بازو کھلے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی سالی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہنا چاہئے سوائے گٹوں تک ہاتھوں کے اور چہرے کے۔ لہذا اگر آستین چھوٹی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ستر کا حصہ کھلا ہوا ہے اور اس طرح خواتین ستر کھولنے کے گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں، اس لئے ان کو اس کا بھی اہتمام کرنا

(۱) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير احرام، رقم: ۲۴۱۹، سنن الترمذی، کتاب اللباس عن رسول الله، باب ما جاء في العمامة السوداء، رقم: ۱۶۵۷، سنن النسائی، کتاب مناسك الحج، باب دخول مكة بغير احرام، رقم: ۲۸۲۰، سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب في العمامة، رقم: ۳۵۵۴، سنن ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب لبس العمامة في الحرب، رقم: ۲۸۱۲، مسند أحمد، رقم: ۱۴۳۷۵

(۲) سنن الترمذی، کتاب اللباس عن رسول الله، باب ما جاء في القميص، رقم: ۱۶۸۷، سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب ما جاء في القميص، رقم: ۳۵۰۹

چاہئے۔ اور مردوں کو بھی چاہئے کہ وہ خواتین کو ان باتوں پر متنبہ کرتے رہیں، یہ جو ہم نے کہنا سنا چھوڑ دیا ہے، اس کے نتیجے میں ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ .

☆ بیمار کی عیادت کے آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.
عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ: ((عِيَادَةُ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيعُ الْعَاطِسِ، وَنَصْرُ الضَّعِيفِ، وَعَوْنُ الْمَظْلُومِ، وَافْشَاءُ السَّلَامِ، وَابْرَارُ الْمُقْسِمِ)) (۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا، ایک مریض کی عیادت کرنا، دوسرے جنازوں کے پیچھے چلنا، تیسرے چھینکنے والے کے ”الحمد للہ“ کہنے کے جواب میں ”یرحمک اللہ“ کہنا، چوتھے کمزور آدمی کی مدد کرنا، پانچویں مظلوم کی امداد کرنا، چھٹے سلام کو رواج دینا، ساتویں قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے میں اس کی مدد کرنا۔

یہ ساتوں چیزیں جن کا حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث میں حکم فرمایا ہے، بڑی اہمیت رکھتی ہیں، اس لئے ایک مسلمان کی زندگی کے آداب میں سے ہے کہ وہ ان باتوں کا اہتمام کرے۔ اس لئے ان ساتوں چیزوں کو تفصیل کے ساتھ عرض کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام باتوں پر سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بیمار پرسی ایک عبادت ہے

سب سے پہلی چیز جس کا حضور اقدس ﷺ نے حکم فرمایا وہ ہے مریض کی عیادت کرنا اور بیمار کی بیمار پرسی کرنا۔ مریض کی عیادت کرنا یہ مسلمان کے حقوق میں سے بھی ہے اور یہ ایسا عمل ہے جس کو سب کرتے ہیں۔ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا شخص ہوگا جس نے زندگی میں کبھی بیمار پرسی نہ کی ہو لیکن

☆ اصلاحی خطبات (۶/۱۶۴ تا ۱۸۰) ۱۲۲ اکتوبر ۱۹۹۳ بروز جمعہ، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب افشاء السلام، رقم، ۵۷۶۶، مسند أحمد، رقم: ۱۷۷۷۳

ایک بیمار پرسی تو صرف رسم پوری کرنے کے لئے کی جاتی ہے کہ اگر ہم اس بیمار کی عیادت کرنے کے لئے نہ گئے تو لوگوں کو شکایت ہوگی، ایسی صورت میں انسان دل پر جبر کر کے عیادت کرنے کے لئے جاتا ہے۔ اس لئے کہ دل میں اخلاص نہیں ہے، ایک عیادت تو یہ ہے لیکن حضور اقدس ﷺ جس عیادت کا ذکر فرما رہے ہیں وہ عیادت ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے علاوہ کچھ اور نہ ہو، اخلاص کے ساتھ اور اجر و ثواب حاصل کرنے کی نیت سے انسان عیادت کرے، احادیث میں عیادت کے جو فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ اسی عیادت پر مرتب ہوتے ہیں۔

سنت کی نیت سے بیمار پرسی کریں

مثلاً آپ ایک شخص کی عیادت کرنے جا رہے ہیں اور دل میں یہ خیال ہے کہ جب ہم بیمار پڑیں گے تو یہ بھی ہماری عیادت کے لئے آئے گا۔ لیکن اگر یہ ہماری عیادت کرنے کے لئے نہیں آگے گا تو پھر آئندہ ہم بھی اس کی عیادت کے لئے نہیں جائیں گے۔ ہمیں اس کی عیادت کی کیا ضرورت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عیادت ”بدلے“ کے لئے ہو رہی ہے، رسم پوری کرنے کے لئے ہو رہی ہے، ایسی عیادت پر کوئی ثواب نہیں ملے گا لیکن جب عبادت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو اس صورت میں آدمی یہ نہیں دیکھتا کہ میں جب بیمار ہوا تھا۔ اس وقت یہ میری عیادت کے لئے آیا تھا یا نہیں؟ بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر یہ نہیں بھی آیا تھا تب بھی میں اس کی عیادت کے لئے اس کے پاس جاؤں گا کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے عیادت کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ عیادت خالصتاً اللہ کے لئے کی جا رہی ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ کی سنت پوری کرنے کے لئے کی جا رہی ہے۔

ایک شیطانی حربہ

یہ شیطان ہمارا بڑا دشمن ہے، اس نے ہماری اچھی خاصی عبادتوں کا ملیا میٹ کر رکھا ہے، اگر ان عبادتوں کو ہم صحیح نیت اور صحیح ارادے سے کریں تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں بڑا اجر و ثواب ملے اور آخرت کا بڑا ذخیرہ جمع ہو جائے لیکن شیطان یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے لئے آخرت میں اجر و ثواب کا بڑا ذخیرہ تیار ہو جائے، اس لئے وہ ہماری بہت سی عبادتوں میں ہماری نیتوں کو خراب کرتا رہتا ہے۔ مثلاً عزیزوں اور رشتہ داروں، یا دوست احباب سے میل ملاقات کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کو ہدیہ اور تحفہ دینا، یہ سب بڑے اجر و ثواب کے کام ہیں اور سب دین کا حصہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں، اور ان کاموں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے اجر و ثواب کے وعدے ہیں۔ لیکن شیطان نیت کو خراب کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ شخص یہ سوچتا ہے کہ جو شخص میرے ساتھ جیسا

سلوک کرے گا میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کروں گا۔ مثلاً فلاں شخص کے گھر سے میرے گھر کبھی کوئی ہدیہ نہیں آیا، میں اس کے گھر کیوں ہدیہ بھیجوں؟ جب میرے ہاں شادی ہوئی تھی تو اس نے کچھ نہیں دیا تھا۔ میں اس کے ہاں شادی میں کیوں ہدیہ دوں؟ اور فلاں شخص نے چونکہ ہمارے ہاں شادی کے موقع پر تحفہ دیا تھا، لہذا میں بھی اس کو شادی میں ضرور تحفہ دوں گا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مسلمان بھائی کو ہدیہ اور تحفہ دینے کا عمل جس کی حضور اقدس ﷺ نے بڑی فضیلت بیان فرمائی تھی۔ شیطان نے اس کے اجر و ثواب کو خاک ملا دیا، اور اب آپس میں ہدیہ اور تحفہ کا جو لین دین ہو رہا ہے، وہ بطور رسم کے ہو رہا ہے اور بطور ”نیوتہ“ ہو رہا ہے، یہ صلہ رحمی نہیں ہے۔

صلہ رحمی کی حقیقت

صلہ رحمی وہ ہے جو اس بات کو دیکھے بغیر کی جائے کہ دوسرے نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر قربان جائیے۔ آپ نے فرمایا:

((لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي لَيْكِنْ الْوَاصِلُ مَنْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا)) (۱)

یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو مکافات کرے اور بدلہ دے اور ہر وقت اس ناپ تول میں لگا رہے کہ اس نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا اور میں اس کے ساتھ کیسا سلوک کروں۔ بلکہ صلہ رحمی کرنے والا درحقیقت وہ شخص ہے کہ دوسرے شخص کے قطع رحمی کرنے کے باوجود یہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کر رہا ہے یا مثلاً دوسرا شخص تو اس کے لئے کبھی کوئی تحفہ نہیں لایا، لیکن یہ اس کے لئے تحفہ لے کر جا رہا ہے۔ اور اس نیت سے لے جا رہا ہے کہ ہدیہ دینے کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، اور حضور اقدس ﷺ کی سنت پر عمل کرنا ہے، لہذا اب دوسرا شخص ہدیہ دے یا نہ دے میں تو ہدیہ دوں گا، اس لئے کہ میں ”بدلہ“ کا قائل نہیں ہوں میں اس کو درست نہیں سمجھتا۔ حقیقت میں ایسا شخص صلہ رحمی کرنے والا ہے، لہذا ہر معاملے میں ترازو لے کر مت بیٹھ جایا کرو کہ اس نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا، جیسا اس نے کیا تھا میں بھی ویسا کروں گا یہ غلط ہے بلکہ صلہ رحمی کو عبادت سمجھ کر انجام دینا چاہئے۔ جب آپ نماز پڑھتے ہیں تو کیا اس وقت آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ میرا دوست تو نماز نہیں پڑھتا، اس لئے میں بھی نہیں پڑھتا۔ یا میرا دوست جیسی نماز پڑھتا ہے، میں بھی ویسی ہی پڑھوں، نماز کے وقت یہ خیال نہیں آتا، اس لئے کہ اس کی نماز اس کے ساتھ، تمہاری نماز تمہارے ساتھ، اس کا عمل اس کے ساتھ،

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی، رقم: ۵۵۳۲، سنن الترمذی،

کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ، باب ما جاء فی صلوۃ الرحم، رقم: ۱۸۳۱، مسند أحمد، رقم

تمہارا عمل تمہارے ساتھ، بالکل اسی طرح صلہ رحمی بھی ایک عبادت ہے، اگر وہ صلہ رحمی کی عبادت انجام نہیں دے رہا ہے تو تم تو اس عبادت کو انجام دو، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرو۔ اسی طرح اگر وہ تمہاری عیادت کے لئے نہیں آ رہا ہے تو تم تو اس کی عیادت کے لئے جاؤ، اس لئے کہ عیادت کرنا بھی ایک عبادت ہے۔

بیمار پرسی کی فضیلت

یہ عبادت بھی ایسی عظیم الشان ہے کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَرْجَعَ)) (۱)

یعنی جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے، جتنی دیر وہ عیادت کرتا ہے، وہ مسلسل جنت کے باغ میں رہتا ہے۔ جب تک وہ واپس نہ آ جائے ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغُودُ مُسْلِمًا غُدْوَةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُمَسِّيَ وَإِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُصْبِحَ وَكَانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ)) (۲)

یعنی جب کوئی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح سے لیکر شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو شام سے لیکر صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے ایک باغ متعین فرما دیتے ہیں۔

ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں حاصل کریں

یہ کوئی معمولی اجر و ثواب ہے؟ فرض کریں کہ گھر کے قریب ایک پڑوسی بیمار ہے تم اس کی عیادت

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل عیادة المریض، رقم: ۴۶۵۹، سنن الترمذی، کتاب الجنائز عن رسول اللہ، باب ما جاء فی عیادة المریض، رقم: ۸۹۰، مسند أحمد، رقم: ۲۱۳۷۳

(۲) سنن الترمذی، کتاب الجنائز عن رسول اللہ، باب ما جاء فی عیادة المریض، رقم: ۸۹۱، سنن أبی داود، کتاب الجنائز باب فی فضل العیادة علی وضوء، رقم: ۲۶۹۴، مسند أحمد، رقم: ۹۲۸

کے لیے چلے گئے اور پانچ منٹ کے اندر اتنے عظیم الشان اجر کے مستحق بن گئے۔ کیا پھر بھی یہ دیکھو گے کہ وہ میری عیادت کے لئے آیا تھا یا نہیں؟ اگر اس نے یہ ثواب حاصل نہیں کیا، اگر اس نے ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں نہیں لیں اگر اس نے جنت کا باغ حاصل نہیں کیا تو کیا تم یہ کہو گے کہ میں بھی جنت کا باغ حاصل نہیں کرنا چاہتا، اور مجھے بھی ستر ہزار فرشتوں کی دعاؤں کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ اسے ضرورت نہیں۔ دیکھئے اس اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ نے کتنا آسان بنا دیا ہے، لوٹ کا معاملہ ہے۔ اس لئے عیادت کے لئے جاؤ، چاہے دوسرا شخص تمہاری عیادت کے لئے آئے یا نہ آئے۔

اگر بیمار سے ناراضگی ہو تو

بلکہ اگر وہ بیمار ایسا شخص ہے جس کی طرف سے تمہارے دل میں کراہیت ہے اس کی طرف سے دل کھلا ہوا نہیں ہے، طبیعت کو اس سے مناسبت نہیں ہے، پھر بھی عیادت کے لئے جاؤ گے تو انشاء اللہ اللہ دو ہر ثواب ملے گا، ایک عیادت کرنے کا ثواب اور دوسرے ایک ایسا مسلمان جس کی طرف سے دل میں انقباض تھا۔ اس انقباض کے ہوتے ہوئے تم نے اس کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا۔ اس پر علیحدہ ثواب ملے گا، لہذا مریض کی عیادت معمولی چیز نہیں ہے، خدا کے لئے رسم بنا کر اس کے ثواب کو ضائع مت کرو، صرف اس نیت سے عیادت کرو کہ یہ حضور اقدس ﷺ کا حکم ہے، آپ کی سنت ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں۔

مختصر عیادت کریں

حضور اقدس ﷺ نے عیادت کے بھی کچھ آداب بیان فرمائے ہیں، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کی تفصیل آپ نے بیان نہ فرمائی ہو، ایسے ایسے آداب آپ بتا کر تشریف لے گئے جن کو آج ہم نے بھلا دیا اور ان آداب کو زندگی سے خارج کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ زندگی عذاب بنی ہوئی ہے، اگر ہم ان آداب اور تعلیمات پر عمل کرنا شروع کر دیں تو زندگی جنت بن جائے چنانچہ عیادت کے آداب بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

((مَنْ عَادَ مِنْكُمْ فَلْيُخَفِّفْ)) (۱)

جب تم کسی کی عیادت کرنے جاؤ تو ہلکی پھلکی عیادت کرو یعنی ایسا نہ ہو کہ ہمدردی کی خاطر عیادت کرنے جاؤ، اور جا کر اس مریض کو تکلیف پہنچا دو بلکہ وقت دیکھ لو کہ یہ وقت عیادت کے لئے

(۱) ذخیرہ احادیث میں تلاش بسیار کے باوجود یہ حدیث نہیں مل سکی، البتہ یہی ادب زندگی گزارنے کے سنہری آداب میں ضرور ملتا ہے۔ مرتب

مناسب ہے یا نہیں؟ یہ وقت اس کے آرام کرنے کا تو نہیں ہے؟ یا اس وقت وہ گھر والوں کے پاس تو نہیں ہوگا؟ اس وقت میں اس کو پردہ وغیرہ کا انتظام کرانے میں تکلیف تو نہیں ہوگی، لہذا مناسب وقت دیکھ کر عیادت کے لئے جاؤ۔

یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے

اور جب عیادت کے لئے جاؤ تو مریض کے پاس تھوڑا بیٹھو، اتنا زیادہ مت بیٹھو جس سے اس کو گرانی ہونے لگے، حضور اقدس ﷺ سے زیادہ کون انسانی فطرت سے واقف ہو سکتا ہے دیکھئے بیمار کی طبعی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ ذرا بے تکلف رہے، ہر کام بلا تکلف انجام دے لیکن جب کوئی مہمان آ جاتا ہے تو اس کی وجہ سے طبیعت میں تکلف آ جاتا ہے، مثلاً وہ پاؤں پھیلا کر لیٹنا چاہتا ہے، مہمان کے احترام کی وجہ سے نہیں لیٹ سکتا، یا اپنے گھر والوں سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے مگر اس کی وجہ سے نہیں کر سکتا، اب ہوا یہ کہ تم تو عیادت کی نیت سے ثواب کمانے کے لئے گئے لیکن تمہاری وجہ سے وہ بیمار مشقت میں پڑ گیا، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ عیادت میں ایسا طریقہ اختیار مت کرو جس کی وجہ سے اس مریض پر گرانی ہو، بلکہ ہلکی پھلکی عیادت کرو، مریض کے پاس جاؤ، مسنون طریقے سے اس کا مختصر حال پوچھو، اور جلدی سے رخصت ہو جاؤ، تاکہ اس پر گرانی نہ ہو، یہ نہ ہو کہ اس کے پاس جا کر جم کر بیٹھ گرے، اور ہلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اب وہ بیچارہ نہ تو بے تکلفی سے کوئی کام انجام دے سکتا ہے۔ نہ گھر والوں کو اپنے پاس بلا سکتا ہے، مگر آپ اس کی ہمدردی میں گھنٹوں اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے ایسی عیادت سے ثواب ہونے کے بجائے الٹا گناہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ جو بہت اونچے درجے کے صوفیاء میں سے ہیں، محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے کمالات عطا فرمائے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا اس لئے آپ سے محبت کرنے والے لوگ بھی بہت تھے، اس لئے بیماری کے دوران عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، لوگ آرہے ہیں اور خیریت پوچھ کر واپس جا رہے ہیں، لیکن ایک صاحب ایسے آئے جو وہیں جم کر بیٹھ گئے، اور واپس جانے کا نام ہی نہیں لیتے تھے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی خواہش یہ تھی کہ یہ صاحب واپس جائیں تو میں اپنے ضروری کام بلا تکلف انجام دوں اور گھر والوں کو اپنے پاس بلاؤں، مگر وہ صاحب تو ادھر ادھر کی باتیں

کرنے میں لگے رہے جب بہت دیر گزر گئی اور وہ شخص جانے کا نام ہی نہیں لے رہا تو آخر حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی یہ بیہوشی تو اپنی جگہ تھی مگر عیادت کرنے والوں نے الگ پریشان کر رکھا ہے، نہ مناسب وقت دیکھتے ہیں اور نہ آرام کا خیال کرتے ہیں اور عیادت کے لئے آ جاتے ہیں، اس شخص نے جواب میں کہا کہ حضرت یقیناً ان عیادت کرنے والوں کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں دروازے کو بند کر دوں؟ تاکہ آئندہ کوئی عیادت کرنے کے لئے نہ آئے۔ وہ اللہ کا بندہ پھر بھی نہیں سمجھا کہ میری وجہ سے حضرت والا کو تکلیف ہو رہی ہے آخر کار حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ ہاں دروازہ بند تو کر دو، مگر باہر جا کر بند کر دو، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم تکلیف پہنچا رہے ہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو ان کی خدمت کر رہے ہیں۔

عیادت کے لئے مناسب وقت کا انتخاب کرو

لہذا اپنا شوق پورا کرنے کا نام عیادت نہیں اور عیادت کا یہ مقصد ہے کہ اسکے ذریعہ برکت حاصل ہو، یہ نہیں کہ بڑی محبت سے عیادت کے لئے گئے اور جا کر شیخ کو تکلیف پہنچا دی۔ محبت کے لئے عقل درکار ہے، ایسی محبت محبت نہیں ہے بلکہ وہ دشمنی ہے، وہ نادان دوست کی محبت ہے، لہذا عیادت میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جس شخص کی عیادت کے لیے گئے ہو اس کو تکلیف نہ ہو یا مثلاً آپ رات کو بارہ بجے عیادت کے لیے پہنچ گئے جو اس کے سونے کا وقت ہے یا دوپہر کو آرام اور قیلولے کے وقت عیادت کے لئے پہنچ گئے اور اس کو پریشان کر دیا۔ اس لئے عقل سے کام لو سوچ سمجھ کر جاؤ کہ تمہارے جانے سے اس کو تکلیف نہ پہنچے تب تو عیادت سنت ہے ورنہ پھر وہ رسم ہے۔ بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کا پہلا ادب یہ بیان فرمایا کہ ہلکی پھلکی عیادت کرو۔

بے تکلف دوست زیادہ دیر بیٹھ سکتا ہے

البتہ بعض لوگ ایسے بے تکلف ہوتے ہیں کہ ان کے زیادہ دیر بیٹھنے سے بیمار کو تکلیف کے بجائے تسلی ہوتی ہے اور راحت حاصل ہوتی ہے تو ایسی صورت میں زیادہ دیر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بے تکلف اور محبت کرنے والے استاذ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو حضرت والد صاحب ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، مسنون طریقے سے عیادت کی، جا کر سلام کیا، خیریت معلوم کی، اور دعا کی، اور دو چار منٹ کے بعد واپس جانیکی اجازت طلب کی، تو میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میاں: یہ جو تم نے

اصول پڑھا ہے:

((مَنْ عَادَ مِنْكُمْ فَلْيُخَفِّفْ)) (۱)

”جو شخص عیادت کرے وہ ہلکی پھلکی عیادت کرے“

کیا یہ میرے لئے ہی پڑھا تھا؟ یہ قاعدہ میرے اوپر آزار ہے ہو؟ ارے یہ اصول اس وقت نہیں ہے جب بیٹھنے والے کے بیٹھنے سے مریض کو آرام ملتا ہو آرام سے بیٹھ جاؤ چنانچہ حضرت والد صاحب بیٹھ گئے، بہر حال ہر جگہ کے لئے ایک ہی نسخہ نہیں ہوتا، بلکہ جیسا موقع ہو، جیسے حالات ہوں ویسے ہی عمل کرنا چاہئے لہذا اگر آرام اور راحت پہنچانے کے لئے زیادہ بیٹھے گا تو انشاء اللہ زیادہ ثواب حاصل ہوگا اس لئے کہ اصل مقصود تو اس کو راحت پہنچانا ہے اور تکلیف سے بچانا ہے۔

مریض کے حق میں دعا کرو

عیادت کرنے کا دوسرا ادب یہ ہے کہ جب آدمی کسی کی عیادت کے لئے جائے تو پہلے مختصر اس کا حال دریافت کرے کہ کیسی طبیعت ہے؟ وہ مریض اپنی تکلیف بیان کرے تو پھر اس کے حق میں دعا کرے، کیا دعا کرو؟ یہ بھی حضور اقدس ﷺ ہمیں سکھا گئے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ ان الفاظ سے دعا دیا کرتے تھے:

((لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ)) (۲)

یعنی اس تکلیف سے آپ کا کوئی نقصان نہیں، آپ کے لئے یہ تکلیف انشاء اللہ آپ کے گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنے گی اس دعا میں ایک طرف تو مریض کو تسلی دی کہ تکلیف تو آپ کو ضرور ہے لیکن گناہوں سے پاکی اور آخرت کے ثواب کا ذریعہ بنے گی۔ دوسری طرف یہ دعا بھی ہے کہ اے اللہ اس تکلیف کو اس کے حق میں اجر و ثواب کا سبب بنا دیجئے اور گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنا دیجئے۔

”بیماری“ گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے

یہ حدیث تو آپ نے سنی ہوگی کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کو جو کوئی تکلیف پہنچی ہے حتیٰ کہ اگر اس کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض کوئی نہ کوئی گناہ

(۱) ذخیرہ احادیث میں تلاش بسیار کے باوجود یہ حدیث نہیں مل سکی، البتہ ہمیں اصول زندگی گزارنے کے سنہری آداب میں ضرور ملتا ہے۔ مرتب

(۲) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوا فی الاسلام، رقم: ۳۳۴۷

معاف فرماتے ہیں، اور اس کا درجہ بلند فرماتے ہیں ایک اور حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الْحُمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ)) (۱)

یعنی ”یہ بخار جہنم کی گرمی کا ایک حصہ ہے“ علماء کرام نے اس حدیث کی مختلف تشریحات کی ہیں بعض علماء نے اس کا جو مطلب بیان فرمایا ہے، اس کی بعض احادیث سے تائید بھی ہوتی ہے، وہ یہ کہ بخار کی گرمی انسان کے لئے جہنم کی گرمی کا بدلہ ہوگئی ہے یعنی گناہوں کی وجہ سے آخرت میں جہنم کی جو گرمی برداشت کرنی پڑتی اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ گرمی دیدی تاکہ جہنم کے اندران گناہوں کی گرمی برداشت نہ کرنی پڑے، بلکہ اس بخار کی وجہ سے وہ گناہ دنیا ہی کے اندر دھل جائے اور معاف ہو جائے۔ اس کی تائید اس دعا سے ہوتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ عیادت کے وقت کیا کرتے تھے:

((لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ))

یعنی کوئی غم نہ کرو یہ بخار تمہارے گناہوں سے پاکی کا ذریعہ اور سبب بن جائے گا۔

حصول شفا کا ایک عمل

عیادت کرنے کا تیسرا ادب یہ ہے کہ اگر موقع مناسب ہو اور اس عمل کے ذریعہ مریض کو تکلیف نہ ہو تو یہ عمل کرے کہ مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے:

((اللَّهُمَّ رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ الْبَأْسَ أَنْتَ الشَّافِي لَا شَافِيَ إِلَّا أَنْتَ لَا يُغَادِرُ

سَقَمًا)) (۲)

”اے اللہ، جو تمام انسانوں کے رب ہیں، تکلیف کو دور کرنے والے ہیں، اس بیمار

کو شفا عطا فرما، آپ شفا دینے والے ہیں، آپ کے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں۔

اور ایسی شفا عطا فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے“

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، رقم: ۳۰۲۱، صحیح مسلم،

کتاب السلام، باب لكل داء واستحب التداوی، رقم: ۴۰۹۳، سنن الترمذی، کتاب الطب عن

رسول اللہ، باب ماجاء فی تبرید الحمی بالماء، رقم: ۲۰۰۰، سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب

الحمی من فیح جہنم فابردوها بالماء، رقم: ۳۴۶۲، مسند أحمد، رقم: ۲۵۱۷

(۲) صحیح البخاری، کتاب المرضى، باب دعا العائد للمریض، رقم: ۵۲۴۳، صحیح مسلم،

کتاب السلام، باب استحباب رقیة المریض، رقم: ۴۰۶۱، سنن الترمذی، کتاب الجنائز عن

رسول اللہ، باب ما جاء فی التعوذ للمریض، رقم: ۸۹۵، سنن أبی داود، کتاب الطب، باب فی

تعلیل التمام، رقم: ۳۳۸۵، مسند أحمد، رقم: ۵۳۳

یہ دعا جس کو یاد نہ ہو اس کو چاہئے کہ اس کو یاد کر لیں اور پھر یہ عادت بنالیں کہ جس بیمار کے پاس جائیں موقع دیکھ کر یہ دعا ضرور پڑھ لیں۔

ہر بیماری سے شفا

ایک اور دعا بھی حضور اقدس ﷺ سے منقول ہے جو اس سے بھی زیادہ آسان اور مختصر ہے اس کو یاد کرنا بھی آسان ہے اور اس کا فائدہ بھی حضور اقدس ﷺ نے بڑا عظیم بیان فرمایا ہے وہ دعا یہ ہے:

((أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيكَ)) (۱)

”عظمت والے اللہ، اور عظیم عرش کے مالک سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو شفا عطا فرمادے“

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان بندہ دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کے وقت سات مرتبہ یہ دعا کرے تو اگر اس بیمار کی موت کا وقت نہیں آیا تو پھر اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو صحت عطا فرمادیں گے ہاں اگر کسی کی موت ہی کا وقت آچکا ہو تو اس کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

عیادت کے وقت زاویہ نگاہ بدل لو

اور ان دعاؤں کے پڑھنے میں تین طرح سے ثواب حاصل ہوتا ہے ایک ثواب تو اس بات کا ملے گا کہ آپ نے مریض کی عیادت کے دوران حضور اقدس ﷺ کی سنت پر عمل کیا اور وہ الفاظ کہے جو عیادت کے وقت حضور اقدس ﷺ کہا کرتے تھے، دوسرے ایک مسلمان بھائی کے ساتھ ہمدردی کرنے کا ثواب حاصل ہوگا، تیسرے اس کے حق میں دعا کرنے کا ثواب حاصل ہوگا۔ اس لئے کہ دوسرے مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا باعث اجر و ثواب ہے، گویا کہ اس چھوٹے سے عمل کے اندر تین ثواب جمع ہیں، لہذا مریض کی عیادت تو سب کرتے ہی ہیں لیکن عیادت کے وقت ذرا زاویہ نگاہ بدل لو، اور اتباع سنت کی نیت کر لو، اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کر لو، اور عیادت کے جو آداب ہیں اس پر عمل کر لو یعنی مختصر وقت کے لئے عیادت کرو، اور عیادت کے وقت حضور اقدس ﷺ کی بتائی ہوئی دعائیں پڑھ لو، تو پھر ماشاء اللہ عیادت کا یہ معمولی سا عمل عظیم عبادت بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم

(۱) سنن الترمذی، کتاب الطب عن رسول اللہ، باب ما جاء فی النداوی بالعسل، رقم: ۲۰۰۹،

سنن أبی داود، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمریض عند العیادة، رقم: ۲۷۰۰، مسند أحمد،

سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

دین کس چیز کا نام ہے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے کام کی بات بیان فرماتے تھے، دل پر نقش کرنے کے قابل ہے، فرماتے تھے کہ ”دین صرف زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے، صرف ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائیگی، یہی سب کام جو اب تک تم انجام دے رہے تھے وہ سب عبادت بن جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام بن جائیں گے بشرطیکہ دو کام کر لو، ایک نیت درست کر لو دوسرے اس کا طریقہ سنت کے مطابق انجام دے دو بس اتنا کرنے سے ہی کام دین بن جائیں گے۔ اور بزرگوں کے پاس جانے سے یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ انسان کا زاویہ نگاہ بدل دیتے ہیں، سوچ کا انداز بدل دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں انسان کے اعمال اور افعال کا رخ صحیح ہو جاتا ہے پہلے وہ دنیا کا کام تھا اور اب وہ دین کا کام بن جاتا ہے اور عبادت بن جاتا ہے۔

عیادت کے وقت ہدیہ لے جانا

مریض کی عیادت کے موقع پر ایک اور رسم ہمارے یہاں جاری ہے وہ یہ کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب عیادت کے لئے جائیں تو کوئی ہدیہ، تحفہ ضرور لیکر جانا چاہیے مثلاً پھل فروٹ یا بسکٹ وغیرہ اور اس کو اتنا ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ بعض لوگ جب تک کوئی ہدیہ لے کر جانے کی استطاعت نہیں ہوتی، عیادت کے لئے ہی نہیں جاتے اور دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر خالی ہاتھ چلے گئے تو وہ مریض یا مریض کے گھر والے کیا سوچیں گے کہ خالی ہاتھ عیادت کے لئے آ گئے۔

یہ ایسی رسم ہے جس کی وجہ سے شیطان نے ہمیں عیادت کے عظیم ثواب سے محروم کر دیا ہے حالانکہ عیادت کے وقت کوئی ہدیہ، تحفہ لے کر جانا نہ سنت ہے نہ فرض نہ واجب۔ پھر کیوں ہم نے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ خدا کے لئے اس رسم کو چھوڑ دو اس کی وجہ سے عیادت کے فضائل اور اس پر ملنے والے اجر و ثواب سے محروم مت ہو جاؤ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے اور ہر کام سنت کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بہر حال اس حدیث میں جن سات چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے یہ پہلی چیز کا بیان تھا۔ باقی چیزوں کا بیان انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں عرض کرونگا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆

☆ جنازے کے آداب اور چھینکنے کے آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ ((بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيعِ الْعَاطِسِ وَنَصْرِ
الضَّعِيفِ وَعَوْنِ الْمَظْلُومِ وَافْشَاءِ السَّلَامِ وَابْرَارِ الْمُقْسِمِ)) (۱)

ایک مسلمان کے ذمے دوسرے مسلمانوں کے جو حقوق ہیں، ان میں سے دو کا بیان پیچھے ہو چکا:
(۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا

تیسرا حق جو اس حدیث میں بیان فرمایا وہ ہے ”اتباع الجنائز“ جنازوں کے پیچھے جانا۔ یہ بھی
بڑی فضیلت والا کام ہے اور مرنے والے کا حق ہے۔ البتہ یہ حق مردوں پر ہے، عورتوں پر یہ حق نہیں
ہے، اور عیادت مریض کا عمل مرد کے لئے بھی ہے اور عورت کے لئے بھی ہے اور عیادت مریض کا جو
ثواب مرد کے لئے ہے، وہی ثواب عورت کے لئے بھی ہے۔ لیکن جنہوں کے پیچھے جانا صرف
مردوں کے ساتھ خاص ہے، البتہ خواتین تعزیت کے لئے جاسکتی ہیں، اور ”انشاء اللہ“ اللہ تعالیٰ کی
ذات سے امید ہے کہ ان کو تعزیت کرنے میں بھی وہی اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا جو مردوں کو
جنازے کے پیچھے جانے سے حاصل ہوتا ہے۔

جنازے کے پیچھے چلنے کی فضیلت

حضور اقدس ﷺ نے جنازے کے پیچھے چلنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک
حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

☆ اصلاحی خطبات (۱۲/۱۰۲ تا ۱۲۷) بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب افشاء السلام، رقم، ۵۷۶۶، مسند أحمد، رقم: ۱۷۷۷۳

((مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتَّى يُصَلِّيَ عَلَيْهَا فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَهَا حَتَّى تُدْفَنَ فَلَهُ قِيرَاطَانِ)) قِيلَ: وَمَا الْقِيرَاطَانِ؟ قَالَ: ((مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ)) (۲)
 ”جو شخص جنازے کے ساتھ اس کی نماز پڑھی جانے تک حاضر رہے، اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو شخص دفن تک شریک رہے، اس کو دو قیراط ثواب ملے گا۔
 کسی صحابی نے سوال کیا یا رسول اللہ! یہ دو قیراط کیسے ہونگے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ یہ قیراط دو بڑے پہاڑوں کے برابر ہوں گے“
 بہر حال، نماز جنازہ پڑھنے اور دفن تک شریک ہونے کا بڑا عظیم ثواب ہے۔

جنازے میں شرکت کے وقت نیت کیا ہو؟

جنازہ کے پیچھے جانے کا عمل ایسا ہے جو ہم سب کرتے ہیں، شاید ہی کوئی شخص ہوگا جو کبھی بھی جنازے کے پیچھے نہیں گیا ہوگا، بلکہ ہر شخص کو اس عمل سے سابقہ پڑتا ہے، لیکن صحیح طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یہ عمل بھی ایک رسمی خانہ پوری ہو کر رہ جاتا ہے، مثلاً بعض اوقات جنازہ میں شرکت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر شرکت نہ کی تو لوگ ناراض ہو جائیں گے، یہ نیت اور مقصد غلط ہے۔ اس لئے جنازہ میں شرکت کرتے وقت اپنی نیت درست کر لو اور یہ نیت کر لو کہ میں اس مسلمان کا حق ادا کرنے کے لئے شرکت کر رہا ہوں، اور جنازے کے پیچھے چلنا چونکہ حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے اور آپ ﷺ کا حکم ہے، اس لئے میں بھی آپ ﷺ کی اتباع میں شریک ہو رہا ہوں۔ اس نیت سے جب شرکت کرو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ عمل بڑے اجر و ثواب کا باعث بن جائے گا۔

جنازے کے ساتھ چلتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا

دوسرے یہ کہ جنازہ میں شرکت کرنے کا طریقہ سنت کے مطابق ہونا چاہئے، ناواقفیت اور بے دھیانی کی وجہ سے ہم بہت سی سنتوں پر عمل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں اور بلا وجہ اجر و ثواب ضائع کر دیتے ہیں، ذرا سادھیان اگر کر لیں گے تو ایک ہی عمل میں بہت سارے ثواب حاصل ہو جائیں گے۔ مثلاً ناواقفیت کی وجہ سے ہمارے یہاں ایک طریقہ یہ چل پڑا ہے کہ جب جنازے کو کندھا دیا جاتا ہے تو ایک آدمی بلند آواز سے نعرہ لگاتا ہے ”کلمہ شہادت“ اور دوسرے لوگ اس کے جواب میں بلند

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من انتظر حتى تدفن، رقم: ۱۲۴۰، صحیح مسلم، کتاب

الجنائز، باب فضل الصلاة على الجنابة واتباعها، رقم: ۱۵۷۰، سنن النسائی، کتاب الجنائز،

باب ثواب من صلى على جنازة، رقم: ۱۹۶۸

آواز سے ”اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ“ پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، یہ عمل نہ تو حضور اقدس ﷺ نے کیا، نہ صحابہ کرام نے کیا، اور نہ ہی ہمارے بزرگان دین سے یہ عمل منقول ہے۔ بلکہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے کسی قسم کا کوئی ذکر بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے، اور جنازے کے ساتھ جانے کا ادب یہ ہے کہ خاموش چلے، بلا ضرورت باتیں کرنا بھی اچھا نہیں، لہذا ”کلمہ شہادت“ کا نعرہ لگانا یا ”شہادت“ بلند آواز سے پڑھنا سنت کے خلاف ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

جنازہ اٹھاتے وقت موت کا مراقبہ کریں

اور خاموش چلنے میں حکمت یہ ہے کہ خاموش رہ کر یہ غور کرو اور سوچو کہ جو وقت اس پر آیا ہے، تم پر بھی آنے والا ہے، یہ نہیں کہ اس جنازے کو تو تم لے جا کر قبر میں دفن کر دو گے اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے، لہذا خاموش رہ کر اس موت کا مراقبہ کرو کہ ایک دن اسی طرح میں بھی مر جاؤں گا اور میرا بھی جنازہ اسی طرح اٹھایا جائے گا اور مجھے بھی قبر میں دفن کر دیا جائے گا اس طرح موت کا مراقبہ کرنے کے نتیجے میں دل میں کچھ نرمی پیدا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا احساس بڑھے گا، اس لئے خاموش رہ کر موت کا مراقبہ کرنا چاہئے، البتہ کوئی ضروری بات کرنی ہو تو کر سکتے ہیں، کوئی ناجائز اور حرام نہیں ہے، البتہ ادب کے خلاف ہے۔

جنازے کے آگے نہ چلیں

ایک ادب یہ ہے کہ جب جنازہ لے جا رہے ہوں تو جنازہ آگے ہونا چاہئے اور لوگ اس پیچھے پیچھے چلیں، دائیں بائیں چلیں تو بھی ٹھیک ہے، لیکن جنازے کے آگے آگے چلنا ٹھیک نہیں، ادب کے خلاف ہے۔ البتہ کندھا دینے کی غرض سے وقتی طور پر آگے بڑھ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن کندھا دینے کے لئے بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جنازے کے آگے دورویہ لمبی قطار لگا لیتے ہیں، جس کے نتیجے میں جنازہ کے ساتھ چلنے والے تمام لوگ جنازہ سے آگے ہو جاتے ہیں اور جنازہ پیچھے ہو جاتا ہے، یہ طریقہ بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔

جنازے کو کندھا دینے کا طریقہ

اسی طرح جنازے کو کندھا دینے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے میت کے دائیں ہاتھ کی طرف والا پایہ اپنے داھنے کندھے پر رکھیں اور کم از کم دس قدم چلیں، یہ افضل ہے، بشرطیکہ دس قدم

چلنے کی طاقت ہو۔ لہذا دوسرے لوگوں کو اتنی جلدی نہیں کرنی چاہئے کہ ابھی ایک نے جنازہ کندھے پر رکھا اور دوسرے شخص نے فوراً آگے بڑھ کر اس کو لے لیا، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ اگر کوئی کمزور اور ضعیف آدمی ہے تو اس صورت میں دوسرے لوگوں کو چاہئے کہ اس سے جلدی لے لیں تاکہ اس کو تکلیف نہ ہو۔ پھر میت کے دائیں پاؤں کی طرف کا پایہ اپنے داہنے کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، اور پھر میت کے بائیں ہاتھ کی طرف کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، پھر میت کے بائیں پاؤں کی طرف کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، اس طرح ہر شخص جنازے کے چاروں اطراف میں کندھا دے اور چالیس قدم چلے، یہ طریقہ سنت سے زیادہ قریب ہے اور افضل ہے، اگرچہ اس کے خلاف کرنا ناجائز نہیں ہے، لیکن سنت کا ثواب ضائع ہو جائے گا۔

آج کل جنازہ لے جاتے وقت دھکم پیل ہوتی ہے، کندھا دینے کے شوق میں دوسرے مسلمان بھائیوں کو دھکا دیدیا جاتا ہے اور اس بات کا خیال ہی نہیں ہوتا کہ ہم ایذا مسلم کر کے حرام کا ارتکاب کر رہے ہیں، کندھا دینے کا ثواب ضائع کر کے الٹا گناہ کما رہے ہیں۔ اس لیے ایسا نہ کرنا چاہئے، بلکہ اطمینان سے کندھا دینا چاہئے اور دوسروں کو اس کا موقع دینا چاہئے کہ دوسرا مسلمان بھائی کندھا دیتے ہوئے دس قدم پورے کر لے، اس کے بعد آپ اس سے لے لیں۔

جنازے کو تیز قدم سے لے کر چلنا

حضور اقدس ﷺ نے ایک حدیث میں جنازہ لے جانے کا یہ ادب بھی بیان فرمایا کہ جب جنازہ لے کر جاؤ تو ذرا تیز تیز قدم بڑھاؤ، آہستہ مت چلو، اور اس کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ اگر وہ جنتی ہے تو اس کو جنت میں پہنچانے میں کیوں دیر کرتے ہو؟ اس کو جلدی اس کے اچھے ٹھکانے پر پہنچا دو، اور اگر وہ دوزخی ہے۔ معاذ اللہ۔ تو دوزخ والے کو جلدی اس کے ٹھکانے تک پہنچا کر اپنے کندھے سے اس بوجھ کو دور کر دو۔ البتہ اتنی تیزی بھی نہیں کرنی چاہئے جس سے جنازہ حرکت کرنے لگے، ہلنے لگے، بلکہ متوسط انداز کی چال سے چلو اور اس کو جلدی پہنچا دو۔ (۱)

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب السرعة بالجنائز، رقم: ۱۲۳۱، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الاسراع بالجنائز، رقم: ۱۵۶۸، سنن الترمذی، کتاب الجنائز عن رسول اللہ، باب ماجاء فی العشی خلف الجنائز، رقم: ۹۳۲، سنن النسائی، کتاب الجنائز باب السرعة بالجنائز، رقم: ۱۸۸۴، سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الاسراع بالجنائز، رقم: ۲۷۶۷، سنن ابن ماجہ، کتاب ما جاء فی الجنائز، باب ما جاء فی شہود الجنائز، رقم: ۱۴۶۶، مسند أحمد، رقم: ۶۹۶۹

جنازہ زمین پر رکھنے تک کھڑے رہنا

اسی طرح ایک ادب اور سنت یہ ہے کہ قبرستان میں جب تک جنازہ کندھوں سے اتار کر نیچے نہ رکھ دیا جائے، اس وقت تک لوگ نہ بیٹھیں بلکہ کھڑے رہیں، البتہ جب جنازہ نیچے رکھ دیا جائے تو اس وقت بیٹھ سکتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی شخص کمزور اور ضعیف ہے، وہ بیٹھنا چاہتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں لہذا ہر عمل اتباع سنت کی نیت سے اور اس کا اہتمام کر کے کرے تو پھر ہر موقع پر کیا جانے والا ہر عمل عبادت بن جاتا ہے۔

اسلامی الفاظ اور اصطلاحات

چوتھا حق جس کا حدیث میں ذکر ہے وہ ہے ”تشمیت العاطس“ یعنی چھینکے والے کے ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہنے کے جواب میں ”یَرْحَمُکَ اللّٰہ“ کہنا، حضور اقدس ﷺ نے اس کو ”تشمیت“ کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

حضور اقدس ﷺ سے جو الفاظ احادیث میں مروی ہیں یا قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں، وہ الفاظ بھی سیکھنے چاہئیں، ایک زمانہ وہ تھا کہ مسلمان چاہے وہ باقاعدہ عالم نہ ہو اور اس نے کسی مدرسہ سے علم دین حاصل نہ کیا ہو، لیکن اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات سے وہ اتنا مانوس ہوتا تھا کہ بہت سے اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات لوگوں کی زبانوں پر ہوتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ علماء کی تصانیف، کتابیں، تقاریر، وعظ وغیرہ کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، معاشرے میں ان اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات کا عام رواج تھا، اس کا بڑا فائدہ تھا۔

اسلامی اصطلاحات سے جہالت کا نتیجہ

لیکن اب ان اسلامی اصطلاحات سے رفتہ رفتہ ناواقفیت اس درجہ بڑھ گئی ہے اور لوگ اس درجہ ان سے غافل اور لاعمل ہو گئے ہیں کہ اگر عام لفظ بھی اگر ان کے سامنے بولا جائے تو اس طرح حیرت سے چہرہ تکتے لگتے ہیں کہ معلوم نہیں کس زبان کا لفظ بول دیا۔ اس ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ ابھی قریب ہی زمانے کی لکھی علماء کی تصانیف، کتابیں، ملفوظات اور مواعظ پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے اور شکایت کرتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آئیں۔ اب آج کے دور کا عام آدمی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، آپ کے مواعظ اور ملفوظات کو نہیں سمجھتا، اس لئے کہ عام آدمی ان الفاظ سے اور ان اسلامی اصطلاحات سے نا بلد ہے اس سے مانوس نہیں، اور نہ ہی ان الفاظ

کے سمجھنے کی طرف دھیان اور توجہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان علماء کی تصانیف اور سواعظ اور ملفوظات کے استفادہ سے محروم رہ جاتا ہے۔

انگریزی الفاظ کا رواج

لہذا یہ وبا اور بیماری ہمارے اندر پھیل گئی ہے کہ ”اسلامی اصطلاحات“ ہماری بول چال سے خارج ہو گئی ہیں اور دوسری طرف انگریزی زبان داخل ہو گئی، آج اگر شخص تھوڑا سا پڑھ لکھ لے اور میٹرک کر لے یا انٹر پاس کر لے تو اب وہ اپنی گفتگو میں آدھے الفاظ انگریزی کے بولے گا اور آدھے الفاظ اردو کے بولے گا، حالانکہ نہ تو اس کو اردو پوری طرح آتی ہے اور نہ انگریزی پوری طرح آتی ہے، تو انگریزی الفاظ بولنے کا اتنا خیال ہے، لیکن اسلامی اصطلاحات سے اتنا بعد اتنی دوری ہے کہ ان کا مطلب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ ان کو بھی سیکھنے کی فکر کرنی چاہئے۔

آج ”معارف القرآن“ سمجھ میں نہیں آتی

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی تفسیر ”معارف القرآن“ لکھی ہے، انہوں نے لکھی ہی اس مقصد سے تھی کہ ایک عام آدمی کو آسان انداز میں قرآن کریم کی تفسیر سمجھ میں آ جائے۔ لیکن بہت سے لوگ آ کر یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو ”معارف القرآن“ سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر اس سے بھی کوئی آسان تفسیر لکھ دیں تو کہیں گے کہ وہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی، وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کو حاصل کرنے اور ان الفاظ سے اپنے آپ کو مانوس کرنے کی فکر ہی نہیں ہے۔ ورنہ آج سے پچاس سال پہلے ایک عام آدمی جس نے باقاعدہ علم دین حاصل نہیں کیا تھا، اس کے خطوط میں ایسے بہت سے الفاظ نظر آئیں گے کہ آج کل کا گریجویٹ اور ایم اے بھی اس خط کو نہیں سمجھ سکتا۔ بہر حال! اس کی فکر کرنی چاہئے، اس لئے جب حدیث سنا کریں تو اس کے الفاظ سے بھی اپنے کو مانوس کیا کریں۔

چھینکنے کے آداب

بہر حال! یہ لفظ ”تشمیت“ ہے۔ اس لفظ کو ”س“ سے ”تسمیت“ پڑھنا بھی درست ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ جب کسی شخص کو چھینک آئے تو اس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ چھینکنے والے کو ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہنا چاہئے، اور جو شخص پاس بیٹھا سن رہا ہے اس کو ”یَرْحَمُکَ اللّٰہ“ کہنا چاہئے، یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، یہ ”یَرْحَمُکَ اللّٰہ“ کے الفاظ کہنا ”تشمیت“ ہے۔ یہ عربی ہے اور

اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اس بات کی دعا دینا کہ وہ صحیح راستے پر رہے۔

جمائی سستی کی علامت ہے

حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ چھینکنے والا ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہے اور اس کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ ویسے تو ہر فعل اللہ تعالیٰ کے شکر کا متقاضی ہے، لیکن حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((التَّائُؤُتُ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالْعُطَاسُ مِنَ الرَّحْمَنِ)) (۱)

یعنی ”جمائی“ شیطانی اثرات کی حامل ہوتی ہے اور چھینک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک حصہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ”جمائی“ سستی کے وقت آتی ہے اور اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس کو سستی آرہی ہے، اور ”سستی“ شیطانی اثرات لئے ہوئے ہوتی ہے جو انسان کو بھلائی سے، نیک کاموں سے اور صحیح طرز عمل سے باز رکھتی ہے، اگر انسان اس سستی پر عمل کرتا چلا جائے تو بالا آخر وہ ہر طرح کی خیرات سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہذا حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اس سستی کو دور کرو، کاہلی کو دور کرو اور جس خیر کے کام میں سستی آرہی ہے، اس سستی کا مقابلہ کر کے وہ خیر کا کام کر گزرو۔

حضور اقدس ﷺ کا عاجزی اور سستی سے پناہ مانگنا

اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا فرمائی ہے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ)) (۲)

”اے اللہ! میں عاجزی اور سستی سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں“

(۱) ((التَّائُؤُتُ مِنَ الشَّيْطَانِ)) کے لئے دیکھئے: صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس و جنوده، رقم: ۳۰۴۶، صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب تشمیت العاطس و کراهة التاؤب، رقم: ۵۳۱۰، سنن الترمذی، کتاب الادب عن رسول اللہ، باب ماجاء ان اللہ یحب العطاس و یکره التاؤب، رقم: ۲۶۷۰، مسند أحمد، رقم: ۸۷۹۷، ((وَالْعُطَاسُ مِنَ الرَّحْمَنِ)) کے الفاظ نہیں مل سکے۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسير، باب ما یتعوذ من الجبن، رقم: ۲۶۱۱، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب التعوذ من العجز والکسل وغیرہ، رقم: ۴۸۷۸، سنن النسائی، کتاب الاستعاذہ، باب الاستعاذہ من البخل، رقم: ۵۳۵۳، سنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب فی الاستعاذہ، رقم: ۱۳۱۷، مسند أحمد، رقم: ۱۱۶۷۰

اس لئے کہ یہ سستی بہت خراب چیز ہے، اس سے بچنا چاہئے، اور اگر کسی کو سستی ہوتی ہو تو اس کا اس کے علاوہ کوئی علاج نہیں کہ اس سستی کا مقابلہ کرے، مثلاً سستی کی وجہ سے دل چاہ رہا ہے کہ گھر میں پڑا رہوں اور کام پر نہ جاؤں، تو اس کا علاج یہ ہے کہ زبردستی کر کے کھڑا ہو جائے اور اس سستی کا مقابلہ کرے۔ اور ”جمائی“ اس سستی کی ایک علامت ہے، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ”جمائی“ شیطانی اثرات کی حامل ہے۔

چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

اور چھینک کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ چھینک ”رحمن“ کی طرف سے ہے، یعنی اللہ جل شانہ کی رحمت کا ایک عنوان ہے۔ ایک چھینک وہ ہوتی ہے جو نزلہ اور زکام کی وجہ سے آنی شروع ہو جاتی ہے اور مسلسل آتی چلی جاتی ہے، یہ تو بیماری ہے، لیکن اگر ایک آدمی صحت مند ہے اور نزلہ زکام کی کوئی بیماری نہیں ہے، اس کے باوجود اس کو چھینک آرہی ہے تو اس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ ”رحمن“ کی طرف سے رحمت کی علامت ہے۔ چنانچہ اطباء نے لکھا ہے کہ بعض اوقات انسان کے جسم پر کسی بیماری کا حملہ ہونے والا ہوتا ہے تو چھینک اس حملے کو روک دیتی ہے، اس طرح یہ چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا ایک عنوان ہے یہ تو ظاہری رحمت ہے، ورنہ اس کے اندر جو باطنی رحمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ چونکہ چھینک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے عنوانات میں سے ایک عنوان ہے، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی کو چھینک آئے تو ”الحمد للہ“ کہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ کو مت بھولو

ان احکام کے ذریعہ قدم قدم پر یہ سکھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مت بھولو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہر موقع پر رجوع کرو، اور ہر موقع پر یہ کہا جا رہا ہے کہ اس وقت یہ پڑھ لو، اس وقت یہ پڑھ لو، یہ سب اس لئے کہا جا رہا ہے تاکہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے معمور ہو جائے اور ہر تغیر کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی عادت پڑ جائے۔ ساری عبادتوں، سارے زہد، سارے مجاہدوں، ساری ریاضتوں اور سارے تصوف اور سلوک کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی عادت پڑ جائے اور جس سے اللہ تعالیٰ کا تعلق حاصل ہو جائے۔ اس رجوع الی اللہ کی عادت ڈالنے کے لئے حضور اقدس ﷺ نے یہ مختلف طریقے تلقین فرمائے ہیں۔ مثلاً یہ کہ چھینک آئے تو فوراً کہو ”الحمد للہ“

یہ سنت مردہ ہوتی جا رہی ہے

ایک زمانہ وہ تھا کہ جب یہ بات مسلمانوں کے شعائر میں داخل تھی اس کو سکھانے اور بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، اور اس وقت اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ اگر کسی مسلمان کو چھینک آئے گی تو وہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ نہیں کہے گا، بچپن سے تربیت ایسی کی جاتی تھی کہ اس کے خلاف ہوتا ہی نہیں تھا۔ لیکن اب یہ چیز مٹی جا رہی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ سنت بھی مردہ ہوتی جا رہی ہے، اس سنت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے جب چھینک آئے تو فوراً کہو ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“

چھینکنے والے کا جواب دینا واجب ہے

پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ جو شخص چھینکنے والے کے پاس بیٹھا ہے اور اس نے یہ سنا کہ چھینکنے والے نے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہا تو اس سننے والے پر شرعاً واجب ہے کہ جواب میں ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کہے، اسی کا نام ”تشمیت“ ہے۔ اور یہ جواب دینا صرف سنت یا مستحب نہیں بلکہ واجب ہے لہذا اگر کوئی شخص ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کے ذریعہ جواب نہیں دے گا تو اس کو ترک واجب کا گناہ ہوگا۔ البتہ یہ اس وقت واجب ہے کہ چھینکنے والے نے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہا ہو، اور اگر چھینکنے والے نے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ نہیں کہا تو پھر سننے والے پر ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کہنا واجب نہیں۔

البتہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی آسانی فرمادی ہے کہ اس کو واجب علی الکفایہ قرار دیا ہے، یعنی واجب علی العین نہیں ہے کہ ہر سننے والے پر جواب دینا ضروری ہو، بلکہ اگر سننے والے دس افراد ہیں اور ان میں سے ایک نے ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کہہ دیا تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو گیا۔ لیکن ساری مجلس میں کسی ایک فرد نے بھی ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ نہیں کہا تو تمام افراد ترک واجب کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

فرض عین اور فرض کفایہ کا مطلب

یہ سب اصطلاحات بھی جاننے کی ہیں اور سیکھنی چاہئیں۔ دیکھئے! ایک ہے ”فرض عین“ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام ہر ایک آدمی پر فرض ہے، جیسے نماز ہر آدمی پر علیحدہ علیحدہ فرض ہے، ایک کی نماز سے دوسرے کی نماز ادا نہیں ہوتی، اس کو ”فرض عین“ کہا جاتا ہے۔ دوسرا ہے ”فرض کفایہ“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بہت سے افراد میں سے ایک دو افراد نے بھی وہ کام کر لیا تو سب کی طرف سے وہ فریضہ ادا ہو جائے گا، جیسے نماز جنازہ ”فرض کفایہ“ ہے، اگر چند افراد بھی نماز جنازہ ادا کر لیں گے تو

سب کی طرف سے فرض ادا ہو جائے گا، لیکن اگر کوئی بھی نہیں پڑھے گا تو سب گناہ گار ہوں گے۔ مثلاً رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا ”سنت موکدہ علی الکفایہ“ ہے۔ یعنی اگر محلے میں سے کوئی ایک شخص بھی مسجد میں جا کر اعتکاف میں بیٹھ گیا تو تمام اہل محلہ کی طرف سے وہ سنت ادا ہو جائے گی، لیکن اگر ایک شخص بھی اعتکاف میں نہیں بیٹھا تو سارے محلے والے ترک سنت موکدہ کے گناہ گار ہوں گے۔ اسی طرح چھینکنے والے کا جواب دینا ”واجب علی الکفایہ“ ہے، یعنی اگر مجلس میں ایک شخص نے بھی جواب دیدیا تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو گیا، لیکن اگر کسی نے بھی جواب نہ دیا تو سب کے سب ترک واجب کے گناہ گار ہوں گے۔

یہ مسلمان کا ایک حق ہے

ہم لوگ ذرا جائزہ لیں کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس واجب سے کتنی غفلت برتتے ہیں۔ اول تو چھینکنے والا ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ نہیں کہتا، اور اگر وہ ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہے تو سننے والے ”یُرْحَمُکَ اللّٰہُ“ کے ذریعہ جواب دینے کا اتنا اہتمام نہیں کرتے جتنا اہتمام کرنا چاہئے۔ حضور اقدس ﷺ اس حدیث کے ذریعہ یہ بتا رہے ہیں کہ ”تشمیت“ کرنا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے اور اس کے ذمے واجب ہے۔

کتنی مرتبہ جواب دینا چاہئے

البتہ جیسا کہ ابھی بتلایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے آسانی یہ فرمادی ہے کہ ایک تو لہجہ حق کو ”واجب علی الکفایہ“ قرار دیا، دوسرے یہ کہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو مسلسل چھینکیں آرہی ہیں اور وہ مسلسل ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہہ رہا ہے، اور سننے والا مسلسل ”یُرْحَمُکَ اللّٰہُ“ کہتا جا رہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ دوسرے کام چھوڑ کر بس یہی کرتا رہے۔ تو اس کے بارے میں بھی حضور اقدس ﷺ نے یہ ادب بتا دیا کہ اگر ایک مرتبہ چھینک آئے تو جواب دینا واجب ہے، اور دوسری مرتبہ چھینک آئے تو جواب دینا سنت ہے، اور تیسری مرتبہ جواب دینا بھی سنت ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔ اس کے بعد اگر چھینک آئے تو جواب نہ تو واجب ہے اور نہ سنت ہے البتہ اگر کوئی شخص جواب دینا چاہے تو جواب دیدے، انشاء اللہ اس پر بھی ثواب ملے گا۔

حضور ﷺ کا طرز عمل

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مجلس میں حضور اقدس ﷺ تشریف فرما تھے، ایک صحابی کو

چھینک آئی، انہوں نے ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہا، آپ ﷺ نے جواب میں ”یُرْحَمُکَ اللّٰہ“ فرمایا، دوسری مرتبہ پھر چھینک آئی، آپ ﷺ نے جواب دیا ”یُرْحَمُکَ اللّٰہ“ تیسری مرتبہ پھر چھینک آئی آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ جواب دیا ”یُرْحَمُکَ اللّٰہ“ جب چوتھی مرتبہ ان کو چھینک آئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((رَجُلٌ مَزْكُومٌ)) (۱)

یعنی ”ان صاحب کو زکام ہے اور اس مرتبہ آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔“ اس حدیث کے ذریعہ آپ ﷺ نے یہ مسئلہ بتا دیا کہ تیسری مرتبہ کے بعد جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ دیکھئے! شریعت نے ہماری اور آپ کی سہولت کے لئے کن کن باریکیوں کی رعایت فرمائی ہے تاکہ یہ نہ ہو کہ آدمی بس اسی کام میں لگا رہے اور دوسرے ضروری کام چھوڑ بیٹھے۔

یہ جواب دینا کب واجب ہے؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ”یُرْحَمُکَ اللّٰہ“ کے ذریعہ جواب دینا اس وقت واجب ہے جب چھینکنے والا ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہے، اگر چھینکنے والے نے ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ نہیں کہا تو اس کا جواب دینا واجب نہیں، لیکن جواب دینا اچھا ہے، تاکہ چھینکنے والے کو تنبیہ ہو جائے کہ مجھے ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہنا چاہئے تھا۔

حضور اقدس ﷺ کا جواب نہ دینا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک صحابی کو چھینک آئی، انہوں نے ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہا، آپ ﷺ نے جواب میں ”یُرْحَمُکَ اللّٰہ“ فرمایا، تھوڑی دیر کے بعد ایک اور صحابی کو چھینک آئی، لیکن انہوں نے ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ نہیں کہا، آپ ﷺ نے ”یُرْحَمُکَ اللّٰہ“ بھی نہیں کہا۔ ان صحابی نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان صاحب کو تھوڑی دیر پہلے چھینک آئی تھی تو آپ نے ان کو ”یُرْحَمُکَ اللّٰہ“ کے ذریعہ دعا دیدی تھی اور اب مجھے چھینک آئی تھی تو آپ ﷺ مجھے دعا نہیں دی۔ آپ نے جواب دیا کہ ان صاحب نے ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تھا، اس لئے میں نے ان کے جواب میں ”یُرْحَمُکَ اللّٰہ“

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزہد والرفائق، باب تشمیت العاطس و کراهۃ التثاؤب، رقم: ۵۳۰۹،

سنن الترمذی، کتاب الادب عن رسول اللہ، باب ما جاء کم یثمت العاطس، رقم: ۲۶۶۷،

سنن أبی داؤد، کتاب الادب، باب کم مرة یثمت العاطس، رقم: ۴۳۸۰، مسند أحمد،

کہا، تم نے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ نہیں کہا، اس لئے میں نے جواب میں ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ نہیں کہا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کے ذریعہ جواب دینا اس وقت واجب ہے جب چھینکنے والا ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہے۔ (۱)

چھینکنے والا بھی دعا دے

پھر تیسری بات یہ ہے کہ جب ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کے جواب میں سننے والے نے ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کہا تو اب چھینکنے والے کو چاہئے کہ وہ ”يَهْدِيْكُمْ اللَّهُ“ کہے۔

اس لئے کہ جب سننے والے نے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تو اب جواب میں چھینکنے والا اس کو یہ دعا دے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے اور تمہارے سب کام ٹھیک کر دے۔ ان احکام کے ذریعہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو دعا دینے کی عادت ڈالی جا رہی ہے، کیونکہ جب ایک مومن دوسرے مومن کے لئے دعا کرتا ہے تو اس دعا کی قبولیت کی بہت امید ہوتی ہے، اس لئے فرمایا گیا کہ دوسروں کے لئے دعا کیا کرو۔ (۲)

ایک چھینک پر تین مرتبہ ذکر

دیکھئے! چھینک ایک مرتبہ آئی، لیکن اس میں تین مرتبہ اللہ کا ذکر ہو گیا، تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو گیا اور تین دعائیں ہو گئیں۔ اور دو مسلمانوں کے درمیان آپس میں دعاؤں کا تبادلہ ہوا، اور اس تبادلے کے نتیجے میں ایک دوسرے سے ہمدردی اور خیر خواہی کرنے کا ثواب بھی ملا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی قائم ہو گیا۔ یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جو حضور اقدس ﷺ بیان کر کے تشریف لے گئے۔ بہر حال! ”تشمیت“ کرنا، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے اور واجب ہے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب الحمد للعاطس، رقم: ۵۷۵۳، صحیح مسلم، کتاب الزہد والرفائق، باب تشمیت العاطس وکراهة الثأوب، رقم: ۵۳۰۷، سنن الترمذی، کتاب الادب عن رسول اللہ، باب ما جاء فی إيجاب التشمیت بحمد العاطس، رقم: ۲۶۶۶، سنن أبی داود، کتاب الادب، باب فیمن یعطس ولا یحمد اللہ، رقم: ۴۳۸۲، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب تشمیت العاطس، رقم: ۳۷۰۳، مسند أحمد، رقم: ۷۹۹۶

(۲) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب اذا عطس کیف یسمت، رقم: ۵۷۵۶، سنن الترمذی، کتاب الادب عن رسول اللہ، باب ماجاء کیف تشمیت العاطس، رقم: ۲۶۶۳، سنن أبی داود، کتاب الادب، باب ماجاء فی تشمیت العاطس، رقم: ۴۳۷۷، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب تشمیت العاطس، رقم: ۳۷۰۵، مسند أحمد، رقم: ۹۲۵، سنن الدارمی، کتاب الاستئذان، باب اذا عطس الرجل ما یقول، رقم: ۲۵۴۴

کمزور اور مظلوم کی مدد کرنا

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر پانچواں حق یہ بیان فرمایا:

((نَضْرُ الضَّعِيفِ))

”کمزور کی مدد کرنا“

اسی کے ساتھ چھٹا حق یہ بیان فرمایا:

((عَوْنُ الْمَظْلُومِ))

”مظلوم کی مدد کرنا“

”جو شخص کسی ظلم کا شکار ہے، اس سے ظلم دور کرنے کے لئے اس کی مدد کرنا بھی ایک

مومن کا دوسرے مومن پر حق ہے“

اور یہ انسان کے اندر جتنی استطاعت ہو، اس استطاعت کی حد تک دوسرے مسلمان کی مدد کرنا واجب ہے، اگر ایک مومن قدرت کے باوجود دوسرے مومن کو ظلم سے نہ بچائے یا اس کی مدد نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔

مظلوم کی مدد واجب ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلَمُهُ)) (۱)

”ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو

بے یار و مددگار چھوڑتا ہے“

یعنی اگر کوئی شخص کسی مسلمان پر ظلم کر رہا ہے اور تم اس کو روک سکتے ہو، تو ایسے موقع پر اس کو بے یار و مددگار چھوڑنا جائز نہیں، بلکہ اس کی مدد کرنا واجب ہے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب المظالم والغصب، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، رقم: ۲۲۶۲، صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم، رقم: ۴۶۷۷، سنن الترمذی، کتاب الحدود عن رسول الله، باب ما جاء في الستر على المسلم، رقم: ۱۳۴۶، سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب المواخاة، رقم: ۴۲۴۸، مسند أحمد، رقم: ۵۱۰۳

ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جائے گا

بلکہ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے بڑی سخت وعید بیان فرمائی کہ اگر کچھ لوگ یہ دیکھ رہے ہوں کہ کوئی شخص کسی مسلمان پر ظلم کر رہا ہے، چاہے وہ ظلم جانی ہو یا مالی ہو، اور ان کو اس ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی اور اس شخص کو ظلم سے بچانے کی قدرت ہو، پھر بھی وہ اس ظالم کا ہاتھ نہ پکڑیں، اور اس کو ظلم سے نہ بچائیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر اپنا عذاب نازل فرمادے۔

عذاب کی مختلف شکلیں

پھر یہ ضروری نہیں کہ وہ عذاب اسی قسم کا ہو جیسے کچھلی امتوں پر عذاب آئے، مثلاً آسمان سے انکارے برسیں، یا طوفان آجائے، یا ہوا کے جھکڑ چل پڑیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذاب اور عتاب سے محفوظ رکھے۔ آمین، ہم دن رات جو دیکھ رہے ہیں کہ ڈاکے پڑ رہے ہیں، چوریاں ہو رہی ہیں، بد امنی اور بے چینی کا دور دورہ ہے، کسی شخص کی جان، کسی کا مال، کسی کی عزت اور آبرو محفوظ نہیں، ہر شخص بے چینی اور بے اطمینانی کا شکار ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے عذاب کے عنوانات ہیں، یہ سب عذاب کی مختلف شکلیں ہیں۔ اب یہ تو دور آ گیا ہے کہ اپنی آنکھوں سے ایک انسان پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اور اس کو ظلم سے بچانے کی قدرت بھی ہے، لیکن اس کے باوجود اس کو ظلم سے بچانے کی طرف توجہ نہیں ہے۔

احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

خاص طور پر جب سے ہمارے یہاں مغربی تہذیب کا سیلاب اٹھ آیا ہے اور لوگوں کے پاس دولت آگئی ہے تو اس دولت نے لوگوں کو اس طرح اندھا کر دیا ہے مروت، انسانیت، شرافت سب کچل کر وہ گیا ہے۔ اقبال مرحوم نے کہا تھا:

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت

احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

لہذا ان جدید آلات نے مروت کے احساس کچل دیا ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

ایک مرتبہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بہت شاندار کارسٹرک پر گزری، جس میں

کوئی صاحب بہادر بیٹھے تھے، اور اس کار نے ایک راہ گیر کو ٹکڑا کر دیا، وہ سڑک پر گرا اور اس کے جسم سے خون بہنے لگا، مگر ان صاحب بہادر کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ کار روک کر دیکھ لے کہ کتنی چوٹ آئی، صرف اتنا ہوا کہ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا کہ ایک شخص زمین پر گرا ہوا ہے، بس یہ دیکھ کر وہ روانہ ہو گیا۔ وجہ یہ ہے کہ اس دولت نے اور اس مغربی تہذیب نے ہمیں اس درجہ پر پہنچا دیا کہ کسی آدمی کی جان کبھی اور پھر سے زیادہ بے وقعت ہو کر رہ گئی ہے، آج کا انسان انسان نہیں رہا۔

مسلمان کی مدد کرنے کی فضیلت

واقعہ یہ ہے کہ انسان اس وقت تک انسان نہیں بن سکتا جب تک وہ محمد ﷺ کی سنت پر عمل نہ کرے، آپ کی سنت یہ ہے کہ آدمی ضعیف کی مدد کرے اور مظلوم کے ساتھ تعاون کرے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کی بڑی فضیلت بھی ارشاد فرمائی ہے:

((وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ)) (۱)

یعنی جب تک مسلمان کسی معاملے میں اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرتا رہتا ہے اور اس کے کام بناتا رہتا ہے۔

زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے بڑا اچھا ارشاد فرمایا۔ اس حدیث کے بارے میں محدثین کے یہاں یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ جب بھی کوئی طالب علم کسی محدث کے پاس حدیث پڑھنے جاتا ہے تو استاذ اس طالب علم کو سب سے پہلے یہ حدیث سناتے ہیں، وہ حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ

يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ)) (۲)

(۱) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، رقم: ۴۸۶۷، سنن الترمذی، کتاب الحدود عن رسول اللہ، باب ما جاء فی الستر علی المسلم، رقم: ۱۳۴۵، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی المعونة للمسلم، رقم: ۴۶۹۵، سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم: ۲۲۱، مسند أحمد، رقم: ۷۱۱۸

(۲) سنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول اللہ، باب ما جاء فی رحمة الناس، رقم: ۱۸۴۷، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمة، رقم: ۴۲۹۰

”رحم کرنے والوں پر ”رحمن“ رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا“ اور جو آدمی زمین والوں پر رحم کرنا نہیں جانتا، اس کو آسمان والے سے بھی رحمت کی توقع مشکل ہے۔ بہر حال! ضعیف کی مدد کرنا اور مظلوم کی اعانت کرنا اسلامی تعلیمات کا اہم شعار ہے۔

قسم کھانے والے کی مدد کرنا

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق ہیں، ان میں سے ساتواں حق جو حدیث میں بیان فرمایا: وہ ہے:

((إِبْرَارُ الْمُقْسِمِ))

اس کا مطلب ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی قسم کھالی ہے اور اب وہ اس قسم کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہے، تو ایسے مسلمان کی مدد کرنا تاکہ وہ اپنی قسم پوری کر لے، یہ بھی مسلمان کے حقوق میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَإِخْرُذْ عَوَانَا إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆

☆ سلام کرنے کے آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ: ((عِيَادَةُ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ وَنَصْرُ الضَّعِيفِ وَعَوْنُ الْمَظْلُوْمِ وَافْشَاءُ السَّلَامِ وَابْرَارُ الْمُقْسِمِ)) (۱)

سات باتوں کا حکم

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا (۱) مریض کی عیادت کرنا (۲) جنازوں کے پیچھے چلنا (۳) چھینکنے والے الْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا (۴) کمزور آدمی کی مدد کرنا (۵) مظلوم کی امداد کرنا (۶) سلام کو رواج دینا (۷) قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے میں تعاون کرنا“

ان سات میں سے الحمد للہ پانچ چیزوں کا بیان ہو چکا، چھٹی چیز ہے سلام کو رواج دینا اور آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت سلام کرنا۔ سلام کرنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایسا مقرر فرمایا ہے جو ساری دوسری قوموں سے بالکل ممتاز ہے ہر قوم کا یہ دستور ہے کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو کوئی نہ کوئی لفظ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ کوئی ”ہیلو“ کہتا ہے۔ کوئی ”گڈ مارننگ“ کہتا ہے۔ کوئی ”گڈ ایوننگ“ کہتا ہے۔ کوئی ”نمستے“ کہتا ہے۔ کوئی ”نمسکار“ کہتا ہے۔ گویا کہ ہر قوم والے کوئی نہ کوئی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اللہ جل جلالہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے

☆ اصلاحی خطبات (۶/۱۸۲ تا ۱۹۵) ستمبر ۱۹۹۳ء جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب افشاء السلام، رقم ۵۷۶۶، مسند أحمد، رقم ۱۷۷۷۳

ہمارے لئے جو لفظ تجویز فرمایا ہے وہ تمام الفاظ سے نمایاں اور ممتاز ہے، وہ ہے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“

سلام کرنے کا فائدہ

دیکھئے اگر آپ نے کسی سے ملاقات کے وقت ”ہیلو“ کہہ دیا تو آپ کے اس لفظ سے اس کو کیا فائدہ ہوتا؟ دنیا کا کوئی فائدہ ہوا؟ یا آخرت کا کوئی فائدہ ہوا؟ ظاہر ہے کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لیکن اگر آپ نے ملاقات کے وقت یہ الفاظ کہے: ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”تم پر سلامتی ہو، اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں“ تو ان الفاظ سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ نے ملاقات کرنے والے کو تین دعائیں دیدیں اور اگر آپ نے کسی کو ”گڈ مارننگ“ کہا یعنی صبح بخیر، تو اگر اس کو دعا کے معنی پر بھی محمول کر لیں تو اس صورت میں آپ نے جو اس کو دعا دی، وہ صرف صبح اور شام کی حد تک محدود ہے کہ تمہاری صبح اچھی ہو جائے یا تمہاری شام اچھی ہو جائے، لیکن اسلام نے ہمیں جو کلمہ سکھایا، وہ ایسا جامع کلمہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ بھی کسی مخلص مسلمان کا سلام اور دعا ہمارے حق میں اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو انشاء اللہ ساری گندگی ہم سے دور ہو جائے گی اور دنیا و آخرت کی فلاح حاصل ہو جائے گی۔ یہ نعمت آپ کو دنیا کی دوسری قوموں میں نہیں ملے گی۔

سلام اللہ کا عطیہ ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اور فرشتوں کی جو جماعت بیٹھی ہے اس کو سلام کرو۔ اور وہ فرشتے جو جواب دیں اس کو سننا اس لئے کہ وہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر سلام کیا ”السلام علیکم“ تو فرشتوں نے جواب میں کہا: ”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ“ چنانچہ فرشتوں نے لفظ ”رحمۃ اللہ“ بڑھا کر جواب دیا۔ (۱)

یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرح عطا فرمائی۔ اگر ذرا غور کریں تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کا حد و حساب ہی نہیں۔ اب اس سے زیادہ ہماری بد نصیبی کیا ہوگی کہ اس اعلیٰ ترین کلمے کو چھوڑ کر ہم اپنے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب بدء السلام، رقم: ۵۷۵۹، صحیح مسلم، کتاب الجنة

وصفة نعيمها وأهلها، باب يدخل الجنة أقوام أفندتهم مثل أفندة الطير، رقم: ۵۰۷۵،

مسند أحمد، رقم: ۷۸۲۴

بچوں کو ”گڈ مارننگ“ ”گڈ ایوننگ“ سکھائیں۔ اور دوسری قوموں کی نقالی کریں۔ اس سے زیادہ ناقدری اور ناشکری اور محرومی اور کیا ہوگی۔

سلام کرنے کا اجر و ثواب

افضل طریقہ یہ ہے کہ ملاقات کے وقت پورا سلام کیا جائے۔ یعنی ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ صرف ”السلام علیکم“ کہہ دیا تب بھی سلام ہو جائے گا۔ لیکن تین جملے بولنے میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ مجلس میں تشریف فرما تھے ایک صحابی تشریف لائے اور کہا: ”السلام علیکم“ آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ”دس“ اس کے بعد دوسرے صحابی آئے اور آ کر سلام کیا۔ ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ آپ نے ان سلام کا جواب دیا اور فرمایا ”بیس“ اس کے بعد تیسرے صحابی آئے اور آ کر سلام کیا ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ آپ نے ان کو سلام کا جواب دیا اور فرمایا ”تیس“ (۱)

آپ کا مطلب یہ تھا کہ ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کہنے میں بیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کہنے میں تیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اگرچہ سلام کی سنت صرف ”السلام علیکم“ کہنے سے ادا ہو جاتی ہے۔ دیکھئے: ان الفاظ میں دعا بھی ہے اور اجر و ثواب الگ ہے۔

اور جب سلام کیا جائے تو صاف الفاظ سے سلام کرنا چاہیے، الفاظ بگاڑ کر مسخ کر کے سلام نہیں کرنا چاہئے، بعض لوگ اس طرح سلام کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا کیا الفاظ کہے؟ اس لئے پوری طرح واضح کر کے ”السلام علیکم“ کہنا چاہئے۔

سلام کے وقت یہ نیت کر لیں

ایک بات میں اور غور کیجئے کہ حضور اقدس ﷺ نے ہمیں جو کلمہ تلقین فرمایا وہ ہے ”السلام علیکم“ جو جمع کا صیغہ ہے۔ ”السلام علیک“ نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ ”السلام علیک“ کے معنی ہیں ”تجھ پر سلامتی ہو“ اور السلام علیکم کے معنی ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس طرح ہم لوگ اپنی گفتگو میں ”تو“ کے بجائے ”تم“ یا ”آپ“ کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں اس کے ذریعہ مخاطب کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اسی طرح ”السلام علیکم“ میں جمع کا لفظ مخاطب کی تعظیم کے لئے لایا گیا ہے۔

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب الادب، باب کیف السلام، رقم: ۴۵۲۱، سنن الدارمی، کتاب

الاستئذان، باب فی فضل التسلیم وردہ، رقم: ۲۵۲۶

لیکن بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس لفظ سے ایک تو مخاطب کی تعظیم مقصود ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تم کسی کو سلام کرو تو سلام کرتے وقت یہ نیت کرو کہ تین افراد پر سلام کرتا ہوں۔ جو اس کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ جن کو ”کراماً کا تبین“ کہا گیا ہے ایک فرشتہ انسان کی نیکیاں لکھتا ہے دوسرا فرشتہ اس کی برائیاں لکھتا ہے اس لئے سلام کرتے وقت ان کی بھی نیت کرو تاکہ تمہارا سلام تین افراد کو ہو جائے۔ اور اب انشاء اللہ تین افراد کو سلام کرنے کا ثواب مل جائے گا اور جب تم فرشتوں کو سلام کرو گے تو وہ تمہارے سلام کا ضرور جواب بھی دیں گے۔ اور اس طرح ان فرشتوں کی دعائیں تمہیں حاصل ہو جائیں گی جو اللہ تعالیٰ کی معصوم مخلوق ہیں۔

نماز میں سلام پھیرتے وقت کی نیت

اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا کہ نماز کے اندر جب آدمی سلام پھیرے تو داہنی طرف سلام پھرتے وقت یہ نیت کر لے کہ میرے دائیں جانب جتنے مسلمان اور جتنے فرشتے ہیں۔ ان سب پر سلامتی بھیج رہا ہوں۔ اور جب بائیں جانب سلام پھیرے تو اس وقت یہ نیت کر لے کہ میرے بائیں جانب جتنے مسلمان اور جتنے فرشتے ہیں۔ ان سب پر سلامتی بھیج رہا ہوں۔ اور پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ تم فرشتوں کو سلام کرو اور وہ جواب نہ دیں۔ وہ ضرور جواب دیں گے اور اس طرح ان کی دعائیں تمہیں حاصل ہو جائیں گی۔ لیکن ہم لوگ بے خیالی میں سلام پھیر دیتے ہیں اور نیت نہیں کرتے جس کی وجہ سے اس عظیم فائدے اور ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں۔

جواب سلام سے بڑھ کر ہونا چاہئے

سلام کی ابتداء کرنا بڑا اجر و ثواب کا موجب ہے اور سنت ہے۔ اور سلام کا جواب دینا واجب ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾ (۱)

فرمایا کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس کے سلام سے بڑھ کر جواب دو کم از کم ویسا جواب دو جیسا اس نے سلام کیا۔ مثلاً کسی نے ”السلام علیکم“ کہا تو تم جواب میں ”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کہو۔ تاکہ جواب سلام سے بڑھ کر ہو جائے۔ ورنہ کم از کم ”وعلیکم السلام“ ہی کہہ دو تاکہ جواب برابر ہو جائے۔

مجلس میں ایک مرتبہ سلام کرنا

اگر مجلس میں بہت سے لوگ بیٹھے ہیں۔ اور ایک شخص اس مجلس میں آئے تو وہ آنے والا شخص ایک مرتبہ سب کو سلام کر لے تو یہ کافی ہے۔ اور مجلس میں سے ایک شخص اس کے سلام کا جواب دیدے تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کو علیحدہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

ان مواقع پر سلام کرنا جائز نہیں

سلام کرنا بہت سی جگہ پر ناجائز بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص دوسرے لوگوں سے کوئی دین کی بات کر رہا ہو اور دوسرے لوگ سن رہے ہوں۔ تو اس وقت آنے والے کو سلام کرنا جائز نہیں۔ بلکہ سلام کئے بغیر مجلس میں بیٹھ جانا چاہئے۔ اسی طرح اگر ایک شخص تلاوت کر رہا ہے۔ اس کو سلام کرنا بھی جائز نہیں۔ اسی طرح ذکر کرنے والے کو سلام کرنا جائز نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کام میں مشغول ہو اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ تمہارے سلام کا جواب دینے سے اس کے کام میں حرج ہوگا، ایسی صورت میں سلام کرنے کو پسند نہیں کیا گیا۔ اس لئے ایسے مواقع پر سلام نہیں کرنا چاہئے۔

دوسرے کے ذریعہ سلام بھیجنا

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا سلام پہنچاتا ہے۔ کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے اور دوسرے شخص کے ذریعہ سلام بھیجنا بھی سنت ہے۔ اور یہ بھی سلام کے قائم مقام ہے اور اس کے ذریعے بھی سلام کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ لہذا جب کسی کو دوسرے کا سلام پہنچایا جائے تو اس کے جواب کا مسنون طریقہ یہ ہے ”علیہم وعلیکم السلام“ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر بھی سلامتی ہو جنہوں نے سلام بھیجا ہے۔ اور تم پر بھی سلامتی ہو۔ اس میں دو سلام اور دو دعائیں جمع ہو گئیں۔ اور دو آدمیوں کو دعا دینے کا ثواب مل گیا۔

بعض لوگ اس موقع پر بھی صرف ”علیکم السلام“ سے جواب دیتے ہیں۔ اس سے جواب تو ادا ہو جائے گا۔ لیکن صحیح جواب نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں آپ نے اس شخص کو تو سلامتی کی دعا دے دی جو سلام لانے والا ہے۔ اور وہ شخص جو اصل سلام بھیجنے والا تھا۔ اس کو دعا نہیں دی۔ اس لئے جواب دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ”علیہم وعلیکم السلام“ کہہ کر جواب دیا جائے۔

تحریری سلام کا جواب واجب ہے

اگر کسی کے پاس کسی شخص کا خط آئے اور اس خط میں ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ لکھا ہو تو اس کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا کہ اس سلام کا تحریری جواب دینا چونکہ واجب ہے اس لئے خط کا جواب دینا بھی واجب ہے۔ اگر خط کے ذریعہ اس کے سلام کا جواب اور اس کے خط کا جواب نہیں دیں گے تو ایسا ہوگا کہ جیسے کوئی شخص آپ کو سلام کرے اور آپ جواب نہ دیں۔

لیکن بعض دوسرے علماء نے فرمایا کہ اس خط کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ خط کا جواب دینے میں پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ اور کسی انسان کے حالات بعض اوقات اس کے متحمل نہیں ہوتے کہ وہ پیسے خرچ کرے اس لئے اس خط کا جواب دینا واجب تو نہیں ہے، لیکن مستحب ضرور ہے، البتہ جس وقت خط کے اندر سلام کے الفاظ پڑھئے اس وقت زبان سے اس سلام کا جواب دینا واجب ہے اور اگر خط پڑھتے وقت بھی زبان سے سلام کا جواب نہ دیا۔ اور نہ خط کا جواب دیا۔ تو اس صورت میں ترک واجب کا گناہ ہوگا، اس میں ہم سے کتنی کوتاہی ہوتی ہے کہ خط آتے ہیں اور پڑھ کر اس کو ویسے ہی ڈال دیتے ہیں نہ زبانی جواب دیتے ہیں نہ تحریری جواب دیتے ہیں۔ اور مفت میں ترک واجب کا گناہ اپنے نامہ اعمال میں لکھوا لیتے ہیں۔ یہ سب ناواقفیت کی وجہ سے کر لیتے ہیں۔ اس لئے جب بھی خط آئے تو فوراً زبانی سلام کا جواب دے دینا چاہئے۔

غیر مسلموں کو سلام کرنے کا طریقہ

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز نہیں۔ اگر غیر مسلم سے ملاقات ہو اور اسے سلام کرنے کی ضرورت پیش آئے تو سلام کے لئے وہ لفظ استعمال کرے جو لفظ وہ لوگ خود استعمال کرتے ہیں، لیکن اگر غیر مسلم کسی مسلمان سے ملاقات کے وقت ”السلام علیکم“ کہے تو ان کے جواب میں صرف ”وعلیکم“ کہے۔ اور پورا جواب نہ دے۔ اور یہ لفظ کہتے وقت یہ نیت کر لے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو ہدایت کی اور مسلمان بننے کی توفیق ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں اور اس کے آس پاس بڑی تعداد میں یہودی آباد تھے یہ قوم ہمیشہ سے شریر قوم ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب سامنے آتے تو یہ لوگ خباثت سے کام لیتے ہوئے ان کو سلام کرتے ہوئے کہتے ”السام علیکم“، لام درمیان سے نکال دیتے تھے اب سننے والا جلدی میں یہی سمجھتا ہے کہ اس نے ”السلام علیکم“ کہا ہے۔ ”سام“ کے معنی عربی زبان میں موت اور ہلاکت کے ہیں۔ ”السام علیکم“ کے معنی ہوئے کہ تمہیں موت آ جائے۔ اور تم ہلاک اور تباہ ہو جاؤ، ظاہر

میں تو سلام کرتے۔ اور حقیقت میں بدو عادی تھے۔ کچھ روز تک یہ معاملہ چل گیا۔ لیکن چند روز کے بعد صحابہ نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ جان بوجھ کر درمیان سے لام حذف کر کے ”السام علیکم“ کہتے ہیں۔ (۱)

ایک یہودی کا سلام کرنے کا واقعہ

ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نے آ کر حضور اقدس ﷺ کو اس طرح سلام کیا:

”الْسَامُ عَلَیْکُمْ“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ الفاظ سنے تو ان کو غصہ آ گیا اور جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”عَلَیْکُمْ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ“

”تم پر ہلاکت ہو اور لعنت ہو“

دو لفظ بول دیئے حضور اقدس ﷺ نے سن لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ترکی بترکی جواب دیا ہے، تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((مَهْلًا يَا عَائِشَةُ))

”اے عائشہ! رک جاؤ اور نرمی سے کام لو“

پھر فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ))

”اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیسے گستاخ ہیں کہ آپ سے خطاب کرتے ہوئے ”السام علیکم“ کہہ رہے ہیں۔ اور ہلاکت کی بددعا کر رہے ہیں آپ نے فرمایا: اے عائشہ! ”السام علیکم“ کہا تو میں نے جواب میں کہا ”وعلیکم“

مطلب یہ ہے کہ جو بددعا تم ہمارے لئے کر رہے ہو اللہ تعالیٰ وہ تمہارے حق میں قبول کر لے۔ لہذا غیر مسلم کے سلام کے جواب میں صرف ”وعلیکم“ کہنا چاہئے۔ پھر آپ نے فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ! مَا كَانَ الرِّفْقُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَةً وَلَا نُزْعَ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَةٌ))

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب کیف یرد علی اهل الذمة السلام، رقم: ۵۷۸۶،

صحیح مسلم، کتاب السلام، باب النهی عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام و کیف یرد، رقم:

۴۰۲۷، سنن الترمذی، کتاب الاستئذان و الاداب عن رسول الله، باب ماجاء فی التسليم علی

اهل الذمة، رقم: ۲۶۲۵، مسند أحمد، رقم: ۲۲۹۶۱

”اے عائشہ! نرمی جس چیز میں ہوگی اس کو زینت بخشے گی اور جس چیز سے نکال دی

جائے گی اس کو عیب دار کر دے گی“ (۱)

اس لئے معاملہ حتی الامکان نرمی سے کرنا چاہئے۔ چاہے مقابلے پر کفار ہی ہوں۔

حتی الامکان نرمی کرنا چاہئے

آپ دیکھئے کہ یہودی نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ گستاخی کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو الفاظ جواب میں فرمائے بظاہر وہ انصاف کے خلاف نہیں تھے۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے یہ سکھا دیا کہ میری سنت یہ ہے کہ نرمی کا معاملہ کرو۔ اور صرف اتنی بات زبان سے ادا کرو جتنی ضرورت ہے۔ بلا وجہ اپنی طرف سے بات آگے بڑھا کر سختی کا برتاؤ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

سلام ایک دعا ہے

بہر حال یہ ”سلام“ معمولی چیز نہیں یہ زبردست دعا ہے۔ اور اس کو دعا کی نیت سے کہنا اور سننا چاہئے۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کی بھی دعا ہمارے حق میں قبول ہو جائے تو ہمارا بیڑہ پار ہو جائے۔ اس لئے کہ دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں اس سلام کے اندر جمع ہیں۔ یعنی تم پر سلامتی ہو۔ اللہ کی رحمت ہو۔ اور اللہ کی برکت ہو۔ اس لئے یہ دعا لوگوں سے لینی چاہئے۔ اور اس شوق اور ذوق میں لینی چاہئے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کی زبان میرے حق میں مبارک کر دے۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ اور حضرت جنید بغدادیؒ کے دادا پیر ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ رحمۃ اللہ علیہ حضرت سری سقطیؒ کے خلیفہ ہیں۔ اور حضرت سری سقطیؒ رحمۃ اللہ علیہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ ہر وقت ذکر اللہ میں مصروف رہتے تھے۔ کوئی وقت اللہ کے ذکر سے خالی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ حجام سے حجامت بنوارہے تھے جب مونچھیں بنانے کا وقت آیا تو حجام نے دیکھا کہ زبان حرکت کر رہی ہے۔ اور ہونٹ ہل رہے ہیں۔ حجام

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب کیف یرد علی اهل الذمة السلام، رقم: ۵۷۸۶،

صحیح مسلم، کتاب السلام، باب النهی عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام و کیف یرد، رقم:

۴۰۲۷، سنن الترمذی، کتاب الاستئذان و الاداب عن رسول اللہ، باب ماجاء فی التسليم علی

اهل الذمة، رقم: ۲۶۲۵، مسند أحمد، رقم: ۲۲۹۶۱

نے کہا کہ حضرت تھوڑی دیر کے منہ بند کر لیجئے۔ تاکہ میں آپ کی مونچھیں بنا لوں، حضرت نے جواب دیا کہ تم تو اپنا کام کر رہے ہو میں اپنا کام نہ کروں؟ آپ کا یہ حال تھا۔ ہر وقت زبان پر ذکر جاری تھا۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سڑک پر سے گزر رہے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ ایک سقہ لوگوں کو پانی پلا رہا ہے اور یہ آواز لگا رہا ہے کہ ”اللہ اس بندے پر رحم کرے جو مجھ سے پانی پئے“ حضرت معروف کرخی اس سقہ کے پاس گئے۔ اور اس سے کہا کہ ایک گلاس پانی مجھے بھی پلا دو چنانچہ اس نے دیدیا، آپ نے پانی لے کر پی لیا، ایک ساتھی جو ان کے ساتھ تھے انہوں نے کہا کہ حضرت آپ تو روزے سے تھے: اور آپ نے پانی پی کر روزہ توڑ دیا: آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا بندہ دعا کر رہا تھا کہ اللہ اس بندے پر رحم کرے جو مجھ سے پانی پی لے مجھے خیال آیا کہ کیا معلوم اللہ تعالیٰ اس کی دعا میرے حق میں قبول کر لے نفل روزہ جو توڑ دیا اس کی قضا تو بعد میں کر لوں گا لیکن بعد میں اس بندے کی دعا مجھے مل سکے گی یا نہیں اس لئے میں نے اس بندے کی دعا لینے کے لئے پانی پی لیا۔

اب آپ اندازہ لگائیے کہ اتنے بڑے اللہ کے ولی اتنے بڑے بزرگ اتنے بڑے صوفی۔ لیکن ایک معمولی سے سقہ کی دعا لینے کے لئے روزہ توڑ دیا۔ کیوں روزہ توڑ دیا؟ اس لئے کہ یہ حضرات اللہ کے بندوں کی دعائیں لینے کے حریص ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں کس کی دعا کس وقت ہمارے حق میں قبول ہو جائے۔

”شکریہ“ کے بجائے ”جزاکم اللہ“ کہنا چاہئے

اسی وجہ سے ہمارے دین میں ہر ہر موقع کے لئے دعائیں تلقین کی گئی ہیں۔ مثلاً چھینکے والے کے جواب میں کہو: ”یرحمک اللہ“ اللہ تم پر رحم کرے۔ ملاقات کے وقت ”السلام علیکم“ کہو، تم پر سلامتی ہو، کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے تو کہو ”جَزَاکُمُ اللہ“ اللہ تعالیٰ تمہیں بدلہ دے۔ آج کل یہ رواج ہو گیا ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے تو اس کے جواب میں کہتا ہے کہ ”آپ کا بہت بہت شکریہ“ یہ لفظ کہنا یا شکریہ ادا کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ اچھی بات ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

((مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ)) (۱)

(۱) سنن الترمذی، کتاب البر واصلۃ عن رسول اللہ، باب ما جاء فی الشکر لمن أحسن الیک،

”جو شخص انسانوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر یہ بھی ادا نہیں کرتا“

لیکن شکر یہ ادا کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ شکر ادا کر رہے ہو اس کو کچھ دعا دے دو۔ تاکہ اس دعا کے نتیجے میں اس کا فائدہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر آپ نے کہا کہ ”بہت بہت شکر یہ“ تو ان الفاظ کے کہنے سے اس کو کیا ملا؟ کیا دنیا یا آخرت کی کوئی نعمت مل گئی؟ یا اس کو کوئی فائدہ پہنچا؟ کچھ نہیں ملا۔ لیکن جب تم نے ”جزا کم اللہ“ کہا تو اس کو ایک دعا مل گئی۔ بہر حال اسلام میں یہ طریقہ سکھایا گیا کہ قدم قدم پر دوسروں کو دعائیں دو اور دعائیں لو۔ اس لئے ان کو اپنے معمولات میں اور شب و روز کی گفتگو میں شامل کر لینا چاہئے۔ خود بھی ان کی عادت ڈالیں۔ اور بچوں کو بھی بچپن ہی سے ان کلمات کو ادا کرنا سکھائیں۔

اسلام کا جواب بلند آواز سے دینا چاہئے

ایک صاحب نے پوچھا ہے کہ سلام کا جواب بلند آواز سے دینا ضروری ہے یا آہستہ آواز سے بھی جواب دے سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ویسے تو سلام کا جواب دینا واجب ہے، البتہ اتنی آواز سے جواب دینا کہ سلام کرنے والا وہ جواب سن لے، یہ مستحب اور سنت ہے لیکن اگر اتنا آہستہ آواز سے جواب دیا کہ مخاطب نے وہ جواب نہیں سنا تو واجب تو ادا ہو جائے گا لیکن مستحب ادا نہیں ہوگا۔ لہذا بلند آواز سے جواب دینے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆

مصافحہ کے آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا
اسْتَقْبَلَهُ الرَّجُلُ فَصَافَحَهُ لَا يَنْزِعُ يَدَهُ عَنْ يَدِهِ، حَتَّى يَكُونَ الرَّجُلُ هُوَ الَّذِي
يَنْزِعُ وَلَا يَصْرِفُ وَجْهَهُ حَتَّى يَكُونَ الرَّجُلُ هُوَ الَّذِي يَصْرِفُهُ وَلَمْ يَرِ مَقْدَمًا
رُكِبَتْهُ بَيْنَ يَدَيِ جَلِيْسٍ لَهُ. (۱)

یہ حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہ وہ صحابی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیات عطا فرمائی تھی کہ دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم رہے، یہ دن رات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے، ان کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ان کو بچپن ہی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چھوڑ کر گئی تھیں۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہوئے ہی انہوں نے ہوش سنبھالا، وہ خود قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ میں نے پورے دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، لیکن اس پورے دس سال کے عرصہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی مجھے ڈانٹا، نہ کبھی مارا اور نہ کبھی مجھ پر غصہ فرمایا اور نہ کبھی میرے کئے ہوئے کام کے بارے میں پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور نہ کبھی نہ کئے ہوئے کام کے بارے میں یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ اس شفقت کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پرورش فرمائی۔ (۲)

☆ اصلاحی خطبات (۶/۱۹۸-۲۱۰) ۱۲ اگست ۱۹۹۳ء، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله باب، رقم: ۲۴۱۴، سنن ابن

ماجه، کتاب الأدب، باب اکرام الرجل جلیسہ، رقم: ۳۷۰۶

(۲) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب کان رسول الله احسن الناس خلقا، رقم: ۴۲۶۹، سنن

الترمذی، کتاب البر والصلوة عن رسول الله، باب ماجاء فی خلق النبی، رقم: ۱۹۳۸، مسند

أحمد، رقم: ۱۲۸۹۴، سنن الدارمی، کتاب المقدمة، باب فی حسن النبی، رقم: ۶۲

حضور ﷺ کی شفقت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے کسی کم کے لئے بھیجا، میں گھر سے کام کرنے کے لئے نکلا، راستے میں دیکھا کہ بچہ کھیل رہے ہیں (یہ خود بھی بچے ہی تھے) میں ان بچوں کے ساتھ کھیل میں لگ گیا، اور یہ بھول گیا کہ حضور اقدس ﷺ نے تو مجھے کسی کام کے لئے بھیجا تھا، جب کافی دیر گزر گئی تو مجھے یاد آیا۔ اب مجھے فکر ہوئی کہ میں نے وہ کام تو کیا نہیں، اور کھیل میں لگ گیا، چنانچہ میں گھر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کام خود حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انجام دے دیا ہے، مگر آپ نے مجھ سے یہ پوچھا نہیں کہ میں نے تم کو فلاں کام کے لئے بھیجا تھا۔ تم نے کیوں نہیں کیا؟ (۱)

حضور ﷺ سے دعاؤں کا حصول

خدمت کے دوران حضور اقدس ﷺ سے دعائیں بھی لیں، اس لئے کہ جب بھی کوئی خدمت انجام دیتے، اس پر حضور اقدس ﷺ ان کو دعائیں دیتے، چنانچہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کی عمر اور ان کی اولاد میں برکت عطا فرما، یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ تقریباً صحابہ میں سب سے آخر میں آپ کی وفات ہوئی، اور آپ ہی نے بے شمار انسانوں کو تابعی بنایا، اگر آپ نہ ہوتے تو ان کو تابعی ہونے کا شرف حاصل نہ ہوتا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یقینی طور پر زیارت کی ہے، امام اعظم رحمہ اللہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ تابعی بن گئے، اتنی لمبی عمر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی اور اولاد میں برکت کا یہ حال تھا کہ اتنی اولاد ہوئی کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ آج میری اولاد اور اولاد کی اولاد کی تعداد سو سے زائد ہو چکی ہے۔ (۲)

بہر حال! حضرت انس رضی اللہ عنہ اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی آپ کے پاس آ کر آپ سے مصافحہ کرتا، تو آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے، اور آپ اپنا چہرہ اور اپنا رخ اس ملاقات

(۱) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب کان رسول اللہ أحسن الناس خلقاً، رقم: ۴۲۷۲، سنن

ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الحلم و أخلاق النبی، رقم: ۴۱۴۳

(۲) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من زار قوما فلم یفطر عندهم، رقم: ۱۸۴۶، صحیح مسلم،

کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أنس بن مالك، رقم: ۴۵۳۱

کرنے والے کی طرف سے نہیں پھیرتے تھے، جب تک وہ خود اپنا چہرہ نہ پھیر لے اور نہ کبھی یہ دیکھا گیا کہ جب آپ مجلس میں لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوں تو آپ نے اپنا گھٹنا ان میں سے کسی شخص سے آگے کیا ہو۔

حضور ﷺ اور تواضع

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کے تین اوصاف بیان کئے ہیں، پہلا وصف یہ بیان کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی طبیعت میں اس قدر تواضع تھی کہ اتنے بلند مقام پر ہونے کے باوجود جب کوئی اللہ کا بندہ آپ سے ملاقات کرتا، تو آپ اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے، اور دوسرا وصف یہ بیان کیا کہ آپ اپنا چہرہ نہیں پھیرتے تھے، جب تک وہ خود اپنا چہرہ نہ پھیرتے، اور تیسرا وصف یہ بیان کیا کہ اپنا گھٹنا کسی سے آگے نہیں کرتے تھے۔ بعض دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص آپ سے بات کرنا شروع کرتا تو آپ اس کی بات نہیں کاٹتے تھے، اور اس وقت تک اس کی طرف متوجہ رہتے تھے، جب تک وہ خود ہی اٹھ کر نہ چلا جائے اور اگر کوئی بڑھیا بھی کسی معمولی سے کام کیلئے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرتی تو آپ اس کے ساتھ اس کا کام کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

حضور اقدس ﷺ کے مصافحہ کا انداز

حقیقت میں حضور اقدس ﷺ کی جتنی سنتیں ہیں وہ سب ہمارے لئے ہیں۔ لیکن بعض سنتوں پر عمل کرنا آسان ہے، اور بعض سنتوں پر عمل کرنا مشکل ہے، اس حدیث میں جو سنت بیان کی گئی ہے کہ آدمی مصافحہ کرنے کے بعد اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ کھینچے جب تک دوسرا اپنا نہ کھینچ لے اور جب دوسرا بات شروع کرے تو اس کی بات نہ کاٹے، جب تک وہ خود ہی بات ختم نہ کرے، ایک مشغول انسان کے لئے ساری زندگی اس پر عمل کرنا بظاہر دشوار ہوتا ہے، اس لئے کہ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ دوسرے شخص کا زیادہ وقت نہ لیا جائے، لیکن بعض لیچر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، جب باتیں کرنے بیٹھیں گے تو اب ختم کرنے کا نام ہی نہیں لیں گے، اس قسم کے لوگوں سے ملاقات کے وقت ان کی بات سنتے رہنا، اور ان کی بات نہ کاٹنا جب تک وہ خود اپنی بات ختم نہ کریں، یہ بڑا مشکل کام ہے، خاص طور پر اس ذات کے لئے جس پر دونوں جہاں کی ذمہ داریاں ہیں، جہاد جاری ہے، تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے، مدینہ کی ریاست کا انتظام جس کے سر پر ہے، حقیقت میں تو یہ حضور اقدس ﷺ کا معجزہ ہی تھا۔

اس عظیم منصب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا، آپ کی تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ اللہ کے ہر بندے کے ساتھ تواضع اور عاجزی کے ساتھ پیش آتے تھے۔

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے

اس حدیث کے پہلے جملے سے دو مسئلے معلوم ہوئے:

پہلا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، احادیث میں اگرچہ مصافحہ کے بارے میں زیادہ تفصیل تو نہیں آئی، لیکن بزرگوں نے فرمایا کہ مصافحہ کا وہ طریقہ جو سنت سے زیادہ قریب ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ نے مصافحہ کے بیان پر جو باب قائم کیا ہے اس میں حضرت حماد بن زید رحمہ اللہ کا حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا بیان کیا ہے۔ (۱)

اور غالباً حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی مصافحہ کرے تو دونوں ہاتھوں سے کرے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا خلاف سنت ہے

آج کے دور میں ایک طرف تو انگریزوں کی طرف سے فیشن چلا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا چاہئے، دوسری طرف بعض حلقوں کی طرف سے، خاص طور پر سعودی عرب کے حضرات اس بارے میں تشدد اختیار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مصافحہ تو ایک ہاتھ سے کرنا سنت ہے۔ دونوں ہاتھوں سے کرنا سنت نہیں، خوب سمجھ لیجئے، یہ خیال غلط ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں مفرد کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، اور تشنیہ کا لفظ بھی آیا ہے، اور بزرگوں نے اس کا جو مطلب سمجھا وہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے، چنانچہ کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، جبکہ روایتوں میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ بزرگان دین میں بھی یہی طریقہ متعارف رہا ہے، اسی طریقے کو علماء امت نے سنت کے قریب سمجھا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ”التحیات“ اس طرح

یاد کرائی:

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب الاخذ بالیدین، امام بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ”وصافح حماد

بن زید ابن المبارک بیدہ“

”كَفَى بَيْنَ كَفِيهِ“

”میرے ہاتھ حضور اقدس ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھے“ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں بھی مصافحہ کرنے کا طریقہ یہی تھا اس لئے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت سے زیادہ قریب ہے۔

اب اگر کوئی شخص ایک ہاتھ سے مصافحہ کر لے تو اس کو میں یہ نہیں کہتا کہ اس نے ناجائز کام کیا، یا اس کی سنت ادا نہیں ہوگی، لیکن وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو سنت سے زیادہ قریب ہو۔ اور جس طریقے کو علماء، فقہاء اور بزرگان دین نے سنت سے قریب سمجھ کر اختیار کیا ہو۔ اس کو ہی اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔

موقع دیکھ کر مصافحہ کیا جائے

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مصافحہ کرنا اگرچہ سنت ضرور ہے، لیکن ہر سنت کا کوئی محل اور موقع بھی ہوتا ہے، اگر وہ سنت اس کے موقع پر انجام دی جائے تو سنت ہوگی، اور اس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ ثواب حاصل ہوگا، لیکن اگر اس سنت کو بے موقع اور بے محل استعمال کر لیا تو ثواب کے بجائے الٹا گناہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مصافحہ کرنے سے سامنے والے شخص کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مصافحہ کرنا ناجائز ہے۔ ایسے وقت میں صرف زبان سے سلام کرنے پر اکتفا کرے۔ اور ”السلام علیکم“ کہہ دے، اور سامنے والا جواب دیدے۔

یہ مصافحہ کا موقع نہیں

مثلاً ایک شخص کے دونوں ہاتھ مصروف ہیں، دونوں میں سامان ہے، اور آپ نے ملاقات کے وقت مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے، ایسے وقت وہ بے چارہ پریشان ہوگا۔ اب آپ سے مصافحہ کرنے کی خاطر اپنا سامان پہلے زمین پر رکھے، اور پھر آپ سے مصافحہ کرے، لہذا ایسی حالت میں مصافحہ کرنا سنت نہیں، بلکہ خلاف سنت ہے، بلکہ اگر مصافحہ کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف پہنچے گی تو گناہ کا بھی اندیشہ ہے، آج کل لوگ اس معاملے میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں۔

مصافحہ کا مقصد ”اظہار محبت“

دیکھئے کہ یہ ”مصافحہ“ محبت کا اظہار ہے۔ اور محبت کے اظہار کے لئے وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے، جس سے محبوب کو راحت ملے، نہ یہ کہ اس کے ذریعہ اس کو تکلیف پہنچائی جائے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی بزرگ اللہ والے کسی جگہ پہنچے تو آپ لوگوں نے یہ سوچا کہ چونکہ یہ بزرگ ہیں، ان سے مصافحہ کرنا ضروری ہے، چنانچہ مصافحہ کرنے کے لئے پورا مجمع ان بے چارے ضعیف اور چھوٹی موٹی بزرگ پر ٹوٹ پڑا، اب اندیشہ اس کا ہے کہ بزرگ گر پڑیں گے، ان کو تکلیف ہوگی۔ لیکن مصافحہ نہیں چھوڑیں گے، ذہن میں ہے کہ مصافحہ کر کے برکت حاصل کرنی ہے اور جب تک حاصل نہیں ہو گی، ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔

اس وقت مصافحہ کرنا گناہ ہے

خاص طور پر یہ بنگال اور برما کا جو علاقہ ہے، اس میں یہ رواج ہے کہ اگر کسی بزرگ کا وعظ اور بیان سنیں گے تو وعظ کے بعد ان بزرگ سے مصافحہ کرنا لازم اور ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ وعظ کے بعد ان بزرگ پر ٹوٹ پڑیں گے، اس کا خیال نہیں ہوگا کہ جن سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ وہ کہیں دب نہ جائیں۔ ان کو تکلیف نہ پہنچ جائے، لیکن مصافحہ کرنا ضروری ہے۔

پہلی مرتبہ جب اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بنگال جانا ہوا تو پہلی بار یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ جلسہ میں ہزار ہا افراد کا مجمع تھا۔ حضرت والد صاحب نے بیان فرمایا، لیکن جب جلسے سے فارغ ہوئے تو سارا مجمع مصافحہ کے لئے والد صاحب پر ٹوٹ پڑا، اور والد صاحب کو وہاں سے بچا کر نکالنا مشکل ہو گیا۔

یہ تو دشمنی ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ ہے، جو آپ نے رنگون (برما) کی سورتی مسجد میں کیا تھا، اس وعظ میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وعظ سے فارغ ہوئے تو مصافحہ کرنے کے لئے مجمع کا اتنا زور پڑا کہ حضرت والا گرتے گرتے بچے، یہ حقیقی محبت نہیں ہے، یہ محض صورت محبت ہے، اس لئے کہ محبت کو بھی عقل چاہئے کہ جس سے محبت کی جارہی ہے، اس کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا جائے، اور اس کو دکھ اور تکلیف سے بچایا جائے، یہ حقیقی محبت ہے۔

عقیدت کی انتہا کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کسی علاقے میں چلے گئے، وہاں کے لوگوں کو ان بزرگ سے اتنی عقیدت ہوئی کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان بزرگ کو اب باہر نہیں جانے دیں گے، ان کو یہیں رکھیں گے، تاکہ ان کی برکت حاصل ہو۔ اور اس کی صورت یہ سمجھ میں آئی کہ ان بزرگ کو قتل کر کے یہاں دفن کر دیا جائے تاکہ ان کی یہ برکت اس علاقے سے باہر نہ نکل جائے۔

جوشِ محبت میں بے عقلی کا جو انداز ہے۔ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں محبت وہ ہے جس سے محبوب کو راحت اور آرام ملے۔ اسی طرح مصافحہ کے وقت یہ دیکھ کر مصافحہ کرنا چاہئے کہ اس وقت مصافحہ کرنا مناسب ہے یا نہیں؟ اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اگر دونوں ہاتھ مشغول ہوں تو ایسی صورت میں راحت اور آرام کی نیت سے مصافحہ نہ کرنے میں زیادہ ثواب حاصل ہوگا۔ انشاء اللہ

مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے محبت کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے ہاتھوں کے گناہ جھاڑ دیتے ہیں۔ (۱)
لہذا مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر لینی چاہئے کہ اس مصافحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کی بھی مغفرت فرمائیں گے، اور ان کے بھی گناہوں کی مغفرت فرمائیں گے اور ساتھ میں یہ نیت بھی کر لے کہ یہ اللہ کا نیک بندہ جو مجھ سے مصافحہ کرنے کے لئے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ کی برکت میری طرف منتقل فرمادیں گے۔ خاص طور پر ہم جیسے لوگوں کے ساتھ ایسے موقع بہت پیش آتے ہیں کہ جب کسی جگہ پر وعظ بیان کیا تو وعظ کے بعد لوگ مصافحہ کے لئے آ گئے۔

ایسے موقع کے لئے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! جب بہت سارے لوگ مجھ سے مصافحہ کرنے کے لئے آتے ہیں تو میں بہت خوش ہوتا ہوں اس لئے خوش ہوتا ہوں کہ یہ سب اللہ کے نیک بندے ہیں کچھ پتہ نہیں کہ کونسا بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول بندہ ہے جب اس مقبول بندے کا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھو جائیگا تو شاید اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی نوازش فرمادیں، یہی باتیں بزرگوں سے سیکھنے کی ہیں۔ اس لئے جب بہت سے لوگ کسی سے

(۱) نصب الراية (۳۲۵/۴)، بریقة محمودیة فی شرح طریقة محمدیة وشریعة نبویة (۳۸۰/۵)

مصافحہ کے لئے آئیں تو اس وقت آدمی کا دماغ خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور یہ خیال ہوتا ہے کہ جب اتنی ساری مخلوق مجھ سے مصافحہ کر رہی ہے، اور میری معتقد ہو رہی ہے، واقعتاً اب میں بھی بزرگ بن گیا ہوں۔ لیکن جب مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر لی کہ شاید ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے نوز دیں، میری بخشش فرمادیں، تو اب سارا نقطہ نظر تبدیل ہو گیا، اور اب مصافحہ کرنے کے نتیجے میں تکبر اور اپنی بڑائی پیدا ہونے کے بجائے تواضع اور عاجزی، اور شکستگی انکساری پیدا ہوگی۔ لہذا مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر لیا کرو۔

مصافحہ کرنے کا ایک ادب

حدیث کے اگلے جملے میں یہ بیان فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کسی شخص سے مصافحہ کرتے وقت اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے۔ جب تک سامنے والا شخص اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے اس سے مصافحہ کرنے کا ایک اور ادب معلوم ہوا کہ آدمی مصافحہ کرتے وقت اپنا ہاتھ خود سے نہ کھینچے یعنی سامنے والے کو اس بات کا احساس نہ ہو کہ تم اس کی ملاقات سے اکتار رہے ہو، یا تم اس کو حقیر اور ذلیل سمجھ رہے ہو، بلکہ شکستگی کے ساتھ مصافحہ کرے، جلدی بازی نہ کرے، البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہو جو چمٹ ہی جائے، اور آپ کا ہاتھ چھوڑے ہی نہیں۔ اس وقت بہر حال اس کی گنجائش ہے کہ آپ اپنا ہاتھ کھینچ لیں۔

ملاقات کا ایک ادب

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ آپ ملاقات کے وقت اپنا چہرہ اس وقت تک نہیں پھیرتے تھے، جب تک کہ سامنے والا اپنا چہرہ نہ پھیرے۔ یہ بھی حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے۔ اس سنت پر عمل کرنے میں بڑا مجاہدہ ہے، لیکن انسان کی اپنی طرف سے یہی کوشش ہونی چاہئے کہ جب تک ملاقات کرنے والا خود ملاقات کر کے رخصت نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اپنا چہرہ اس سے نہ پھیرے۔ البتہ اگر کہیں مجبوری ہو جائے تو بات دوسری ہے۔

عیادت کرنے کا عجیب واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب آپ مرض الوفا میں تھے، لوگ آپ کی عیادت کرنے کے لئے آنے لگے، عیادت کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے:

((مَنْ عَادَ مِنْكُمْ فَلْيُخَفِّفْ)) (۱)

(۱) ذخیرہ احادیث میں تلاش بسیار کے باوجود یہ حدیث نہیں مل سکی، البتہ ہمیں یہ ادب زندگی گزارنے کے سنہری آداب میں ضرور ملتا ہے۔ مرتب

یعنی جو شخص تم میں سے کسی بیمار کی عیادت کرنے جائے اس کو چاہئے کہ وہ ہلکی پھلکی عیادت کرے بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے کیونکہ بعض اوقات مریض کو خلوت کی ضرورت ہوتی ہے اور لوگوں کی موجودگی میں وہ اپنا کام بے تکلفی سے انجام نہیں دے سکتا، اس لئے مختصر عیادت کر کے چلے آؤ اس کو راحت پہنچاؤ۔ تکلیف مت پہنچاؤ، بہر حال، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بستر پر لیٹے ہوئے تھے، ایک صاحب عیادت کے لئے آ کر بیٹھ گئے، اور ایسے جم کر بیٹھ گئے کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے، اور بہت سے لوگ عیادت کے لئے آتے رہے، اور مختصر ملاقات کر کے جاتے رہے۔ مگر وہ صاحب بیٹھے رہے نہ اٹھے اور حضرات ملاقات کر کے جاتے رہے۔ مگر وہ صاحب بیٹھے رہے نہ اٹھے اب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اس انتظار میں تھے کہ یہ صاحب چلے جائیں تو میں خلوت میں بے تکلفی سے اپنی ضروریات کے کچھ کام کر لوں۔ مگر خود سے اس کو چلے جانے کے لئے کہنا بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جب کافی دیر گزر گئی۔ اور وہ اللہ کا بندہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا تو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ان صاحب سے فرمایا ”یہ بیماری کی تکلیف تو اپنی جگہ پر ہے ہی، لیکن عیادت کرنے والوں نے علیحدہ پریشان کر رکھا ہے کہ عیادت کے لئے آتے ہیں، اور پریشان کرتے ہیں“ آپ کا مقصد یہ تھا کہ شاید یہ میری بات سمجھ کر چلا جائے، مگر وہ اللہ کا بندہ پھر بھی نہیں سمجھا اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت اگر آپ اجازت دیں تو کمرے کا دروازہ بند کر دوں؟ تاکہ کوئی دوسرا شخص عیادت کے لئے نہ آئے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ”ہاں بھائی بند کر دو، مگر اندر سے بند کرنے کے بجائے باہر سے جا کر بند کر دو“

بہر حال بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ ایسا معاملہ بھی کرنا پڑتا ہے اس کے بغیر کام نہیں چلتا، لیکن عام حالت میں حتی الامکان یہ کوشش کی جائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس نہ کرے کہ مجھ سے اعراض برتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو ان سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆

☆ ملاقات اور فون کرنے کے آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (۱)

بزرگان محترم و برادران عزیز! سورۃ حجرات کی تفسیر کا بیان کئی جمعوں سے چل رہا ہے، آج میں نے آپ کے سامنے اس کی دو آیات تلاوت کیں، ان میں سے پہلی آیت میں حضور اقدس ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ آپ کو حجروں یعنی رہائش گاہ کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر لوگ ناسمجھ ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ بنو تمیم کا ایک وفد حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آیا تھا، ان کے اندر آداب اور تہذیب کی کمی تھی، چنانچہ ان لوگوں نے اس وقت جبکہ آپ کے آرام کا وقت تھا، آپ کے مکان کے پیچھے سے آپ کو پکارنا شروع کر دیا:

”يَا مُحَمَّدُ أَخْرِجِ الْيَنَابِ“ (۲)

اے محمد ﷺ آپ باہر تشریف لائیں، ہم آپ سے ملنے آئے ہیں۔ یہ آیت کریمہ ان کے بارے میں نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکار رہے ہیں، ان میں سے اکثر لوگ ناسمجھ ہیں، اگر یہ لوگ آپ کو پکارنے کے بجائے باہر صبر کرتے، اور انتظار کرتے، یہاں تک کہ آپ خود سے باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا، لیکن ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ چونکہ یہ عمل ان سے نادانی میں سرزد ہوا ہے، اس لئے ان کو معاف کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے، بڑا مغفرت کرنے والا ہے، رحم کرنے والا ہے، لیکن آئندہ کے لئے

☆ اصلاحی خطبات (۲۶۷۵۳/۱۶)

(۱) الحجرات: ۵

(۲) التفسیر لابن کثیر (۲۶۳/۴)

سبق دے دیا۔

دور سے بلانا ادب کے خلاف ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو سبق دیئے، ایک سبق یہ دیا کہ کسی بڑے کو دور سے پکارنا بے ادبی ہے، چاہے یہ پکارنا گھر کے باہر سے ہو، یا کسی اور جگہ سے ہو، اگر کسی بڑے سے آپ کو کوئی کام ہے تو اس کے قریب جا کر اس سے بات کریں۔ بلکہ عام انسانوں میں بھی یہ بے ادبی کی بات ہے، مثلاً کوئی بیٹا باپ کو اس طرح دور سے پکارے، یا کوئی شخص اپنے سے بڑے رشتے دار کو دور سے پکارے، یہ سب بے ادبی کے اندر داخل ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں تو بے ادبی بڑی ہی سنگین ہے، اسی لئے قرآن کریم نے یہ طریقہ بتا دیا کہ دور سے آواز دینے کے بجائے حضور اقدس ﷺ کے قریب جاؤ اور پھر درخواست کرنی ہو ”یا رسول اللہ“ کہہ کر درخواست کرو۔

حضور اقدس ﷺ پر درود و سلام کا طریقہ

فقہاء کرام نے اسی آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف لے جانے کے باوجود اپنی قبر مبارک میں تشریف فرما ہیں، اور آپ کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے، جس طرح شہداء کے بارے میں فرمایا کہ وہ شہداء مرتے نہیں ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا معاملہ شہداء سے بھی اونچا ہے، وہ بھی زندہ ہیں، اور خاص قسم کی زندگی اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرما رکھی ہے، جو ہمیں محسوس نہیں ہوتی۔ اسی لئے ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تم حضور اقدس ﷺ کے روضہ اقدس پر جاؤ تو وہاں جا کر کہو:

”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“

یعنی حضور اقدس ﷺ کو خطاب کر کے سلام پیش کرو، لیکن جب تم روضہ اقدس سے دور ہو تو پھر تم یوں کہو:

”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ“

لہذا اس آیت کی رو سے روضہ اقدس سے دور ہونے کی صورت میں ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کہنا درست نہیں، کیونکہ حضور اقدس ﷺ کو دور سے پکارنا بے ادبی کی بات ہے، اور یہ آپ کی تعظیم کے خلاف ہے۔

حاضر و ناظر کے عقیدے سے پکارنا

خاص طور پر ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کے الفاظ سے اس عقیدے سے پکارنا کہ حضور ﷺ ہر جگہ موجود ہیں، اور آپ حاضر و ناظر ہیں اللہ بچائے۔ یہ عقیدہ انسان کو بعض اوقات شرک تک پہنچا دیتا ہے، اور اگر اس عقیدے سے یہ الفاظ کسی نے کہے کہ جب ہم ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کہہ کر درود بھیجتے ہیں تو آپ کو روح مبارک کی تشریف لاتی ہے، خوب سمجھ لیجئے یہ بات احادیث میں کہیں ثابت نہیں، دوسری طرف یہ آپ کی تعظیم کے بھی خلاف ہے کہ ہم حضور اقدس ﷺ کو دور سے سلام کریں، اور سلام لینے کے لئے حضور اقدس ﷺ خود تشریف لائیں۔ آپ ذرا اندازہ کریں کہ ہم تو یہاں بیٹھ کر پکار رہے ہیں، اور حضور اقدس ﷺ کی روح مبارک ہم سے سلام لینے کے لئے تشریف لائے، یہ کوئی ادب کی بات ہے؟ یہ کوئی تعظیم اور محبت کی بات ہے؟ صحیح طریقہ وہ ہے جو حضور اقدس ﷺ نے خود بیان فرما دیا، وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر پہ آ کر مجھے سلام کرے گا، میں اس کا جواب دوں گا، اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجے گا تو وہ درود مجھ تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے کہ آپ کے فلاں امتی نے درود شریف کا یہ تحفہ پیش کیا ہے۔ یہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، جو حدیث میں منقول ہے۔

”یا رسول اللہ“ کہنا ادب کے خلاف ہے

لہذا آپ کی ظاہری زندگی میں جس طرح یہ حکم تھا کہ جو شخص بھی آپ سے خطاب کرے، وہ قریب جا کر کرے، دور نہ کرے، اسی طرح آپ کی وفات کے بعد جبکہ آپ کو قبر مبارک میں دوسری حیات طیبہ حاصل ہے، وہاں بھی یہی حکم ہے کہ قریب جا کر ان الفاظ سے سلام کرو:

”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“

لیکن دور سے کہنا ہے تو درود شریف پڑھو، ان الفاظ سے سلام کہنا آپ کی تعظیم اور ادب کے خلاف ہے۔ اس آیت سے ایک سبق تو یہ دے دیا۔

حضور ﷺ کے دروازے پر دستک دینا

اس آیت سے دوسرا سبق یہ دیا کہ اگر کسی شخص کو حضور اقدس ﷺ سے کوئی کام ہے تو آپ کے دروازے پر دستک دے کر آپ کو باہر بلانا آپ کے ادب کے خلاف ہے، اگر کوئی بہت ضروری اور فوری کام ہو تو دوسری بات ہے، لیکن عام حالات میں آپ کے دروازے پر دستک دینا اور آپ کو باہر

آنے کی زحمت دینا مناسب نہیں۔ لہذا اگر آپ سے کسی شخص کو کوئی کام ہے تو باہر بیٹھ کر انتظار کرے، جب حضور اقدس ﷺ خود کسی ضرورت سے باہر تشریف لائیں، ظاہر ہے کہ پانچ وقت کی نماز کے لئے تو آپ باہر تشریف لاتے ہی تھے، اس وقت ملاقات کر کے اپنی ضرورت پیش کرو، یہ طریقہ تمہارے لئے ہزار درجہ بہتر ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ﴾ (۱)

یعنی اگر یہ لوگ صبر کر لیتے، یہاں تک کہ آپ خود باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ بہ نسبت اس کے کہ حضور ﷺ کو آواز دے کر باہر بلائیں۔

استاد کے دروازے پر دستک دینا

حضرات مفسرین نے اس آیت کے تحت یہ فرمایا کہ ہر شاگرد اور استاد کا معاملہ بھی ایسا ہے، یعنی اگر کوئی شاگرد کسی استاد سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ شاگرد استاد کی خلوت میں خلل انداز ہو، اور استاد کے دروازے پر دستک دے کر اس کو باہر آنے کی دعوت دینے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ اس کا انتظار کرے، اور جب وہ استاد خود باہر آئے اس وقت جا کر ملاقات کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے حضور ﷺ کی دعا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو حضور اقدس ﷺ کے چچا کے بیٹے تھے، جب حضور اقدس ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی، لیکن دس سال کی عمر کے دوران ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بلا کر ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا فرمائی تھی:

((اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّوِيلَ)) (۲)

”اے اللہ! اس بچے کو دین کی سمجھ عطا فرما، اور اس کو قرآن کریم کا تفسیر کا علم عطا فرما“

چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا اس طرح قبول فرمائی کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا تو مجھے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ رسول ﷺ تو دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، اور میں آپ سے قرآن کریم کی تفسیر کا علم حاصل نہ کر سکا، دل میں خیال آیا کہ ابھی بہت سے ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود ہیں جنہوں نے براہ راست نبی کریم ﷺ سے علم حاصل کیا ہے، میں ان

(۱) الحجرات: ۵

(۲) (صحيح البخارى، كتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء، رقم: ۱۴۰)

میں سے ایک کے پاس جاؤں، اور جا کر ان سے علم حاصل کروں۔ چنانچہ جس کسی صحابی کے بارے میں مجھے علم ہوتا کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں تو میں سفر کر کے ان کے پاس جاتا۔

علم سیکھنے کے لئے ادب کا لحاظ

خود فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ شدید گرمی کا موسم ہے، اور عرب کی گرمی تو بہت زیادہ شدید ہوتی تھی، ایسا معلوم ہوتا کہ آسمان سے آگ برس رہی ہے، اور زمین شعلے اگل رہی ہے، ایسی شدید گرمی میں سفر کر کے جاتا، اور جس صحابی سے علم حاصل کرنا مقصود ہوتا، اس صحابی کے دروازے پر جا کر بیٹھ جاتا، یہ پسند نہیں تھا کہ جس صحابی کو اپنا استاد بنانا ہے، اور ان سے حضور اقدس ﷺ کی احادیث حاصل کرنی ہیں، ان کے دروازے پر دستک دے کر ان کو باہر آنے پر مجبور کروں، یہ مجھے گوارا نہیں تھا، اس لئے دروازے پر بیٹھ جاتا کہ جب وہ خود سے کسی وقت گھر سے باہر نکلیں گے تو ان سے اپنی درخواست پیش کروں گا۔ اور جب میں دروازے پر بیٹھا ہوتا تو ریت کا طوفان چل رہا ہوتا کہ میں دستک دے کر ان کو باہر بلاؤں، اور جب وہ خود کسی وجہ سے باہر نکلتے اور دیکھتے کہ حضور اقدس ﷺ کے چچا زاد بھائی اس طرح دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں، تو وہ مجھے سینے سے لگاتے اور کہتے کہ آپ تو حضور اقدس ﷺ کے چچا کے بیٹے ہیں، آپ یہاں میرے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہیں؟ آپ نے دستک دے کر مجھ کیوں نہیں بلالیا؟ اور گھر کے اندر کیوں تشریف نہیں لائے؟ میں عرض کرتا کہ آج میں آپ کے پاس حضور اقدس ﷺ کے چچا کے بیٹے کی حیثیت سے نہیں آیا، بلکہ آج میں آپ کے پاس شاگرد کی حیثیت سے آیا ہوں، اور آپ سے حضور اقدس ﷺ کی باتیں سننے کے لئے آیا ہوں، اس وجہ سے مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ آپ کو تکلیف دوں، اور آپ کو گھر سے باہر بلاؤں۔ چونکہ قرآن کریم نے حضور اقدس ﷺ کے بارے میں کہا تھا کہ بنو تمیم کے لوگوں کو چاہیے تھا کہ وہ باہر دروازے پر صبر کرتے، حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ خود تشریف لے آتے، اگر وہ ایسا کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے استاد کے ساتھ وہی معاملہ کیا۔

جانے سے پہلے وقت لے لیں

یہ تو استاد شاگرد، باپ بیٹے اور پیر مرید کے بارے میں اصول تھا، لیکن عام انسانوں کے ساتھ ملاقاتوں میں بھی تلقین کی گئی کہ جس شخص سے تم ملنے جا رہے ہو، حتیٰ الامکان اس کو تکلیف پہنچانے سے گریز کرو، یہ نہ ہو کہ بس کسی بھی وقت مصیبت بن کر کسی کے گھر میں وارد ہو گئے، اور اس پر مسلط ہو گئے۔ بلکہ جب کسی کے پاس ملاقات کے لئے جانا ہو تو پہلے یہ دیکھو کہ یہ وقت اس شخص سے ملاقات

کے لئے مناسب ہے یا نہیں؟ اس شخص کا نظم الاوقات کیا ہے؟ کسی وقت کوئی شخص خلوت اور تنہائی میں اپنے گھر والوں کے پاس رہنا چاہتا ہے، کوئی شخص کسی وقت مصروف ہوتا ہے۔ لہذا پہلے یہ معلوم کر لو کہ فلاں شخص سے ملاقات کے لئے کون سا وقت زیادہ موزوں ہے؟ کہ اس قوت ملاقات کرنے سے اس کو تکلف نہیں ہوگی۔

میزبان کے حقوق مہمان پر

جس طرح مہمان کے حقوق ہیں میزبان پر کہ جب کوئی مہمان آئے تو میزبان کو چاہیے کہ اس کا اکرام کرے، اس کے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے، اسی طرح میزبان کا بھی مہمان کے اوپر حق ہے، وہ یہ ہے کہ مہمان اس کے لئے مہمان بنے، وبال جان نہ بنے کہ ایسے وقت میں اس کے پاس پہنچ جائے جو اس کے لئے مناسب نہیں تھا، لہذا علماء کرام نے اس آیت کے تحت یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جب کسی سے ملنے کے لئے جاؤ تو یہ اندازہ کر کے جاؤ کہ اس وقت اس سے ملنا مناسب ہوگا یا نہیں؟ اس کے بغیر اگر جاؤ گے تو تکلیف کا سبب بنو گے، اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں دور کو اس موضوع پر نازل فرمائے ہیں کہ جب تم کسی سے ملاقات کے لئے جاؤ تو کس طرح جاؤ، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے پاس جانے سے اس کو تکلیف نہ دو، جانے سے پہلے اجازت لو کہ میں فلاں وقت میں آؤں یا نہ آؤں؟ اور اگر دوسرا شخص معذرت کر لے کہ میں اس وقت مشغول ہوں، میں ملاقات نہیں کر سکتا تو اس کا برانہ مناؤ، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ﴾ (۱)

یعنی اگر میزبان تم سے یہ کہے کہ اس وقت ملنا میرے لیے مشکل ہے، میں کسی کام میں مشغول ہوں، میرے ساتھ معذوری لاحق ہے تو اس سے برانہ مناؤ، بلکہ واپس چلے جاؤ، تمہارے لئے واپس جانا بہتر ہے۔ ان تمام اصولوں کی بنیاد یہ ہے کہ تمہارے کسی عمل سے کسی شخص کو کوئی نا واجبی تکلیف نہ پہنچے۔ یہ حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کسی صحابی سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے، وہ صحابی مدینہ منورہ سے دو تین میل کے فاصلے پر رہتے تھے، آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کسی صحابی سے ملنے کے لئے

(۱) النور: ۲۸، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ”اور اگر تم سے کہا جائے کہ: ”واپس چلے جاؤ“ تو واپس چلے جاؤ۔ یہی تمہارے لئے پاکیزہ ترین طریقہ ہے“

اس کے گھر تشریف لے جاتے تو اجازت طلب کرنے کے لئے سلام کرتے کہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کیا میں اندر آ جاؤں؟ بہر حال ان صحابی کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر آپ نے حسب معمول سلام کیا، انہر سے کوئی جواب نہ آیا، آپ نے دوبارہ سلام کیا، پھر بھی کوئی جواب نہیں آیا، آپ نے تیسری مرتبہ سلام کیا، پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ وہ صحابہ کسی اور حال میں تھے، ان کے دل میں خیال آیا کہ حضور ﷺ مجھے دعا دے رہے ہیں، اس لئے کہ ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کے معنی ہیں کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو، تم پر اللہ کی رحمت ہو، تو ان صحابی نے یہ سوچا کہ میں حضور اقدس ﷺ کی زیادہ سے زیادہ دعائیں حاصل کر لوں، اس لئے وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے۔ دوسری طرف جب رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ سلام کر لیا تو واپس جانے لگے، اس لئے کہ حکم ہے کہ جب تین مرتبہ اجازت مانگ چکو، اور تمہیں یہ اندازہ ہو کہ تمہاری آواز اندر والے نے سن لی ہے تو تین مرتبہ اجازت مانگنے کے باوجود اگر وہ باہر نہ نکلے تو تم واپس چلے جاؤ، اس لئے کہ وہ شخص تم سے اس وقت نہیں ملنا چاہتا، اور خواہ مخواہ زبردستی دوسرے پر سوار ہو جانا اسلامی آداب کا تقاضا نہیں، اس لئے حضور اقدس ﷺ واپس جانے لگے، جب ان صحابی کو اندازہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لے جا رہے ہیں، تو جلدی سے گھر سے باہر نکلے، اور جا کر حضور اقدس ﷺ سے ملاقات کی، اور عرض کیا کہ آپ واپس کیوں جا رہے ہیں؟ گھر کے اندر تشریف لائیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ حکم ہے کہ تین مرتبہ اجازت مانگو، اور جب یہ اندازہ ہو کہ اس شخص نے تمہاری آواز سن لی ہے، اس کے باوجود وہ اندر آنے کے اجازت نہیں دے رہا تو، واپس چلے جاؤ۔ اب دیکھئے حضور اقدس ﷺ نے برا نہیں منایا، اور یہ نہیں کہا کہ تم نے دروازہ کیوں نہیں کھولا، اور اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دی، بلکہ واپس چلے گئے، ان صحابی نے فرمایا میں یہ سوچتا رہا کہ آپ کی دعائیں لیتا رہوں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ دعائیں لینے کا یہ طریقہ نہیں ہوتا، تم دعائیں ویسے لے لیتے، میں باہر کھڑا انتظار کرتا رہا، یہ اچھی بات نہیں ہے۔

حضور ﷺ نے برا نہیں منایا

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور اقدس ﷺ نے تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد جب اجازت نہیں ملی تو اس پر آپ نے برا نہیں منایا، اور نہ غصہ کیا کہ ہم تمہارے گھر پہ آئے، تم نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا، بلکہ آپ واپس چلے گئے۔ اس لئے کہ قرآن کریم نے یہ فرمایا دیا تھا کہ اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو اس وقت تم واپس چلے جاؤ، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہمان پر بھی میزبان کے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں، وہ یہ کہ بلا وجہ اس کو تکلیف نہ پہنچائے۔

فون کرنے کے آداب

آج کل ملاقاتوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا ہے، اور وہ ٹیلی فون کے ذریعہ آدھی ملاقات ہے، اس میں بھی یہی احکام ہیں، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں سورۃ النور کی تفسیر میں ٹیلی فون استعمال کرنے کے احکام بھی لکھے ہیں، وہ یہ کہ جب تم کسی کو ٹیلی فون کرو تو یہ دیکھو کہ میں ایسے وقت میں ٹیلی فون تو نہیں کر رہا ہوں جو اس کی تکلیف کا سبب ہو، بسا اوقات لوگ اس کا خیال نہیں کرتے، بس دماغ میں آیا کہ فلاں سے فلاں بات کرنی ہے، اور اس وقت فون کر دیا، یہ دیکھے بغیر کہ اس وقت یہ اس کے آرام کا وقت ہوگا، یا نماز کا وقت ہوگا، یا دوسری ضروریات کا وقت ہوگا۔ یہ بے چارہ ”مولوی“ تو ساری دنیا کی میراث ہے، اس سے ملاقات اور اس سے بات کرنے کے لئے کسی قاعدے اور قانون کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ میرے پاس تورات کے دو بچے ٹیلی فون آ جاتا ہے، ایک مرتبہ رات کے دو بجے فون آیا، میں نے پوچھا کہ فون کرنے سے پہلے گھڑی میں ٹائم دیکھا تھا، اس وقت کیا ٹائم ہو رہا ہے؟ جواب دیا: دیکھی تو تھی، لیکن یہ خیال تھا کہ شاید آپ اس وقت تہجد کے لئے اٹھے ہوں گے، لہذا اس وقت آپ کو فون کر لیں۔ اب دو بجے رات کو فون کر رہے ہیں، اور مسئلہ بھی کوئی ایسا نہیں تھا جس کی فوری ضرورت ہو، بلکہ عام مسئلہ کے لئے رات کے دو بجے فون کر رہے ہیں۔ آج اس بات کا خیال بھی دل سے اٹھ گیا کہ اگر کسی کو فون کریں تو ایسے وقت میں کریں کہ جس سے سامنے والے کو تکلیف نہ ہو۔

لمبی بات کرنے سے پہلے اجازت لے لیں

بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ فون کی گھنٹی بجی، اور آپ نے ریسپور اٹھا لیا، لیکن آپ جلدی میں ہیں، اور آپ کو فوراً کہیں جانا ہے، مثلاً آپ کے جہاز کا وقت ہے، یا دفتر میں پہنچنا ہے، اور یا بیت الخلاء کا تقاضا ہے، اب سامنے والے نے فون پر لمبی بات شروع کر دی۔ اس لئے معارف القرآن میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی سے فون پر لمبی بات کرنی ہو تو پہلے پوچھ لو کہ میں ذرا لمبی بات کرنا چاہتا ہوں، اگر اس وقت فارغ ہوں تو ابھی کر لوں، یا دوسرا وقت بتا دیں، میں اس وقت فون کر لوں گا، تاکہ اس کو تکلیف نہ ہو۔ یہ سارے آداب بھی دین کا حصہ ہیں، اسلام نے ان کی تعلیم دی ہے، لیکن ہم نے دین اسلام کو چند عبادتوں میں محدود کر دیا ہے، اور معاشرت کے یہ احکام جو قرآن حدیث میں بھرے ہوئے ہیں، ان کو دین سے خارج کر دیا ہے، اس کے نتیجے میں ہماری زندگیوں میں ایک عجیب قسم کی بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔ سورۃ الحجرات کی یہ آیت ان تمام آداب کی طرف اشارہ کر رہی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی فہم عطا فرمائے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆ خدمت کے آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ.
عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهُ
وُضُوْءًا، قَالَ: مَنْ وَضَعَ هَذَا؟ فَأُخْبِرَ، فَقَالَ: ((اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ)) (۱)
”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بیت الخلاء میں داخل
ہوئے تو میں نے آپ کے لئے وضو کا پانی بھر کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے بھرے
بھرائے لوٹے سے آرام محسوس کرنے کے بعد پوچھا کہ یہ کس نے رکھا ہے؟ بتایا
گیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے رکھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:
((اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ))

”اے اللہ! ان کو دین میں تفقہ اور سمجھ عطا فرما“

اس سے امام بخاری نے ترجمۃ الباب پر استدلال فرمایا کہ خلاء میں وضو کی تیاری کے لئے پہلے
سے پانی رکھ دینا جائز ہے۔

افضل خدمت مخدوم کو خوش کرنا ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے کسی بڑے کی ایسی خدمت کر دینا جس کا اس نے حکم نہیں دیا
لیکن یقین ہے کہ وہ اس کے لئے راحت کا سبب ہوگی، فضیلت کی بات ہے۔
ایک تو وہ خدمت ہے جو مخدوم کے کہنے سے کی جائے، اس نے کہا کہ میرا یہ کام کر دو، خادم نے

☆ انعام الباری (۲/۲۳۹-۲۵۲)، زیر نظر بیان صحیح بخاری کے ایک سبق کا حصہ ہے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء، رقم: ۱۴۰، مسند أحمد،

رقم: ۲۲۷۴

کر دیا، اس میں بھی سب بڑی فضیلت ہے لیکن کوئی ایسی خدمت کرنا جس کا اس نے کہا نہیں تھا خود سے یہ خیال آیا کہ میں یہ کام کر دوں جس سے اسے راحت ملے گی تو یہ اور زیادہ فضیلت کی بات ہے، اس لئے کہ اس سے مخدوم کو وہ راحت ملے گی جس کی پہلے سے اس کو توقع نہیں تھی۔

ایک وہ راحت ہے جس کی پہلے سے توقع ہو اس سے بھی خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن ایک وہ راحت ہے جس کی پہلے سے توقع نہ ہو اس سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے، زیادہ آرام ملتا ہے۔ تو خادم اگر مخدوم کا ایسا کام کر دے جو اس کی توقع سے زیادہ ہو تو اس کو زیادہ خوشی اور راحت ملے گی اور خادم کو اجر و ثواب اور فضیلت بھی زیادہ حاصل ہوگی۔

لیکن یہ اسی وقت ہے، جب یقین ہو کہ میری اس خدمت سے مخدوم کو راحت ملے گی اور یہ جاننے کے لئے فہم سلیم کی ضرورت ہے، یہ نہیں کہ اپنی طرف سے ایسی خدمت کر دی جس سے الٹی تکلیف پہنچ گئی حالانکہ راحت پہنچانے کا ارادہ تھا، تو ایسی صورت میں جبکہ تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو خدمت نہ کرنا بہتر ہے۔

خدمت کے لئے عقل کی ضرورت ہے

ایک مرتبہ ہم مسجد میں گئے اور جوتے باہر چھوڑ گئے، نماز بڑھ کر باہر آئے تو دیکھا کہ جوتے غائب ہیں، ساٹھی تلاش کرنے لگے کوئی ادھر دوڑ رہا ہے کوئی ادھر دوڑ رہا ہے میں سمجھا کوئی بے چارہ اٹھا کر مسجد میں لے گیا ہوگا، ایسے واقعات پیش آتے ہی رہتے ہیں، جب پانچ سات منٹ ہو گئے تو ایک صاحب اندر سے ٹہلتے ہوئے تشریف لائے اور کہا کہ جی باہر رکھے ہوئے تھے میں نے اس خیال سے اٹھا کر اندر رکھ دیئے کہ چوری نہ ہو جائیں۔

اب اس بے چارہ نے اپنی دانست میں تو بھلائی کی کہ چوری سے بچانے کے لئے اندر لے جا کر رکھ دیئے لیکن بے چارہ عقل سے پیدل تھا اس واسطے اس نے یہ کام کر دیا اور بتایا نہیں کہ کہاں رکھے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے فائدہ پہنچنے کے نقصان پہنچ گیا، تو خدمت کے لئے بھی عقل اور سمجھ چاہئے بغیر فہم و عقل کے جو خدمت کی جائے گی وہ فائدہ کے بجائے نقصان کا سبب بن جاتی ہے، ایک تو یہ بات معلوم ہوئی۔

مخدوم کی ذمہ داری

دوسری بات یہ ہے کہ جب کسی مخدوم کو ایسے کسی خادم سے کوئی راحت پہنچے تو اس مخدوم کے لئے سنت یہ ہے کہ خادم کے حق میں دعا کرے یعنی اس کی خدمت کا حق یہ ہے کہ اس کو تھوڑا سا خوش کیا

جائے، خوش کرنے کا ایک طریقہ یہ ہوگا کہ محض تعریف کر دے کہ بڑا اچھا کام کیا، اس سے بھی آدمی خوش کیا جائے، خوش ہو جاتا ہے اس کی حوصلہ افزائی ہو جاتی ہے لیکن اس سے صرف اتنا ہی فائدہ حاصل ہوا کہ سن کر تھوڑا سا دل خوش ہو گیا۔

لیکن اگر اس کے حق میں دعا کر دیں تو دعا ایسی چیز ہے جو دنیا و آخرت میں اس کے لئے نافع ہے، نبی کریم ﷺ نے بھی یہاں دعا دی اور دعا بھی ایسی کہ جو چیز یعنی دین کی سمجھ سالہا سال کی مشقت سے بھی مشکل سے حاصل ہوتی ہے اس کی دعا فرمادی اور سید الانبیاء ﷺ کی دعا سے بڑی نعمت اور کیا ہے؟

اس واسطے معلوم ہوا کہ مخدوم خدمت لے کر خاموش نہ بیٹھا رہے بلکہ اس کا کام ہے کہ خادم کو دعا دے، کم از کم ”جَزَاكَ اللّٰهُ“ ہی کہہ دے تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت میں اس کا بدلہ عطا فرمائیں۔ پیر صاحبان تو خدمت کو اپنا حق سمجھتے ہیں، یہ سمجھ ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی خادم خدمت کر رہا ہے تو وہ ہمارا قرضہ چکا رہا ہے، لہذا شکر یہ ادا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہمت افزائی کی حاجت ہے بلکہ الٹا ڈانٹ پھٹکار ہی چلتی رہتی ہے، تو یہ طریقہ سنت کے مطابق نہیں ہے، سنت یہ ہے کہ اپنے خادم کی حوصلہ افزائی کرے اور اس کے لیے دعا کرے کیونکہ یہ خدمت کو اپنا حق سمجھ رہا ہے تاکہ حق ہونے کی بات اس کے ذہن سے نکل جائے، اس لئے کہ دعا کرنے کا مطلب ہے یہ ہے کہ یہ میرا حق نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہی آپ کو اس کا بدلہ دیں۔

افراط و تفریط نہ ہونا چاہئے

یہ باتیں اس لئے ذکر کر رہا ہوں کہ ان میں بڑی افراط و تفریط ہوتی رہتی ہے، ابھی تو آپ یہاں طالب علم ہیں، خادم بن کر رہتے ہیں لیکن جب استاذ بن کر جائیں گے تو پھر دماغ میں تھوڑا سا ”خناس“ آ جائے گا کہ میں محتاج الیہ ہوں اور جو سامنے بیٹھے ہیں وہ محتاج ہیں، لہذا یہ خادم ہیں اور میں مخدوم ہوں، تو شاگردوں کے ساتھ معاملہ کبھی کبھار تکبر کی حدود میں آ جاتا ہے اور بعض اوقات دل شکنی کی صورت میں آ جاتا ہے، طالب علم بے چارہ کہے یا نہ کہے۔

اور اگر خدا نخواستہ پیر بن گئے تو اللہ اکبر، پھر تو چھوٹی سی خدائی ہے، جتنے مریدین ہیں بے چارے سب بندے بن گئے، اللہ بچائے پھر اس کی کھال اور چمڑی بھی حلال، ان کا مال اور آبرو بھی حلال۔ تو یہ سب باتیں حضور اقدس ﷺ کی سنت کو نہ سمجھنے اور عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہیں۔

رَاۤیْ رُدُّعُوْنَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



☆ سونے کے آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ نَامَ عَلَى شِقِّهِ، ثُمَّ قَالَ: ((اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَالْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنَاجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ)) (۱)

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے سوتے وقت کی دعا سکھائی ہے اور سونے کا طریقہ بتا دیا کہ جب بستر پر جاؤ تو کس طرح لیٹو، کس طرح سو، حضور اقدس ﷺ کی شفقتیں اور رحمتیں اس امت کے لئے دیکھیں کہ ایک ایک چیز کا طریقہ بتا رہے ہیں۔ جس طرح ماں باپ اپنے بچے کو ایک ایک چیز سکھاتے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایک ایک بات اس امت کو سکھائی ہے۔ ایک اور حدیث میں انہی صحابی سے روایت ہے:

قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وَضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ)) (۲)

☆ اصلاحی خطبات (۱۳۰ تا ۱۱۰/۴) ۲۴ ستمبر ۱۹۹۳ء بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

- (۱) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب ما یقول اذا نام، رقم: ۵۸۳۸، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء و التوبۃ والاستغفار، باب ما یقول عند النوم وأخذ المضجع، رقم: ۴۸۸۵، سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الدعاء اذا اوی الی فراشه، رقم: ۳۳۱۷، مسند أحمد، رقم: ۱۷۷۸۲، سنن الدارمی، کتاب الاستئذان، باب الدعاء عند النوم، رقم: ۱۲۵۶۷
- (۲) صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب فضل من بات علی الوضوء، رقم: ۲۳۹، سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب ما یقال عند النوم، رقم: ۴۳۸۹

سوتے وقت وضو کر لیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم بستر پر سونے کے لئے جانے لگو تو ویسا ہی وضو کر لو جیسا کہ نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے۔ یہ بھی نبی کریم ﷺ کی سنت ہے کہ آدمی وضو کر کے سوئے۔ اگر کوئی شخص وضو کے بغیر سو جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ اس لئے کہ سونے کے واسطے وضو کرنا کوئی فرض واجب نہیں۔ لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے سونے کا ادب یہ بتایا کہ سونے سے پہلے وضو کر لو۔

یہ آداب محبت کا حق ہیں

یہ آداب اور مستحبات جو سرکارِ دو عالم ﷺ نے تلقین فرمائے ہیں۔ یہ اگرچہ فرض و واجب تو نہیں، لیکن ان کے انوار و برکات بے شمار ہیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ فرائض و واجبات اللہ جل جلالہ کی عظمت کا حق ہیں، اور یہ آداب و مستحبات اللہ جل جلالہ کی محبت کا حق ہیں، اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ محبت کا حق ہے، جو آداب آپ نے تلقین فرمائے ہیں۔ انسان کو چاہئے کہ ان آداب کو اختیار کرے، یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ انہوں نے یہ فرما دیا کہ اگر ان کو اختیار نہیں کرو گے تو کوئی گناہ نہیں دیں گے، ورنہ یہ آداب و مستحبات ادا کرنا مقصود ہے۔ ایک مومن بندہ وہ تمام آداب و مستحبات بجالائے جو حضور اقدس ﷺ کر گئے۔ اس لئے حتی الامکان ان کو اختیار کرنا چاہئے۔

دائیں کروٹ پر لیٹیں

بہر حال، سونے سے پہلے وضو کرنا ادب ہے، اب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کی حکمت کی انتہا کو کون پہنچ سکتا ہے۔ خدا معلوم اس حکم میں کیا کیا انوار و برکات پوشیدہ ہیں۔ اس کے بعد سونے کا طریقہ بتا دیا کہ دائیں کروٹ پر لیٹو، یہ بھی آداب میں ہے کہ انسان جب سونے کے لئے بستر پر لیٹے تو ابتداء دائیں کروٹ پر لیٹے، بعد میں اگر ضرورت ہو تو کروٹ بدل دے، وہ اب کے خلاف نہیں ہے اور لیٹ کر یہ الفاظ زبان سے ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ اور تعلق قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اور یہ دعا پڑھو:

((اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَ وَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَالْعَاجَاتُ ظَهَرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا

إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَنَبَّيْتُكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ))

دن کے معاملات اللہ کے سپرد کر دو

حضور اقدس ﷺ اس دعا میں ایسے عجیب و غریب الفاظ لائے ہیں کہ آدمی ان الفاظ پر قربان ہو جائے، فرمایا کہ اے اللہ، میں نے اپنے نفس کو آپ کے تابع بنا دیا، اس کا ترجمہ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ اے اللہ، میں نے اپنے نفس کو آپ کے حوالے کر دیا، اور میں نے اپنا رخ آپ کی طرف کر دیا، اور اے اللہ، میں نے اپنے سارے معاملات آپ کو سونپ دیئے، مطلب یہ ہے کہ سارا دن تو دوڑ دھوپ میں لگا رہا۔ کبھی رزق کی تلاش میں کبھی نوکری کی تلاش میں، کبھی تجارت میں، کبھی صنعت میں اور کبھی کسی اور دھندے میں لگا رہا، یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا۔ ساری کاروائیاں کر کے گھر پہنچ گیا، اور اب سونے کے لئے لیٹنے لگا۔ اور انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ رات کو بستر پر سونے کے لئے لیٹتا ہے۔ تو جو کچھ دن میں حالات گزرے ہیں۔ اس کے خیالات دل پر چھا جاتے ہیں، اور پھر اس کو یہ فکر اور تشویش لاحق ہوتی ہے کہ خدا جانے کل کیا ہوگا؟ جو کام ادھورا چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس کا کیا بنے گا؟ دکان چھوڑ کر آیا ہوں۔ کہیں رات کو چوری نہ ہو جائے۔ یہ سب اندیشے اور تشویشات رات کو سوتے وقت انسان کو ہوتے ہیں، اور یہ اندیشے دل کو ستاتے ہیں، اس لئے دعا کر لو کہ یا اللہ دن میں تو جو کام مجھ سے ہو سکے، میں کرتا رہا، اب تو یہ سارے معاملات میں نے آپ کے سپرد کر دیئے ہیں۔

دن میں جو کچھ کر سکتا تھا وہ کر لیا، اب میرے بس میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ ہی کی طرف رجوع کروں، اور آپ ہی سے مانگوں، کہ یا اللہ! جو معاملات میں نے کئے ہیں۔ ان کو انجام تک پہنچا دیجئے۔

سکون و راحت کا ذریعہ ”تفویض“ ہے

یہی ”تفویض“ ہے اور اسی کا نام توکل ہے کہ اپنے کرنے کا جو کام تھا وہ کر لیا، اپنے بس میں جتنا تھا وہ کر گزرے، اور اس کے بعد اللہ کے حوالے کر دیا کہ یا اللہ! اب آپ کے حوالے ہے، اس دعا میں حضور اقدس ﷺ نے سکھا دیا کہ اب تم سونے کے لئے جا رہے ہو۔ تو ان خیالات اور پریشانیوں کو دل سے نکال دو، اور اللہ کے حوالے کر دو۔

سپر دم بتو مایہ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

سپردگی اور ”تفویض“ کے لطف اور اس کے کیف اور مزے کا اندازہ انسان کو اس وقت تک نہیں

ہوتا، جس تک یہ سپردگی اور تفویض کی حالت اور کیفیت انسان پر گزرتی نہیں۔ یاد رکھو، دنیا میں عافیت، اطمینان اور سکون کا کوئی راستہ تفویض اور توکل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، بس اپنا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے ہر کام کے لئے دوڑ دھوپ کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس حد سے آگے انسان کچھ نہیں کر سکتا۔

ایک مسلمان اور کافر میں یہی فرق ہے کہ ایک کافر ایک کام کے لئے دوڑ دھوپ کرتا، محنت کرتا ہے، کوشش کرتا ہے، جد جہد کرتا ہے اور پھر سارا بھروسہ اسی کوشش پر کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت تشویشات اور اندیشوں میں مبتلا رہتا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ ”توکل“ اور ”تفویض“ کی نعمت عطا فرماتے ہیں۔ وہ اللہ میاں سے کہتا ہے کہ یا اللہ، میرے بس میں اتنا کام تھا۔ جو میں نے کر لیا۔ اب آگے آپ کے حوالے ہے اور آپ کا جو فیصلہ ہے، اس پر میں راضی ہوں۔ یاد رکھو، جب انسان کے اندر یہ ”تفویض“ کی صفت پیدا ہو جاتی ہے تو دنیا کے اندر اس کو ناقابل برداشت پریشانی نہیں آتی، بہر حال، سوتے وقت یہ دعا کر لو کہ یا اللہ، میں نے تمام معاملات آپ کے سپرد اور آپ کے حوالے کر دیئے۔

پناہ کی جگہ ایک ہی ہے

((وَالْجَاثِ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنَاجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ))

اور میں نے آپ کو آپ کی پناہ حاصل کرنے والا بنا دیا، یعنی میں نے آپ کی پناہ پکڑی آپ کی پناہ میں آ گیا، اور اب ساری دنیا کے وسائل اور اسباب سب منقطع کر لئے۔ اب سوائے آپ کی پناہ کے میرا کوئی سہارا نہیں، اور اس حالت میں ہوں کہ آپ کی طرف رغبت بھی ہے۔ آپ کی رحمت کی امید بھی ہے کہ آپ رحمت کا معاملہ فرمائیں گے، لیکن ساتھ میں خوف بھی ہے۔ یعنی اپنی بد اعمالیوں کا ڈر بھی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی بات پر گرفت ہو جائے، اس حالت میں لیٹ رہا ہوں۔ آگے کیا عجیب جملہ فرمایا:

((لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنَاجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ))

آپ سے بچ کر جانے کی کوئی اور جگہ سوائے آپ کے نہیں ہے کہ خدا نہ کرے۔ اگر آپ کا کوئی قہر آ جائے۔ یا آپ کا عذاب آ جائے تو ہم بچ کر کہاں جائیں، اس لئے کہ کوئی اور پناہ کی جگہ ہے نہیں، پھر لوٹ کر آپ ہی کے پاس آنا پڑے گا کہ اے ”اللہ“ اپنے غضب اور قہر سے بچا لیجئے۔

تیر چلانے والے کے پہلو میں بیٹھ جاؤ

ایک بزرگ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم یہ تصور کرو کہ ایک زبردست قوت ہے، اور اس کے ہاتھ میں کمان ہے، اور یہ پورا آسمان اس کمان کی قوس ہے، اور زمین اس کی تانت ہے، اور حوادث اور مصیبتیں اس کمان سے چلنے والے تیر ہیں، اب یہ دیکھو کہ ان حوادث کے تیروں سے بچنے کا راستہ کیا ہے؟ کیسے ان سے بچیں؟ کہاں جائیں؟ پھر خود ہی ان بزرگ نے جواب دیا کہ ان تیروں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ خود اسی تیر چلانے والے کے پاس جا کر کھڑا ہو جائے، ان تیروں سے بچنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے، یہی مفہوم ہے ان الفاظ کا:

((لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنَاجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ))

ایک نادان بچے سے سبق لو

میرے ایک بڑے بھائی ہیں ان کا ایک پوتا ہے۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ اس پوتے کی ماں اس پوتے کو کسی بات پر مار رہی ہیں، لیکن عجیب منظر یہ دیکھا کہ ماں جتنا مارتی جا رہی ہے۔ بچہ اسی ماں کی گود میں چڑھتا جا رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ وہاں سے بھاگے، وہ تو اور گود کے اندر گھس رہا ہے، اور ماں سے لپٹا جا رہا ہے، یہ بچہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اس لئے کہ وہ بچہ جانتا ہے کہ اس ماں کی پٹائی سے بچنے کا راستہ بھی اسی ماں ہی کے پاس ہے، اور اسی ماں ہی کے پاس جا کر قرار اور سکون ملے گا، اس ماں کی گود کے علاوہ کوئی اور قرار کی جگہ نہیں ہے، اس نادان بچے کو تو اتنا فہم ہے، وہ جانتا ہے کہ کہیں اور قرار نہیں ملے گا۔

یہی فہم اور ادراک نبی کریم سرور دو عالم ﷺ ہمارا اندر بھی پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصیبت اور تکلیف آئی ہے، تو پناہ بھی اسی کے پاس ہے، اسی سے مانگو کہ یا اللہ! اس مصیبت اور تکلیف کو دور فرما دیجئے، آپ کے علاوہ کوئی پناہ کی جگہ بھی نہیں، اس لئے آپ ہی سے آپ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔

سیدھے جنت میں جاؤ گے

آگے فرمایا:

((آمَنْتُ بِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَنَبِيَّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ))

”میں ایمان لایا آپ کی کتاب پر جو آپ نے نازل کی، اور آپ کے نبی پر جو آپ

نے بھیجا، یعنی محمد رسول اللہ ﷺ پر

اور پھر فرمایا کہ یہ کلمات سونے سے پہلے کہو، اور یہ کلمات تمہاری آخری گفتگو ہو۔ اس کے بعد کوئی اور بات نہ کرو، بلکہ سو جاؤ۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ رات کو سوتے وقت چند کام کر لیا کرو۔ ایک تو دن کے بھر کے گناہوں سے توبہ کر لیا کرو۔ بلکہ سارے پچھلے گناہوں سے توبہ کر لیا کرو۔ اور وضو کر لیا کرو۔ اور یہ مذکورہ بالا دعا پڑھ لیا کرو۔ اس دعا کے ذریعہ ایمان کی بھی تجدید ہوگئی۔ اس کے بعد داہنی کروٹ پر سو جاؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری نیند عبادت بن گئی، اور اگر اس حالت میں رات کو سوتے سوتے موت آگئی تو انشاء اللہ سیدھے جنت میں جاؤ گے، اللہ نے چاہا تو کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

سونے اور جاگنے کی دعائیں

وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ: ((اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أُمُوتُ وَأُحْيَا)) وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: ((الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ)) (۱)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رات کے وقت اپنے بستر پر تشریف لے جاتے، تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھ لیتے تھے، اور پھر یہ دعا پڑھتے: ((اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أُمُوتُ وَأُحْيَا))

”اے اللہ! میں آپ کے نام سے مرتا ہوں، آپ کے نام سے جیتا ہوں“

نیند ایک چھوٹی موت ہے

اس سے پہلے جو حدیث گزری اس میں طویل دعا منقول تھی، اور اس حدیث میں مختصر دعا منقول ہے، بہر حال، سوتے وقت دونوں دعائیں پڑھنا ثابت ہیں، لہذا کبھی ایک دعا پڑھ لی جائے، اور کبھی دوسری دعا پڑھ لی جائے اور اگر دونوں دعاؤں کو جمع کر لیا جائے تو اور بھی اچھا ہے اور یہ دوسری دعا تو بہت ہی مختصر ہے، اس کو یاد رکھنا بھی آسان ہے، اس مختصر دعا میں سوتے وقت حضور اقدس ﷺ

(۱) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب ما يقول إذا أصبح، رقم: ۵۸۵۰، سنن الترمذی، کتاب

الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب منه، رقم: ۳۳۳۹، مسند أحمد، رقم: ۲۰۴۰۴

نے اس بات کی طرف توجہ دلا دی کہ نیند بھی ایک چھوٹی موت ہے۔ اس لئے کہ نیند میں انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے، جیسا کہ مردہ بے خبر ہوتا ہے۔ اس لئے اس چھوٹی موت کے وقت اس بڑی موت کا احساس کیا جائے۔ اس کو یاد کیا جائے۔ یہ چھوٹی نیند تو مجھے روزانہ آتی ہے اور عام طور پر میں اس سے بیدار ہو جاتا ہوں لیکن ایک نیند آنے والی ہے۔ جس سے بیداری قیامت کے دن ہوگی۔ اس کا استحضار کیا جائے۔ اس کو یاد کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں مدد مانگی جائے کہ اے اللہ! میں آپ ہی کے نام پر مرتا ہوں اور جیتا ہوں۔

بیدار ہونے کی دعا

اور جب آپ ﷺ سونے سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

((الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ))

”اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں موت کے بعد زندگی عطا فرمائی، اور

بالآخر اسی کی طرف ایک دن لوٹ کر جانا ہے“

یعنی آج یہ موت آئی وہ چھوٹی موت تھی، اس سے بیداری ہوگئی۔ زندگی کی طرف واپسی ہوگئی، لیکن بالآخر ایک ایسی نیند آنے والی ہے، جس کے بعد واپسی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوگی، اس دنیا کی طرف نہیں ہوگی۔

موت کو کثرت سے یاد کرو

قدم قدم پر حضور اقدس ﷺ دو باتیں سکھا رہے ہیں۔ ایک تعلق مع اللہ، یعنی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ قدم قدم پر اللہ کا ذکر اور دوسرے آخرت کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس لئے کہ جب روزانہ انسان سوتے وقت اور جاگتے وقت یہ دعائیں پڑھے گا تو اس کو ایک نہ ایک دن موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کا دھیان ضرور آگے گا۔ کب تک یہ دھیان اور خیال نہیں آئے گا۔ کب تک غفلت میں مبتلا رہے گا۔ اس لئے یہ دعائیں آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لئے بڑی اکسیر ہیں، حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اُكْثِرُوا ذِكْرَ هَٰذِهِمِ اللَّذَاتِ الْمَوْتِ)) (۱)

(۱) سنن الترمذی، کتاب الزہد عن رسول اللہ، باب ماجاء فی ذکر الموت، رقم: ۲۲۲۹، سنن

النسائی، کتاب الجنائز، باب کثرة ذکر الموت، رقم: ۱۸۰۱

”اس چیز کا ذکر کثرت سے کرو جو تمام لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے، یعنی موت“
 اس لئے مرنے کو یاد کرنے سے موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا احساس خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ ہماری زندگیوں میں جو خرابیاں آگئی ہیں۔ وہ غفلت کی وجہ سے آئی ہیں۔ موت سے غفلت دور ہو جائے، اور یہ بات مستحضر ہو جائے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ تو پھر انسان اپنے ہر قول اور فعل کو سوچ سوچ کر کرے گا۔ کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے۔ اس لئے ان دعاؤں کو خود بھی یاد کرنا چاہئے اور اپنے بچوں کو بچپن ہی میں یاد کرادینا چاہئے۔

الثالیثنا پسندیدہ نہیں

عَنْ يَعِيشِ بْنِ طَحْفَةَ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ أَبِي: بَيْنَمَا أَنَا مُضْطَبِّحٌ فِي الْمَسْجِدِ عَلَى بَطْنِي إِذَا رَجُلٌ يُحَرِّكُنِي بِرِجْلِهِ فَقَالَ: ((إِنَّ هَذِهِ ضُجْعَةٌ يُغَضُّهَا اللَّهُ)) قَالَ: فَنَظَرْتُ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۱)

”حضرت یعیش بن طحفہ غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے یہ واقعہ بتایا کہ میں ایک دن مسجد میں پیٹ کے بل اُلٹا لیٹا ہوا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ کوئی شخص اپنے پاؤں سے مجھے حرکت دے رہا ہے، اور ساتھ ساتھ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ لیٹنے کا وہ طریقہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ کہنے والے شخص حضور اقدس ﷺ تھے“

گویا کہ آنحضرت ﷺ نے اس طریقے سے لیٹنے کو پسند نہیں فرمایا، یہاں تک کہ پاؤں سے حرکت دے کر ان کو اس پر تنبیہ فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت الثالیثنا مکروہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی ناپسند ہے، اور نبی کریم ﷺ کو بھی ناپسند ہے۔

وہ مجلس باعث حسرت ہوگی

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ تَعَالَى فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللَّهِ تِرَةٌ وَمَنْ اضْطَبَّحَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللَّهِ تِرَةٌ)) (۲)

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینبطح علی بطنه، رقم: ۴۳۸۳، مسند أحمد، رقم: ۱۴۹۹۳

(۲) سنن أبی داؤد، کتاب الادب، باب کراهیة أن یقوم الرجل من مجلسه لا یذكر الله، رقم: ۴۲۱۵

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو شخص کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں اللہ کو یاد نہ کیا گیا ہو، اللہ کا کوئی ذکر اس مجلس میں نہ آیا ہو، نہ اللہ کا نام لیا گیا ہو، تو آخرت میں وہ مجلس اس کے لئے حسرت کا باعث بنے گی۔ یعنی جب آخرت میں پہنچے گا، اس وقت حسرت کرے گا کہ کاش، میں مجلس میں نہ بیٹھا ہوتا، جس میں اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اس لئے فرمایا کہ مسلمان کی کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہونی چاہئے۔

ہماری مجلسوں کا حال

اب ذرا ہم لوگ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں اپنے حالات کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہماری کتنی مجلسیں محفلیں غفلت کی نظر ہو جاتی ہیں، اور ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، اللہ کا نام، یا اللہ کے دین کا کوئی تذکرہ ان میں نہیں ہوتا، سرکارِ دو عالم ﷺ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے روز ایسی تمام مجلسیں وبال اور حسرت کا ذریعہ ہوں گی۔ ہمارے یہاں مجلس آرائی کا سلسلہ چل پڑا ہے، اسی مجلس آرائی ہی کو مقصد بنا کر لوگ بیٹھ جاتے ہیں، اور فضول باتیں کرنے کے لئے باقاعدہ محفل جمائی جاتی ہے، جس کا مقصد گپ شپ کرنا ہوتی ہے، یہ گپ شپ کی مجلس بالکل فضول اور بے کار اور بے مقصد اور اوقات کو ضائع کرنے والی بات ہے اور جب مقصد صحیح نہیں ہوتا، بلکہ محض وقت گزاری مقصود ہوتی ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسی مجلس میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اللہ کے دین سے غفلت تو ہوگی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس مجلس میں کبھی کسی کی غیبت ہوگی، کبھی جھوٹ ہوگا، کبھی کسی کی دل آزادی ہوگی، کسی کی تحقیر ہوگی، کسی کا مذاق اڑایا جائے گا۔ یہ سارے کام اس مجلس میں ہوں گے۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ سے غافل ہو گئے، تو اس غفلت کے نتیجے میں وہ مجلس بہت سے گناہوں کا مجموعہ بن جائے گی، اس بات کو حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ مجلس قیامت کے روز حسرت کا سبب بنے گی، ہائے ہم نے وہ وقت کیسا ضائع کر دیا، کیونکہ آخرت میں تو ایک ایک لمحے کی قیمت ہوگی، ایک ایک نیکی کی قیمت ہوگی۔ جب انسان کا حساب و کتاب ہو رہا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری ہوگی۔ اس وقت ایک ایک نیکی کا حساب ہوگا، اس وقت تمنا کرے گا کہ کاش، ایک نیکی میرے نامہ اعمال میں بڑھ جاتی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ جو ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ وہ اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ حسرت کا وقت آئے، ابھی سے اس بات کا دھیان کر لو کہ یہ مجلسیں حسرت بننے والی ہیں۔

تفریح طبع کی باتیں کرنا جائز ہے

لیکن ایک بات عرض کر دوں کے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی بس خشک اور کھردرا ہو کر رہ جائے، اور کسی سے کوئی خوش طبعی اور گفتگو کی بات نہ کرے، یہ مقصد ہرگز نہیں، کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پاس بیٹھے، تو کبھی آپ سے تفریح طبع کی باتیں بھی کیا کرتے تھے، بلکہ خود حضور اقدس نے فرمایا:

((رَوْحُوا الْقُلُوبَ سَاعَةً فَسَاعَةً)) (۱)

”کبھی کبھی اپنے دلوں کو آرام اور راحت دیا کرو“

اس لئے کبھی کبھی خوش طبعی اور گفتگو کی باتیں کرنے میں کچھ حرج نہیں، یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ بعض اوقات حضور کی مجلس میں بیٹھے ہوتے تو زمانہ جاہلیت کے واقعات بھی کبھی کبھی بیان کرتے کہ ہم زمانہ جاہلیت میں یوں رہتے تھے اور بعض اوقات تبسم بھی فرماتے، لیکن ان مجلسوں میں اس بات کا اہتمام تھا کہ کوئی گناہ کا کام نہ ہو، غیبت اور دل آزاری نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ان مجلسوں کے باوجود دل کی لوا اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے۔ ذکر اللہ سے وہ مجلس خالی نہیں تھی، مثلاً اس مجلس میں زمانہ جاہلیت کا ذکر کیا، اور پھر اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ضلالت اور گمراہی اور تاریکی سے نکال دیا، لہذا یہ طریقہ تھا حضور نبی کریم رضی اللہ عنہم کا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا، وہ حضرات اس کا مصداق تھے:

دست بکار، دل بیار

کہ ہاتھ اپنے کام میں مشغول ہے، زبان سے دوسری باتیں نکل رہی ہیں، اور دل کی لو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے۔

حضور رضی اللہ عنہ کی شان جامعیت

”یہ بات کہنے کو تو آسان ہے، لیکن مشق سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے“

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے بارہا سنا کہ ”یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ نبی کریم رضی اللہ عنہ کی وہ ذات بالاصفات جس کا ہر وقت اللہ جل شانہ سے رابطہ قائم ہے، وحی آرہی ہے، ایسے جلیل القدر مقامات پر جو ہستی فائز ہیں، وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ دل لگی کیسے کر لیتے ہیں؟ وہ اپنے اہل و عیال سے دنیا کی باتیں کیسے کر لیتے ہیں؟ جبکہ

ہر وقت حضوری کا یہ عالم ہے۔ مگر رات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گیارہ عورتوں کی کہانی سنار ہے ہیں کہ گیارہ عورتیں تھیں۔ ان عورتوں نے یہ معاہدہ کیا کہ ہر عورت اپنے شوہر کی کیفیت بیان کرے کہ اس کا شوہر کیسا ہے؟ اب ہر عورت نے اپنے شوہر کا پورا حال بیان کیا کہ میرا شوہر ایسا ہے، میرا شوہر ایسا ہے، اب یہ سارا واقعہ حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنار ہے ہیں۔ (۱)

بہر حال، حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات پہلے سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ جس ذات گرامی کا اللہ تعالیٰ سے اس درجہ تعلق قائم ہو، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ ہنسی اور دل لگی کی باتیں کیسے کر لیتے ہیں؟ لیکن بعد میں فرمایا کہ الحمد للہ، اب سمجھ میں آ گیا کہ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں، کہ دل لگی بھی ہو رہی ہے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہو رہی ہے۔ اور دل میں یہ خیال ہے کہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق واجب کا ہے کہ ان کا دل خوش کروں۔ اس حق کی وجہ سے یہ دل لگی ہو رہی ہے۔ تو اللہ تبارک کے ساتھ رابطہ بھی قائم ہے، اور اس دل لگی کی وجہ سے وہ رابطہ نہ ٹوٹتا ہے، اور نہ کمزور ہوتا ہے۔ اس میں کوئی نقص نہیں آتا، بلکہ اس تعلق میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔

اظہار محبت پر اجر و ثواب

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! اگر میاں بیوی آپس میں باتیں کرتے ہیں، اور ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرتے ہیں، تو اس وقت ان کے ذہنوں میں اس بات کا تصور بھی نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اس واسطے کر رہا ہوں، تو کیا اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں، اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں، اور جب ایک مرتبہ دل میں یہ ارادہ کر لیا کہ میں ان تمام تعلقات کا حق اللہ کے لئے ادا کر رہا ہوں۔ اللہ کے حکم کے مطابق ادا کر رہا ہوں تو اب اگر ہر مرتبہ میں اس بات کا استحضار بھی نہ ہو تو جب ایک مرتبہ جو نیت کر لی گئی ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی کافی ہے۔

ہر کام اللہ کی رضا کی خاطر کرو

اس لئے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم صبح کو بیدار ہو جاؤ، تو

(۱) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرة مع الأهل، رقم: ۴۷۹۰، صحیح مسلم،

کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر حدیث أم زرع، رقم: ۴۴۸۱

نماز کے بعد تلاوت قرآن اور ذکر و اذکار اور معمولات سے فارغ ہونے کے بعد ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر لو:

﴿قُلْ إِنِّي صَلَّاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۱)

اے اللہ، آج دن بھر میں جو کچھ کام کروں گا، وہ آپ کی رضا کی خاطر کروں گا۔ کماؤں گا تو آپ کی رضا کی خاطر۔ گھر میں جاؤں گا تو آپ کی خاطر بچوں سے بات کروں گا تو آپ کی رضا کی خاطر، یہ سب کام میں اس لئے کروں گا کہ ان کے حقوق آپ نے میرے ساتھ وابستہ کر دیئے ہیں، اور جب ایک مرتبہ یہ نیت کر لی تو اب یہ دنیا کے کام نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سب دین کے کام ہیں، اور اللہ کی رضا کے کام ہیں۔ ان کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے تعلق ختم نہیں ہوتا، بلکہ وہ تعلق زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ اور اللہ کی یاد

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے جو تربیت یافتہ حضرات تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی یہی صفت عطا فرمائی تھی، چنانچہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا یہ واقعہ سنا کہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ، جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر خلفاء میں تھے، ایک مرتبہ وہ اور ہم لوگ امرتسر میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں جمع ہو گئے۔ اس وقت آم کا موسم تھا، رات کو کھانے کے بعد سب لوگ مل کر آم کھاتے رہے، اور آپس میں بے تکلفی کی باتیں بھی ہوتی رہیں، حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ شاعر بھی تھے، اس لئے انہوں نے بہت سے اشعار سنائے، تقریباً ایک گھنٹہ اس طرح گزر گیا کہ شعر و شاعری اور ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے اچانک یہ سوال کیا کہ دیکھو، ہم سب ایک گھنٹے سے یہ باتیں وغیرہ کر رہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم میں سے کس کس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد سے غفلت ہوئی؟ ہم نے کہا کہ ہم سب ایک گھنٹے سے انہی باتوں میں خوش گپیوں میں منہمک ہیں۔ اس لئے سب ہی اللہ کے ذکر سے غفلت میں ہیں، اس پر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ مجھے اس پورے عرصے میں اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے غفلت نہیں ہوئی۔ دیکھئے، ہنسی مذاق بھی ہو رہا ہے۔ دل لگی کی باتیں بھی ہو رہی ہیں۔ شعر بھی سنائے جا رہے ہیں، اور شعر بھی سادہ انداز میں نہیں۔ بلکہ ترنم کے ساتھ شعر سنائے جا رہے ہیں، بعض اوقات شعر و شاعری میں گھنٹوں گزار دیتے تھے، لیکن

(۱) الأنعام: ۱۶۳، اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:

وہ فرما رہے ہیں کہ الحمد للہ مجھے اللہ کی یاد سے غفلت نہیں ہوئی، اس پورے عرصے میں دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رہا۔

یہ کیفیت مشق کی بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کیفیت کا کوئی حصہ ہم لوگوں کو عطا فرمادے، اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔

دل کی سوئی اللہ کی طرف

میں نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب دیکھا جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھا تھا۔ حضرت والد صاحب نے اس مکتوب میں لکھا تھا:

”حضرت، میں اپنے دل کی یہ کیفیت محسوس کرتا ہوں کہ جس طرح قطب نما کی سوئی ہمیشہ شمال کی طرف رہتی ہے اسی طرح اب میرے دل کی یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ چاہے کہیں پر بھی کام کر رہا ہوں چاہے مدرسہ میں ہوں یا گھر میں ہوں یا دکان پر ہوں یا بازار میں ہوں لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دل کی سوئی تھانہ بھون کی طرف ہے“

اب ہم لوگ اس کیفیت کو اس وقت تک کیا سمجھ سکتے ہیں جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل سے ہم لوگوں کو عطا نہ فرمادے لیکن کوشش اور مشق سے یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس ہوتا رہے تو پھر آہستہ آہستہ یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے کہ زبان سے دل لگی کی باتیں ہو رہی ہیں مگر دل کی سوئی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ کیفیت عطا فرمادے۔

دل اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بنایا ہے

یہ ساری دعائیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تلقین فرما رہے ہیں، ان سب کا منہج مقصود یہ ہے کہ جس کسی کام میں تم لگے ہوئے ہو جس حالت میں بھی تم ہو، مگر تمہارا دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا ہوا ہو۔ یہ دل اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بنایا ہے۔ دوسرے جتنے اعضاء ہیں، آنکھ، ناک، کان، زبان وغیرہ یہ سب دنیوی کاموں کے لئے ہے کہ ان کے ذریعے دنیاوی مقاصد حاصل کرتے چلے جاؤ لیکن یہ دل اللہ تبارک و تعالیٰ نے خالصتاً اپنے لئے بنایا ہے تاکہ اس کے اندر اللہ کی تجلی ہو، اس کی محبت سے یہ معمور ہو، اس کے ذکر سے یہ آباد ہو، اس بات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ان الفاظ کے ذریعے ارشاد فرمایا کہ ”افضل عمل یہ ہے کہ انسان کی زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے“ اسی زبان کو اللہ تعالیٰ نے

دل میں اُترنے کا زینہ بنایا ہے۔ اس لئے جب زبان سے ذکر کرتے رہو گے تو انشاء اللہ اس ذکر کو دل کے اندر اُتار دیں گے اور طریقت، تصوف و سلوک کا اصل مقصد بھی یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد، اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح سما جائے کہ یہ اللہ جل جلالہ کی تجلی گاہ بن جائے۔

مجلس کی دعا اور گناہ

بہر حال حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ جو شخص ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو تو وہ مجلس قیامت کے دن باعث حسرت بنے گی اور اسی لئے سرکارِ دو عالم ﷺ پر قربان جائے کہ وہ ہم جیسے غفلوں کے لئے کمزوروں کے لئے اور تن آسانوں کے لئے آسان آسان نسخے بتا گئے۔ چنانچہ آپ نے ہمیں یہ نسخہ بتا دیا کہ جب کسی مجلس سے اُٹھنے لگو یہ کلمات کہہ لو:

﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ

لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۱)

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر مجلس اب تک اللہ کے ذکر سے خالی تھی، تو اب اللہ کے ذکر سے آباد ہو گئی۔ اب اس مجلس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں اللہ کا ذکر نہیں ہوا، بلکہ ذکر ہو گیا۔ اگرچہ آخر میں ہوا اور دوسرے یہ کہ مجلس میں جو کمی کوتاہی ہوئی اس کے لئے یہ کلمات کفارہ ہو جائیں گے انشاء اللہ اور دوسرا کلمہ یہ پڑھے:

((سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ

إِلَيْكَ)) (۲)

بہر حال یہ دونوں کلمات اگر مجلس سے اُٹھنے سے پہلے پڑھ لو گے تو انشاء اللہ پھر قیامت کے دن وہ مجلس باعث حسرت نہیں بنے گی اور اس مجلس میں جو کمی کوتاہی یا صغیرہ گناہ ہوئے ہیں وہ انشاء اللہ معاف ہو جائیں گے۔ البتہ جو کبیرہ گناہ کئے ہیں تو وہ اس کے ذریعے معاف نہیں ہوں گے۔ جب تک آدمی توبہ نہ کر لے، اس لئے ان مجالس میں اس کا خاص اہتمام کریں کہ ان میں جھوٹ نہ ہو، غیبت نہ ہو، دل آزاری نہ ہو اور جتنے کبیرہ گناہ ہیں ان سے اجتناب ہو، کم از کم اس کا اہتمام کر لیں۔

(۱) الضَّفَّتْ: ۱۸۰-۱۸۲، آیت کا ترجمہ یہ ہے: ”تمہارا پروردگار، عزت کا مالک، ان سب باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں! اور سلام ہو پیغمبروں پر، اور تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے“

(۲) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ما يقول اذا قام من المجلس، رقم: ۳۳۵۵، سنن أبی داود، کتاب الأدب، باب فی کفارة المجلس، رقم: ۴۲۱۶، مسند أحمد، رقم: ۱۸۹۳۳، دعا کا ترجمہ یہ ہے: ”اے اللہ تو پاک ہے اور میں تیری ہی تعریف بیان کرتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے معافی طلب کرتا ہوں اور تیرے دربار میں توبہ کرتا ہوں“

سونے کو عبادت بنالو:

اس حدیث میں اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

((وَمَنْ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللَّهِ تَبَرَةً))

یعنی جو شخص کسی ایسے بستر پر لیٹے کہ اس لیٹنے کے سارے عرصے میں ایک مرتبہ بھی اللہ کا نام نہ لے تو وہ لیٹنا بھی قیامت کے روز اس کے لئے حسرت کا ذریعہ بنے گا اس بستر میں لیٹنا تھا لیکن میں نے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ نہ سوتے وقت دعا پڑھی اور نہ بیداری کے وقت دعا پڑھی۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمادیا کہ سونے سے پہلے بھی ذکر کر لو اور آخر میں بھی ذکر کر لو اور درحقیقت مومن کی پہچان یہی ہے کہ وہ ذکر کر کے سوئے اس لئے کہ ایک کافر بھی سوتا ہے اور ایک مومن بھی سوتا ہے لیکن کافر غفلت میں سوتا ہے، اللہ کو یاد کئے بغیر سوتا ہے اور مومن اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر کے ساتھ سوتا ہے اس لئے سارا سونا اس کے لئے عبادت بن جاتا ہے۔

اگر تم اشرف المخلوقات ہو

یہی وہ طریقے ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ ہمیں سکھا گئے اور ہمیں جانوروں سے ممتاز کر دیا۔ کافروں سے ممتاز کر دیا۔ آخر گدھے گھوڑے بھی سوتے ہیں، کون سا جانور ایسا ہے جو نہیں سوتا ہوگا لیکن اگر تم اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتے ہو تو پھر سوتے وقت اور بیدار ہوتے وقت اپنے خالق کو یاد کرنا نہ بھولو۔ اسی لئے دعائیں ہمیں تلقین فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دعاؤں کا پابند بنادے اور اس کے انوار و برکات ہم سب کو عطا فرمادے۔

ایسی مجلس مردار گدھا ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

((مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُومُونَ مِنْ مَجْلِسٍ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَعَالَى فِيهِ إِلَّا قَامُوا عَنْ

مِثْلِ جَنْفَةِ حِمَارٍ، وَكَانَ لَهُمْ حَسْرَةٌ)) (۱)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو قوم کسی ایسی مجلس سے اٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہیں ہے تو یہ مجلس ایسی ہے جیسے کسی

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب کراہیۃ أن يقوم الرجل من مجلسه ولا يذكر الله، رقم:

مردہ گدھے کے پاس سے اٹھ گئے، گویا کہ وہ مجلس مردار گدھا ہے جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے اور قیامت کے روز وہ مجلس ان کے لئے حسرت کا سبب بنے گی“

نیند اللہ کی عطا ہے

یہ سونے اور اس کے آداب، لیٹنے اور اس کے آداب اور اس کے متعلقات کا بیان چل رہا ہے اور جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں نبی ﷺ نے ہمیں صحیح طریقہ نہ بتایا ہو اور جس کے بارے میں یہ نہ بتایا ہو کہ اس وقت تمہیں کیا کرنا چاہیے۔ نیند بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تب پتہ لگے کہ اس کا نہ ہونا کتنی بڑی مصیبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمادی ہے اور اس طرح عطا فرمائی ہے کہ ہماری کسی محنت کے بغیر نظام ہی ایسا بنا دیا کہ وقت پر نیند آ جاتی ہے، انسان کے جسم میں کوئی ایسا سوچ نہیں ہے کہ اگر اس کو دبا دو گے تو نیند آ جائے گی، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

رات اللہ کی عظیم نعمت ہے

میرے والد ماجد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے نیند کا نظام ایسا بنا دیا کہ سب کو ایک ہی وقت میں نیند کی خواہش ہوتی ہے۔ ورنہ اگر یہ ہوتا کہ ہر شخص نیند کے معاملے میں آزاد ہے کہ جس وقت وہ چاہے سو جائے تو اب یہ ہوتا کہ ایک آدمی کا صبح آٹھ بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے ایک آدمی کا بارہ بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے، ایک آدمی کا چار بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک آدمی سونا چاہ رہا ہے اور دوسرا آدمی اپنے کام میں لگا ہوا ہے اور اس کے سر پر کھٹ کھٹ کر رہا ہے تو اب صحیح طور پر نیند نہیں آئے گی۔ بے آرامی رہے گی اس لئے اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام ایسا بنا دیا کہ ہر انسان کو، جانوروں کو پرندوں، چرندوں کو درندوں کو ایک ہی وقت میں نیند آتی ہے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ کیا ایک وقت میں سونے کے نظام کے لئے کوئی بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تھی؟ اور ساری دنیا کے نمائندوں کو بلا کر مشورہ کیا گیا تھا کہ کون سے وقت سویا کریں۔ اگر انسان کے اوپر اس معاملے کو چھوڑا جاتا تو انسان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ پوری دنیا کا نظام اس طرح کا بنا دیتا کہ ہر آدمی اس وقت سو رہا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہر ایک کے دل میں خود بخود یہ احساس ڈال دیا کہ یہ رات کا وقت سونے کا ہے اور نیند کو ان پر مسلط کر دیا۔

﴿وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا﴾ (۱)

سب اس ایک وقت میں سو رہے ہیں، اس لئے قرآن کریم میں فرمایا:
 کہ رات کو سکون کا وقت بنایا، دن کو معیشت کے لئے اور زندگی کے کاروبار کے لئے بنایا اس
 لئے یہ نیند اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ بس اتنی بات ہے کہ اس کی عطا سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کو ذرا سایا د کر لو
 کہ یہ عطا کس کی طرف سے ہے اور اس کا شکر ادا کر لو اور اس کے سامنے حاضری کا احساس کر لو۔ یہ ان
 ساری تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆

☆ سفارش

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَاهُ طَالِبٌ حَاجَةً أَقْبَلَ عَلَى جُلَسَاءَ فَقَالَ ((اشْفَعُوا فَلْتَوْجَرُوا)) (۱)

”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی حاجت مند اپنی ضرورت لے کر آتا، اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے کوئی درخواست کرتا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جو لوگ بیٹھے ہوتے تھے، آپ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ تم اس حاجت مند کی مجھ سے سفارش کر دو ”آپ اس کی حاجت پور کریں“ تاکہ تمہیں بھی سفارش کا اجر و ثواب مل جائے“

البتہ فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر ہی کرائے گا جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائیں گے۔ یعنی تمہاری سفارش کی وجہ سے کوئی غلط فیصلہ تو میں نہ کروں گا۔ فیصلہ تو وہی کروں گا جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ لیکن تم جب سفارش کرو گے تو سفارش کرنے کا ثواب تم کو بھی مل جائے گا۔ اس لئے تم سفارش کرو۔

☆ اصلاحی خطبات (۱/۹۳-۱۱۲۳)

(۱) صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضاً، رقم: ۵۵۶۷، صحیح مسلم،

کتاب البر والصلة والأدب، باب استحباب الشفاعة فيما ليس حرام، رقم: ۴۷۶۱

سفارش موجب اجر و ثواب ہے

اس حدیث میں درحقیقت اس طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ اک مسلمان کے لئے کسی دوسرے مسلمان بھائی کی سفارش کرنا، تاکہ اس کا کام بن جائے، یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ اور اسی کی ترغیب دینی مقصود ہے کہ ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کی خیر خواہی میں لگا رہے۔ اور اس کی حاجت روائی میں جتنی کوشش ہو سکتی ہے۔ وہ کرے اور اس کی سفارش سے اس کا کوئی کم بن سکتا ہے تو اس کی سفارش کرے اور اس سفارش کرنے کا انشاء اللہ اس کو اجر ملے گا۔ اس سے سفارش کے عمل کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ اچھی سفارش کرنا بڑا باعث اجر و ثواب ہے، اور اسی وجہ سے بزرگوں کے یہاں اس کا بڑا معمول رہا کہ جب کوئی حاجت مند آ کر سفارش کراتا تو وہ عموماً اس کی سفارش کر دیتے۔ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ میں نے سفارش کر کے اس پر بہت بڑا احسان کر دیا، بلکہ اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

ایک بزرگ کی سفارش کا واقعہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مواعظ میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے۔ غالباً حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ کا واقعہ ہے۔ نام صحیح طور پر یاد نہیں۔ ایک شخص ان بزرگ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ حضرت! میرا ایک کام رُکا ہوا ہے، اور فلاں صاحب کے اختیار میں ہے۔ اگر آپ اس سے کچھ سفارش فرمادیں تو میرا کام بن جائے، تو حضرت نے فرمایا جن صاحب کا تم نام لے رہے ہو۔ وہ میرے بہت سخت مخالف ہیں۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میری سفارش ان تک پہنچ گئی تو اگر وہ تمہارا کام کرتے ہوئے بھی ہوں گے تو بھی نہیں کریں گے، میں تمہاری سفارش کر دیتا، لیکن میری سفارش سے فائدہ ہونے کے بجائے الٹا نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ لیکن وہ شخص ان بزرگ کے پیچھے ہی پڑ گیا، کہنے لگا بس! آپ لکھ دیجئے، اس لئے کہ اگرچہ وہ آپ کا مخالف ہے، لیکن آپ کی شخصیت ایسی ہے کہ امید ہے کہ وہ اس کو رد نہیں کریں گے، ان بزرگ نے مجبور ہو کر ان کے نام ایک پرچہ لکھ دیا، جب وہ شخص پرچہ لے کر وہاں پہنچا تو ان بزرگ کا جو خیال تھا کہ یہ میرا مخالف ہے، اور کام کرتا ہوا بھی ہوگا تو نہیں کرے گا، وہ خیال صحیح ثابت ہوا۔ اور بجائے اس کہ وہ اس پرچہ کی کچھ قدر کرتا، یا اس پر عمل کرتا، اس لئے کہ بندے نے ان بزرگ کو گالی دے دی، اب وہ شخص ان بزرگ کے پاس واپس آیا، اور آ کر کہا کہ حضرت! آپ کی بات سچی تھی۔ واقعہً بجائے اس کے وہ اس کی قدر اور احترام کرتا، اس نے تو الٹا گالی دے دی، ان بزرگ نے فرمایا کہ اب میں اللہ تعالیٰ سے

تمہارے لئے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کام بنادے۔

سفارش کر کے احسان نہ جتلائے

معلوم ہوا کہ سفارش کرنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، بشرطیکہ اس سے کسی اللہ کے بندے کو فائدہ پہنچانا اور ثواب حاصل کرنا مقصود ہو۔ احسان جتلا نا مقصود نہ ہو کہ فلاں وقت میں نے تمہارا کام بنادیا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود ہو کہ اللہ کے ایک بندے کے کام میں میں نے تھوڑی سی مدد کر دی۔ تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس پر مجھے اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ اس نقطہ نظر سے جو سفارش کی جائے، وہ بہت باعث اجر و ثواب ہے۔

سفارش کے احکام

لیکن سفارش کرنے کے کچھ احکام ہیں۔ کس موقع پر سفارش کرنا جائز ہے اور کس موقع پر جائز نہیں؟ سفارش کا مطلب کیا ہے؟ سفارش کا نتیجہ کیا ہونا چاہئے؟ کس طرح سفارش کرنی چاہئے؟ یہ ساری باتیں سمجھنے کی ہیں، اور ان کے نہ سمجھنے کی وجہ سے سفارش، جو بہت اچھی چیز بھی تھی۔ فائدہ مند اور باعث اجر و ثواب چیز تھی، الٹی باعث گناہ بن رہی ہے۔ اور اس سے معاشرے میں فساد پھیل رہا ہے۔ اس لئے ان احکام کو سمجھنا ضروری ہے۔

نا اہل کے لئے منصب کی سفارش

پہلی بات یہ ہے کہ سفارش ہمیشہ ایسے کام کی ہونی چاہئے جو جائز اور برحق ہو۔ کسی نا جائز کام کے لئے یا ناحق کام کے لئے سفارش کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔ ایک شخص کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ وہ فلاں منصب اور فلاں عہدہ کا اہل نہیں ہے۔ اور اس نے اس عہدہ کے حصول کے لئے درخواست دے رکھی ہے۔ اور آپ کے پاس سفارش کے لئے آتا ہے، لیکن آپ نے صرف یہ دیکھ کر کہ ضرورت مند ہے۔ سفارش لکھ دی کہ اس کو فلاں منصب پر فائز کر دیا جائے، یا فلاں ملازمت اس کو دے دی جائے، تو یہ سفارش نا جائز ہے۔

سفارش، شہادت اور گواہی ہے

اس لئے کہ سفارش جس طرح اس شخص کی حاجت پوری کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ وہاں ساتھ ساتھ ایک شہادت اور گواہی بھی ہے۔ جب آپ کسی شخص کے حق میں سفارش کرتے ہیں تو آپ اس

بات کی گواہی دیتے ہیں کہ میری نظر میں یہ شخص اس کام کے کرنے کا اہل ہے، لہذا میں آپ سے یہ سفارش کرتا ہوں کہ اس کو یہ کام دے دیا جائے۔ تو یہ ایک گواہی ہے، اور گواہی کے اندر اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ واقعہ کے خلاف نہ ہو، اگر آپ نے اس شخص کے بارے میں لکھا دیا، اور حقیقت میں وہ نااہل ہے تو گواہی حرام ہوئی۔ اور باعث ثواب ہونے کے بجائے الٹا باعث گناہ بن گئی، اور ایسا گناہ ہے کہ اگر اس کی نااہلی کے باوجود آپ کی سفارش کی بنیاد پر اس کو اس عہدہ پر رکھ لیا گیا، اور اپنی نااہلی کی وجہ سے اس نے لوگوں کو نقصان پہنچایا، یا کوئی غلط کام کیا۔ تو سارے نقد مان اور غلط کاموں کے وبال کا ایک حصہ سفارش کرنے والے پر بھی آئے گا۔ کیونکہ اس نااہل کے اس حصہ تک پہنچنے میں یہ سبب بنا ہے۔ لہذا یہ سفارش بھی ہے اور گواہی بھی ہے اور ناجائز کام کے لئے سفارش کرنا گواہی دینا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

ممتحن سے سفارش کرنا

کسی زمانہ میں میرے پاس یونیورسٹی سے ایم اے اسلامک اسٹڈیز کے پرچے جانچنے کے لئے آجایا کرتے تھے۔ اور میں لے بھی لیا کرتا تھا، لیکن لینے کیا شروع کئے کہ اسکے نتیجے میں لوگوں کی قطار لگ گئی، کبھی کوئی ٹیلیفون آ رہا ہے، کبھی کوئی آدمی آ رہا ہے۔ اور آدمی بھی ایسے جو بظاہر بڑے دیانتدار اور امانت دار، اور ثقہ قسم کے لوگ باقاعدہ میرے پاس اسی مقصد کے لئے آتے اور ان کے ہاتھوں میں نمبروں کی ایک فہرست ہوتی، اور آ کر کہتے کہ ان نمبر والوں کا ذرا خاص خیال رکھئے گا۔

سفارش کا ایک عجیب واقعہ

ایک مرتبہ بڑے عالم شخص بھی اس طرح نمبروں کی فہرست لے کر آ گئے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت! یہ تو بڑی غلط اور ناجائز بات ہے کہ آپ یہ سفارش لے کر آ گئے ہیں۔ انشاء اللہ حق و انصاف کے مطابق جو جتنے نمبر کا مستحق ہوگا اتنے نمبر لگائے جائیں گے۔ جواباً انہوں نے فوراً قرآن کریم کی آیت پڑھ دی:

﴿مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا﴾ (۱)

مولوی کا شیطان بھی مولوی

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ مولوی کا شیطان بھی مولوی

(۱) النساء: ۸۵، آیت کا ترجمہ یہ ہے: ”جو شخص کوئی اچھی سفارش کرتا ہے، اس کو اس میں سے حصہ ملتا ہے“

ہوتا ہے۔ عام آدمی کا شیطان تو دوسرے طریقوں سے بہکاتا ہے۔ اور جو شیطان مولوی کو بہکاتا ہے، وہ مولوی بن کر بہکاتا ہے۔ ان عالم صاحب نے اس آیت سے استدلال کیا کہ قرآن کریم میں ہے کہ سفارش کرو، اس لئے کہ سفارش بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، اس لئے میں سفارش لے کر آیا ہوں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ سفارش جائز نہیں۔

سفارش سے منصف کا ذہن خراب نہ کریں

کسی قاضی اور جج کے تصفیہ کے لئے کوئی فیصلہ درپیش ہے، اور اس کے سامنے فریقین کی طرف سے گواہیاں پیش ہو رہی ہیں۔ اس وقت میں اگر کوئی یہ سفارش کرے کہ فلاں کا ذرا خیال رکھئے گا، یا فلاں کے حق میں فیصلہ کر دیجئے گا، تو یہ سفارش جائز نہیں۔ اور جو امتحان لے رہا ہے اس کے پاس بھی سفارش لے کر جانا جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اس سفارش کے نتیجے میں اس کا ذہن خراب ہو سکتا ہے۔ اور وہ قاضی تو اسی کام کے لئے بیٹھا ہے کہ دونوں طرف کے معالات کو تول کر پھر اپنا فیصلہ دے کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر ہے۔

عدالت کے جج سے سفارش کرنا

اس لئے شریعت میں اس کا بہت اہتمام کیا گیا کہ جب ایک قاضی کے سامنے کوئی مقدمہ درپیش ہو، تو اس قاضی کے لئے حکم یہ ہے کہ اس مقدمہ سے متعلق کسی ایک فریق کی بات دوسرے فریق کی غیر موجودگی میں نہ سنے، جب تک دونوں فریق موجود نہ ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک شخص نے آ کر آپ کو تنہائی میں معاملہ بتا دیا اور دوسرا آدمی اس سے بے خبر ہے، وہ اس کا جواب نہیں دے سکتا، اور وہ بات آپ کے ذہن پر مسلط ہو گئی، اور آپ کا ذہن اس سے متاثر ہو گیا تو یہ انصاف کے خلاف ہے۔ اس واسطے جب معاملہ قاضی کے پاس چلا جائے تو اس کے بعد سفارش کا دروازہ بند۔

سفارش پر میرا رد عمل

میرے پاس بھی کچھ مقدمات آ جاتے ہیں۔ اور ان مقدمات سے متعلق بعض لوگ میرے پاس پہنچ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ درپیش ہے۔ آپ اس کا خیال رکھیں، تو میں کبھی ان کی بات نہیں سنتا، اور، یہ کہہ دیتا ہوں کہ میرے لئے اس مقدمہ سے متعلق آپ کی کوئی بات سننا اس وقت تک شرعاً جائز نہیں جب تک کہ دوسرا فریق موجود نہ ہو، لہذا آپ کو جو کچھ کہنا ہو آپ عدالت میں آ کر کہئے، تاکہ دوسرا فریق بھی سامنے موجود ہو، اور اس کی موجودگی میں بات کہی جائے اور سنی جائے، تاکہ اگر

آپ غلط بات کہیں تو وہ اس کا جواب دے سکے، یہاں تنہائی میں آ کر آپ میرے ذہن کو خراب کر جائیں۔ وہ کہتا ہے کہ صاحب! ہم تو ناجائز سفارش نہیں کر رہے ہیں۔ ہم تو بالکل جائز بات لے کر آئے ہیں۔

ارے بھائی! مجھے کیا پتہ کہ جائز لے کر آئے ہو، یا ناجائز لے کر آئے ہو۔ دوسرا فریق بھی موجود ہو، اور اس کے دلائل، اس کی گواہیاں اور شہادتیں بھی سامنے ہوں، اس وقت آ منے سامنے فیصلہ ہوگا۔ بہر حال! علیحدگی میں جا کر اس کے ذہن کو متاثر کرنا جائز نہیں۔

تو ایسے موقع پر یہ کہنا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿مَنْ يُشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا﴾ (۱)

یہ کسی طرح بھی جائز نہیں چونکہ ہمارے یہاں عرصہ دراز سے اسلام کا نظام قضاء ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ مسائل بھی لوگوں کو یاد نہیں رہے۔ اچھے اچھے پڑھے لکھے بھول جاتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ ان کی طرف سے بھی سفارش آ جاتی ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہوئی کہ سفارش ایسی جگہ کرنی چاہئے جہاں سفارش جائز ہے۔

بری سفارش گناہ ہے

دوسری بات یہ ہے کہ سفارش ایسے کام کے لئے ہونی چاہئے جو کام شرعاً جائز ہو، لہذا ناجائز کام کرانے کے لئے سفارش کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ مثلاً آپ کا دوست کہیں افسر لگا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ میں اختیارات ہیں۔ اور آپ نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی نا اہل کو برطرف کر دیا تو یہ جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں جہاں اچھی سفارش کو باعث اجر قرار دیا گیا ہے وہاں بری سفارش کو باعث گناہ قرار دیا گیا ہے، فرمایا:

﴿وَمَنْ يُشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ (۲)

جو شخص بری سفارش کرے گا تو اس سفارش کرنے والے کو بھی اس گناہ میں سے حصہ ملے گا۔

سفارش کا مقصد صرف توجہ دلانا

یہ بات تو اہم ہے ہی، اور لوگ اعتقادی طور پر اس کو جانتے بھی ہیں کہ ناجائز سفارش نہیں کرنی چاہئے، لیکن اس سے بھی آگے ایک مسئلہ ہے۔ جس کی طرف عموماً دھیان نہیں۔ اور آج کل لوگ اس کا

(۱) النساء: ۸۵، آیت کا ترجمہ یہ ہے: ”جو شخص کوئی اچھی سفارش کرتا ہے، اس کو اس میں سے حصہ ملتا ہے“

(۲) النساء: ۸۵، آیت کا ترجمہ یہ ہے: ”اور جو کوئی بری سفارش کرتا ہے اسے اس برائی میں سے حصہ ملتا ہے“

بالکل خیال نہیں کرتے۔ وہ یہ ہے کہ لوگ آج کل سفارش کی حقیقت نہیں سمجھتے سفارش کی حقیقت یہ ہے کہ جس کے پاس سفارش کی جارہی ہے اس کو صرف توجہ دلانا ہے۔ یعنی اس کے علم اور ذہن میں ایک بات نہیں ہے، آپ نے اپنی سفارش کے ذریعے یہ توجہ دلادی کہ یہ بھی ایک موقع ہے۔ اگر تم کرنا چاہو تو کرلو، سفارش کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس پر دباؤ اور پریشر ڈالا جائے کہ وہ یہ کام ضرور کرے، اس لئے کہ ہر انسان کے اپنے کچھ خیالات ہوتے ہیں، اور اس کے کچھ قواعد اور ضوابط اور اصول ہوتے ہیں، اور وہ آدمی ان اصولوں کے تحت رہ کر کام کرنا چاہتا ہے۔ اب آپ نے سفارش کر کے اس پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا، اور دباؤ ڈال کر اس سے کام کرانا چاہا، تو یہ سفارش نہیں، زبردستی ہے، اور کسی بھی مسلمان کے اوپر زبردستی کرنا جائز نہیں، اس کا عام طور پر لوگ خیال نہیں کرتے۔

ایسے آدمی کی سفارش لے کر جائینگے جس کے بارے میں یہ خیال ہو کہ جب اس کی سفارش جائے گی تو وہ انکار نہ کر سکے گا، یہ تو دباؤ ڈالا جا رہا ہے، اور شخصیت کا وزن ڈالا جا رہا ہے۔ یہ سفارش نہیں ہے۔

یہ تو دباؤ ڈالنا ہے

کئی لوگ میرے پاس بھی سفارش کرانے آ جاتے ہیں، ایک صاحب آئے، اور آ کر کہا کہ حضرت! آپ سے ایک کام کے لئے کہنا ہے، لیکن پہلے یہ بتائیے کہ آپ انکار تو نہیں کریں گے؟ گویا اس کا اقرار پہلے لینا چاہتے ہیں کہ انکار مت کیجئے گا، میں نے کہا بھائی: یہ بتاؤ تو سہی کہ کیا کام ہے؟ وہ کام میری قدرت میں ہے یا نہیں؟ میری استطاعت میں ہے یا نہیں؟ میں اس کو کر سکوں گا یا نہیں؟ جائز ہو گا یا ناجائز ہو گا؟ پہلے یہ بتاؤ تو سہی۔ لیکن پہلے یہ اقرار لینا چاہتے ہیں کہ آپ پہلے یہ طے کر لیں کہ اس کام کو ضرور کریں گے۔ یہ سفارش نہیں ہے۔ بلکہ یہ دباؤ ڈالنا ہے۔ جو جائز نہیں۔

سفارش کے بارے میں حکیم الامت رحمہ اللہ کا فرمان

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ کو اللہ تعالیٰ نے دین کی صحیح فہم عطا فرمائی، اور دین کے مخفی گوشوں کو انہوں نے جس طرح آشکارہ فرمایا، اور ملفوظات میں جگہ جگہ اس پر تنبیہ فرمائی۔ فرماتے ہیں کہ سفارش اس طرح نہ کراؤ جس طریقہ دوسرا آدمی مغلوب ہو جائے۔ جس سے دباؤ پڑے، یہ سفارش جائز نہیں، اس لئے کہ سفارش کی حقیقت ”توجہ دلانا“ ہے کہ میرے نزدیک یہ شخص حاجت مند ہے، اور میں آپ کو متوجہ کر رہا ہوں کہ یہ اچھا مصرف ہے۔ اس پر اگر آپ کچھ خرچ کر دیں گے تو انشاء اللہ اجر و ثواب ہو گا۔ یہ نہیں کہ اس کام کو ضرور کرو، اگر تم نہیں کرو گے تو میں ناراض ہو جاؤں گا، خفا

ہو جاؤں گا، یہ سفارش نہیں ہے، یہ دباؤ ہے۔

مجمع میں چندہ کرنا درست نہیں

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے یہی بات چندہ کے بارے میں بیان فرمائی کہ اگر مجمع کے اندر چندہ کا اعلان کر دیا کہ فلاں کام کے لئے چندہ ہو رہا ہے، چندہ دیں۔ اب جناب! جس شخص کا چندہ دینے کا دل بھی نہیں چاہ رہا ہے، اب اس نے دوسروں کو دیکھ کر شرمائشی میں چندہ دے دیا، اور یہ سوچا کہ اگر نہیں دیا تو ناک کٹ جائے گی۔ تو چونکہ وہ چندہ اس نے خوش دلی سے نہیں دیا، اور حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطَيْبِ نَفْسِهِ مِنْهُ)) (۱)

”کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں“

اگر کسی نے زبان سے مال لینے کی اجازت بھی دی ہو، لیکن وہ مال اس نے خوش دلی سے نہیں دیا تو وہ حلال نہیں۔ لہذا اس طریقے سے چندہ کرنا جائز نہیں۔

مدرسہ کے مہتمم کا خود چندہ کرنا

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات چندہ وصول کرنے کے لئے کسی بڑے مولانا صاحب کو ساتھ لے گئے۔ یا کوئی بڑے مولانا صاحب یا مدرسہ کے مہتمم خود چندہ وصول کرنے کے پاس چلے گئے۔ تو ان کا خود چلا جانا بذات خود ایک دباؤ ہے، کیونکہ سامنے والا شخص یہ خیال کرے گا کہ یہ تو بڑے مولانا صاحب خود آئے ہوئے ہیں۔ اب میں ان کو کیسے انکار کروں۔ اور چنانچہ دل نہ چاہئے کے باوجود اس کو چندہ دیا، یہ چندہ وصول کرنا جائز نہیں۔

سفارش کے الفاظ کیا ہوں؟

یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ سفارش کا انداز دباؤ ڈالنے والا نہ ہو۔ اسی لیے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ جب کسی کے نام سفارش لکھتے تو اکثر و بیشتر یہ الفاظ لکھتے:

”میرے خیال میں یہ صاحب اس کام کے لئے موزوں ہیں، اگر آپ کے اختیار میں ہو، اور آپ کی مصلحت اور اصول کے خلاف نہ ہو تو ان کا کام کر دیجئے“

اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی الفاظ میں سفارش لکھتے تھے۔
 دو چار مرتبہ ہمیں بھی سفارش لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو چونکہ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ سے یہ بات سنی ہوئی تھی۔ اور حضرت تھانوی کے مواعظ بھی دیکھے ہوئے تھے، اس لئے میں نے بھی وہی جملے سفارش کے اندر لکھ دیئے کہ ”اگر یہ کام آپ کے اختیار میں ہو، اور آپ کی مصلحت اور اصول کے خلاف نہ ہو تو ان کا یہ کام کر دیجئے“ نتیجہ یہ ہوا کہ جن صاحب کی سفارش لکھی تھی وہ ناراض ہو گئے۔ ”اور کہنے لگے کہ“ یہ آپ نے قیدیں اور شرطیں کیوں لگا دیں کہ اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو کر دیجئے۔ آپ کو تو سیدھا سادہ لکھنا چاہئے تھا کہ ”یہ کام ضرور کر دیجئے“ ان الفاظ کے بغیر تو یہ سفارش نامکمل ہے۔

سفارش میں دونوں طرف کی رعایت

لیکن جس شخص کو دونوں طرف کی رعایت کرنی مقصود ہے۔ ایک طرف اس کو جائز حدود میں رہتے ہوئے حاجت مند کی مدد بھی مقصود ہے۔ اور دوسری طرف اس کی بھی رعایت کرنی ہے جس کے پاس سفارش کی گئی ہے، اور اس پر بھی بوجھ نہیں ڈالنا کہ کہیں وہ یہ خیال نہ کرے کہ صاحب اتنے بڑے صاحب کا پرچہ آگیا ہے۔ اب میرے لئے اس کا ٹالنا ممکن نہیں۔ اگرچہ یہ کام میری مصلحت کے خلاف میرے اصول کے خلاف اور میرے قواعد و ضوابط کے خلاف ہے۔ لیکن چونکہ اتنے بڑے آدمی کا پرچہ آگیا ہے اب میں کیا کروں؟ لہذا اب وہ کشمکش اور مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ اگر سفارش کے مطابق عمل کیا تو اپنے قواعد اور اصول کے خلاف کیا، اور اگر سفارش کے مطابق عمل نہ کیا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ اتنے بڑے صاحب ناراض ہو جائیں گے۔ اور پھر ان کو کیا منہ دکھاؤں گا، وہ کہیں گے کہ میں نے ایک ذرا سے کام کی سفارش کی تھی، اور آپ نے اس کو پورا نہیں کیا۔ یہ سب سفارش کے اصول کے خلاف ہیں۔

سفارش معاشرے میں ایک لعنت

اور اسی وجہ آج سفارش معاشرے میں ایک لعنت بن گئی ہے آج کوئی کام ناجائز سفارش کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ سفارش کے احکام لوگوں نے بھلا دیئے ہیں۔ شریعت کے تقاضوں کو فراموش کر دیا ہے۔ لہذا جب ان رعایتوں کے ساتھ سفارش کی جاوے گی تب جائز ہوگی۔

سفارش ایک مشورہ ہے

تیسری بات یہ ہے کہ سفارش ایک مشورہ بھی ہے، دباؤ ڈالنا نہیں ہے۔ آج کل لوگ مشورہ کو نہیں سمجھتے کہ مشورہ کیا چیز ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے مشورہ کے بارے میں فرمایا:

((الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ)) (۱)

جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے۔ یعنی اس کا فرض ہے کہ اپنی دیانت اور امانت کے لحاظ سے جس بات کو بہتر سے بہتر سمجھتا ہو، وہ مشورہ لینے والے کو بتا دے، یہ ہے مشورہ کا حق، اور پھر جس کو مشورہ دیا گیا ہے، وہ اس بات کا پابند نہیں ہے کہ آپ کے مشورے کو ضرور قبول کرے، اگر وہ رد بھی کر دے تو اس کو اختیار ہے، کیونکہ مشورہ کے معنی بھی یہی ہیں کہ دوسرے کو توجہ دلا دینا۔ اسی حدیث میں آپ نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھ سے سفارش کرو، اور یہ ضروری نہیں کہ میں تمہاری سفارش قبول بھی کر لوں، بلکہ فیصلہ میں وہی کروں گا جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر سفارش کے خلاف بھی عمل کر لیا جائے تو اس سے سفارش کی ناقدری نہیں ہوتی، آج لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب! ہم نے سفارش بھی کی، اور فائدہ کچھ حاصل نہ ہوا، حقیقت میں یہ بات نہیں۔ اس لئے سفارش کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ ایک بھائی کی مدد میں میرا حصہ لگ جائے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے۔ اب وہ مقصد حاصل ہو گیا یا نہیں؟ کام ہوا یا نہیں یہ سفارش کا لازمی حصہ نہیں، اگر کام نہیں ہوا، اور اس نے آپ کی سفارش نہیں مانی، تو اس کی وجہ سے کوئی جھگڑا اور ناراضگی نہیں ہونی چاہئے۔ اور اس کو برا ماننا بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ مشورہ تھا، اور مشورہ کے اندر دونوں باتیں ہوتی ہیں۔

حضرت بریرہ اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہما کا واقعہ

اب سنئے کہ نبی کریم ﷺ نے مشورہ کی کیا حقیقت بیان فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی ﷺ نے دنیا کی زندگی کے متعلق باریک باریک باتیں تفصیل سے بیان فرمادیں۔ اب یہ بتائے

(۱) سنن الترمذی، کتاب الأدب عن رسول اللہ، باب ان المستشار مؤتمن، رقم: ۲۷۴۷، سنن ابی

داؤد، کتاب الادب، باب فی المشورۃ، رقم: ۴۴۶۳، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب المستشار

مؤتمن، رقم: ۳۷۳۵، مسند أحمد، رقم: ۲۱۳۲۶، سنن الدارمی، کتاب السیر، باب فی

المستشار مؤتمن، رقم: ۲۳۴۱

کہ اس دنیا میں، بلکہ پوری کائنات میں کس شخص کا مشورہ حضور اقدس ﷺ کے مشورے سے زیادہ قابل احترام اور قابل تعمیل ہو سکتا ہے؟ لیکن واقعہ سننے کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک کنیز تھیں، جن کا نام حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا تھا، پہلے یہ کسی اور کی کنیز تھیں، اور اس نے ان کا نکاح حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔ اور چونکہ اصول یہ ہے کہ اگر آقا اپنی باندی کی کسی سے شادی کر دے تو آقا کو اپنی باندی سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ وہ آقا کی ملکیت ہوتی ہے، اس واسطے اس سے اجازت بھی نہیں لی جاتی بلکہ آقا جس سے چاہے۔ اس کا نکاح کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے آقا نے حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہ صورت شکل کے اعتبار سے کوئی پسندیدہ شخصیت نہیں تھے، اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا حسین و جمیل خاتون تھیں، اس حالت میں ان کا نکاح ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ ان خرید کر آزاد کر دیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خریدا اور پھر آزاد کر دیا۔

باندی کی فسخ نکاح اختیار

شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی کنیز آزاد ہو جائے اور اس کا نکاح پہلے سے کسی کے ساتھ ہو چکا ہو، تو آزادی کے وقت اس کنیز کو یہ اختیار ملتا ہے کہ چاہے تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ نکاح کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو اس نکاح کو ختم کر دے اور فسخ کر دے، اور پھر کسی اور سے نکاح کرے۔

حضور اقدس ﷺ کا مشورہ

جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوئیں تو شریعت کے قاعدہ کے مطابق ان کو بھی فسخ نکاح کا اختیار مل گیا، اور ان سے کہا گیا کہ اگر تم چاہو تو مغیث سے اپنا نکاح برقرار رکھو، اور چاہو تو اس نکاح کو ختم کر دو۔ انہوں نے فوراً یہ کہہ دیا کہ میں مغیث کے ساتھ نہیں رہتی، اور اپنے نکاح کو فسخ کر دیا، اب چونکہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو ان سے بہت محبت تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ مدینہ کی گلیوں میں گھوم رہے ہیں۔ اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ اور ان آنسوؤں سے داڑھی بھیگ رہی ہے۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی خاشاکہ کر رہے ہیں، اور ان کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ خدا کے لئے اس فیصلے کو تبدیل کر لو، اور دوبارہ مجھ سے نکاح کر لو، مگر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا مانتی نہیں تھیں۔ آخر کار حضرت مغیث رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایسا قصہ پیش آیا ہے، چونکہ مجھے ان سے تعلق ہے۔ اور اتنا عرصہ ساتھ گزارا ہے۔ اب وہ میری بات نہیں مانتیں۔ لہذا اب آپ ہی ان سے میری کچھ سفارش فرما

دیکھئے۔ چنانچہ آپ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا:

((لَوْ رَاجَعْتِي فَإِنَّهُ أَبُؤ وَلَدِكَ)) (۱)

”اگر تم اپنے اس فیصلے سے رجوع کر لو تو اچھا ہو، اس لئے کہ وہ تمہارے بچے کے

باپ ہیں بچارے اتنے پریشان ہیں“

سبحان اللہ! حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے فوراً سوال کیا ”یا رسول اللہ! آپ یہ فرما رہے ہیں کہ رجوع کر لو، یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ اگر آپ کی طرف سے یہ حکم ہے تو بے شک سر تسلیم خم ہے۔ اور میں ان کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کو تیار ہوں“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا أَشْفَعُ))

”میں یہ صرف سفارش کر رہا ہوں“

یہ میرا حکم نہیں ہے، جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے یہ سنا کہ یہ نبی کریم ﷺ کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ صرف سفارش اور مشورہ ہے، تو فوراً فرمایا ”یا رسول اللہ! اگر یہ مشورہ ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے آزادی ہے کہ قبول کروں یا نہ کروں۔ لہذا میرا فیصلہ یہی ہے کہ اب میں دوبارہ ان کے پاس نہیں جاؤں گی“ چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا دوبارہ ان کے پاس نہیں گئیں۔ اور ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ایک خاتون نے حضور ﷺ کا مشورہ رد کر دیا

اب اندازہ لگائیے کہ حضور اقدس ﷺ کا مشورہ ہے اور آپ کی سفارش ہے۔ لیکن ایک عورت، جواب تک کینز تھی، اور آپ کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے صدقہ سے آزاد ہوئیں، اس کو بھی یہ حق دیا جا رہا ہے کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں۔ وہ مشورہ ہے، تمہارا دل چاہے تو مانو اور تمہارے دل نہ چاہے تو نہ مانو، اور رد کر دو، چنانچہ وہ مشورہ ان خاتون نے رد کر دیا۔ اور اس پر حضور اقدس ﷺ نے ادنیٰ سی ناگواری کا اظہار بھی نہیں فرمایا کہ ہم نے تم کو ایک مشورہ دیا تھا۔ لیکن تم نے ہماری بات نہیں مانی۔ اس کے ذریعہ آپ نے امت کو تعلیم دے دی کہ مشورہ اور سفارش یہ ہے کہ جس کو مشورہ دیا گیا ہے، یا جس سے سفارش کی گئی ہے بس اس کو توجہ دلانا مقصود ہے، دباؤ ڈالنا مقصود نہیں۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب شفاعۃ النبی فی زوج بریرۃ، رقم: ۴۸۷۵، سنن النسائی،

کتاب آداب القضاۃ، باب شفاعۃ الحاکم للخصوم قبل فصل الحکم، رقم: ۵۳۲۲، سنن ابی

داؤد، کتاب الطلاق، فی المملوکہ تعتق وہی تحت حرأوعبد رقم: ۱۹۰۴، سنن ابن ماجہ،

کتاب الطلاق، باب خيار الأمة إذا أعتقت، رقم: ۲۰۶۵، مسند أحمد، رقم: ۱۷۴۷

حضور اقدس ﷺ نے کیوں مشورہ دیا؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے یہ نکاح خود ختم کر دیا، اور وہ ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں تو پھر آپ نے سفارش ہی کیوں کی؟ آپ نے سفارش اس لئے کی کہ آپ جانتے تھے کہ حضرت مغیثؓ کے اندر سوائے شکل و صورت کے کوئی خرابی نہیں ہے۔ اگر یہ ان کی بات مان لے گی۔ اور دوبارہ ان کے نکاح میں آجائے گی تو ان کو اجر و ثواب بہت ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے اللہ کے ایک بندے کی خواہش کو پورا کیا۔ اور اس واسطے آپ نے سفارش بھی کر دی۔ لیکن جب انہوں نے سفارش کو قبول نہیں کیا تو آنحضرت ﷺ نے ادنیٰ ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔

امت کو سبق دے دیا

لہذا آپ نے قیامت تک آنے والی امت کو یہ سبق دے دیا کہ مشورہ کو کبھی بھی یہ نہ سمجھو کہ یہ دباؤ ڈالا جا رہا ہے، یا لازمی کیا جا رہا ہے۔ بلکہ مشورہ کا حاصل صرف توجہ دلانا ہے۔ اب اس کو اختیار ہے، چاہے وہ اس پر عمل کرے، چاہے نہ کرے۔

سفارش ناگواری کا ذریعہ کیوں ہے؟

آج ہمارے اندر سفارش اور مشورہ باقاعدہ ناگواری کا ذریعہ بن گئیں ہیں۔ اگر کسی کے مشورہ کو قبول نہ کیا جائے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ ہم نے تو بھائی ایسا مشورہ دیا تھا۔ لیکن ہماری بات نہیں چلی، ہماری نہیں مانی گئی۔ اس پر ناراضگی ہو رہی ہے خفا ہو رہے ہیں، برا منایا جا رہا ہے اور یہ سوچا جا رہا ہے کہ اب آئندہ ان سے رابطہ نہیں رکھیں گے۔ اس لئے کہ یہ ہماری بات تو مانتے ہی نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ سفارش کا یہ مطلب نہیں ہے۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے دو باتیں بیان فرمادیں کہ سفارش کرو، اجر ملے گا۔ لیکن اگر سفارش قبول نہ کی جائے تو تمہارے دل میں اس کے خلاف کوئی ناراضگی اور بددلی نہیں پیدا ہونی چاہے کہ اس نے ہماری بات نہیں مانی۔ ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر سفارش کی جائے گی وہ انشاء اللہ بڑے اجر و ثواب کا موجب ہوگی۔

خلاصہ

ایک مرتبہ پھر خلاصہ عرض کر دیتا ہوں کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ سفارش ان معاملات میں

کریں جن میں سفارش کرنا جائز ہے۔ جہاں سفارش کرنا جائز نہیں، جیسے مقدمات ہیں، یا امتحانی پرچوں کی جانچ کا معاملہ ہے، ان جگہوں پر سفارش کرنا بھی جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ سفارش جائز کام کی ہو، نا جائز کام کی نہ ہو، تیسرے یہ کہ سفارش کا انداز مشورے کا ہو، دباؤ ڈالنے کا نہ ہو، چوتھے اگر مشورہ اور سفارش نہ مانی جائے تو اس پر کوئی ناراضگی اور ناگواری نہ ہونی چاہئے۔ ان چار چیزوں کی رعایت کے ساتھ اگر سفارش کی جائے گی تو سفارش کی وجہ سے کوئی فساد برپا نہیں ہو سکتا۔ اور وہ سفارش اجر و ثواب کا سبب ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس کی سمجھ عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

☆☆☆

گفتگو کے آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (۱)

بزرگان محترم و برادران عزیز! سورۃ الحجرات کی تفسیر کا بیان کچھ عرصہ سے چل رہا ہے، کیونکہ یہ سورۃ مسلمانوں کے لئے بڑے اہم احکام پر مشتمل ہے، اور ہمارے درمیان جو معاشرتی خرابیاں پائی جاتی ہیں، ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے اس سورۃ میں دی گئی ہدایات بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس سورۃ کی ایک آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی جس کا بیان دو جمعوں سے چل رہا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے (فاسق کے معنی ہیں ”گناہ گار“ کے، اس سے ہر غیر ذمہ دار آدمی مراد ہے، بہر حال! اگر کوئی گناہ گار یا غیر ذمہ دار آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے) تو تم ہوشیار ہو جاؤ، اور پہلے اس خبر کی تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ اس خبر پر بھروسہ کر کے تم کچھ لوگوں کے خلاف کاروائی کر ڈالو، اور بعد میں تمہیں اس پر ندامت اور شرمندگی ہو۔

ذمہ دار انسان کا رویہ اختیار کرو

جس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کی تفصیل گزشتہ جمعہ کو عرض کر چکا ہوں، اس آیت میں ایک عظیم ہدایت یہ ہے کہ مسلمان کا رویہ بڑے ذمہ دار انسان کا رویہ ہونا چاہئے، یہ نہ ہو کہ جو بات کان

☆ اصلاحی خطبات (۱۶/۲۸۶ تا ۲۹۳) بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) الحجرات: ۶

میں پڑی، اس پر بھروسہ کر لیا، اور اس کو آگے سنانا شروع کر دیا، اور اس کی بنیاد پر کسی کے خلاف کاروائی شروع کر دی، یا اس کی بنیاد پر کسی کے خلاف دل میں بدگمانی پیدا کر لی، یہ سب ناجائز ہیں، اور ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہے، جب تک کسی معاملے کی پوری تحقیق نہ ہو جائے، اور یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ واقعہ سچا ہے، اس وقت تک اس پر نہ تو بھروسہ کرو اور نہ وہ بات دوسروں کو سناؤ، اور نہ اس کی بنیاد پر کوئی کاروائی کرو۔

زبان عظیم نعمت ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ جو زبان عطا فرمائی ہے، یہ اتنی بڑی اور عظیم نعمت ہے کہ ہم جب چاہیں، اور جو بات چاہیں، اپنی زبان سے نکال کر اپنے دل کی خواہش دوسرے تک پہنچا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسا خود کار نظام بنا دیا ہے کہ ادھر دل میں ایک خیال آیا، اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کا ارادہ ہوا، ادھر دماغ سے لے کر زبان تک تمام سرکاری مشینیں حرکت میں آ گئیں، اور اسی لمحے آپ نے وہ بات دوسروں تک پہنچا دی، اگر یہ کہا جاتا کہ جب تم کوئی بات دوسرے تک پہنچانا چاہتے ہو تو پہلے ایک سوئچ آن کرو، اور پھر نمبر ملاؤ، اور پھر دوسرے تک پہنچاؤ، جیسے ٹیلی فون میں کرنا پڑتا ہے، بتائیے! اس وقت کتنی مصیبت ہوتی کہ آدمی فوراً ایک بات دوسرے سے کہنا چاہتا ہے، اور وہ دوسرا شخص سامنے موجود ہے، لیکن فوراً وہ بات اس تک نہیں پہنچا سکتے، بلکہ پہلے سوئچ آن کرنا پڑے گا، پھر نمبر ملانا پڑے گا، پھر بات پہنچا سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کاموں کی تکلیف نہیں دی، بلکہ ادھر دل میں ایک خیال آیا، ادھر آپ نے زبان سے اس کو ادا کر دیا، اور دوسروں کو اپنا خیال سنا دیا۔

زبان کی قدر بے زبان سے پوچھئے

میں نے اپنی زندگی میں دو آدمی ایسے دیکھے کہ ان کا حال یہ تھا کہ ان کے گلے کا بانسہ جس سے آواز نکلتی ہے، وہ خراب ہو گیا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ زبان تو حرکت کرتی تھی، لیکن آواز نہیں نکلتی تھی، ڈاکٹروں کے پاس گئے تو انہوں نے ایک آلہ تجویز کیا، اب بات کرنی ہوتی تو اس آلہ کو وہ گلے پر لگاتا، پھر آواز نکلتی، لیکن وہ آواز ایسی نکلتی جیسے کوئی جانور بول رہا ہے، اور بچے وہ آواز سن کر ہنستے تھے۔ میں اس شخص کی بے چینی دیکھتا کہ جب اس کو بات کہنی ہوتی تو پہلے وہ آلہ تلاش کرتا۔ پھر اس کو لگاتا اور گلے کو زور سے دباتا، تب جا کر بہ مشکل آواز نکلتی۔ دیکھ کر عبرت ہوئی کہ یہ بھی ایک انسان ہے، اس کا یہ دل چاہتا کہ میں اپنے دل کی بات جلدی سے دوسروں تک پہنچا دوں، لیکن اس کو اس پر قدرت نہیں۔ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے زبان کی یہ نعمت ہمیں عطا فرمائی ہوئی ہے کہ ادھر دل میں خیال

آیا، ادھر دوسرے تک پہنچا دیا، درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہے۔

تمام مشینیں حرکت کر رہی ہیں

پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ جب آدمی بات کرنا چاہتا ہے تو پہلے دل میں اس بات کا خیال آتا ہے، پھر وہ خیال دماغ میں جاتا ہے، اور پھر دماغ کی طرف سے زبان کے لئے حکم جاری ہوتا ہے، پھر زبان بولتی ہے۔ دیکھئے! ایک طرف دل ہے جو سوچ رہا ہے، دوسری طرف دماغ ہے، جو حکم جاری کر رہا ہے اور تیسری طرف زبان ہے، جو حرکت کر رہی ہے، اور پھر گلے کا پورا نظام کام کر رہا ہے، جس کے نتیجے میں آواز باہر نکل رہی ہے، یہ مشینیاں صرف اس لئے حرکت میں ہیں تاکہ ہم اپنی بات دوسروں تک پہنچا دیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بے مانگے مفت میں ہمیں عطا کر رکھی ہے۔

سوچ کر زبان کو استعمال کرو

اللہ تعالیٰ کا صرف ایک مطالبہ ہے، وہ یہ کہ یہ سرکاری مشینیں جو تمہیں دیدی گئی ہیں، بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اور مرتے دم تک یہ مشینیں کام کر رہی ہیں، کبھی اس مشین کو ورکشاپ بھیجنا نہیں پڑتا، کبھی اس کی سروس نہیں کرانی پڑتی، جو مشینیں مسلسل تمہارے ساتھ ہیں، ہمارا صرف ایک مطالبہ ہے، وہ یہ کہ جب تم اس زبان کو استعمال کرو تو سوچ سمجھ کر کرو کہ اس سے کیا نکال رہے ہو، یہ نہ ہو کہ زبان فینچی کی طرح چل رہی ہے، جو منہ میں آ رہا ہے وہ زبان سے نکال رہے ہو، یہ دیکھے بغیر کہ اس سے فائدہ پہنچے گا، یا نقصان پہنچے گا، صحیح بات کہہ رہا ہوں، یا غلط بات کہہ رہا ہوں، یہ بات اللہ کو راضی کرنے والی ہے، یا ناراض کرنے والی ہے، اس سرکاری مشین سے فائدہ اٹھاؤ، لیکن ذرا سوچ کر فائدہ اٹھاؤ۔

ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو رہا ہے

قرآن کریم نے فرما دیا:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (۱)

انسان جو کلمہ بھی اور جو لفظ بھی زبان سے نکال رہا ہے، اس کو محفوظ کرنے والا اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے، جو ریکارڈ کر رہا ہے، آج سے پہلے تو ریکارڈ کرنے کا تصور کرنے میں دشواری ہوتی تھی کہ

ایک ایک لفظ کس طرح ریکارڈ ہو رہا ہے۔ لیکن آج کل ٹیپ ریکارڈ اور دوسرے جدید آلات نے اس کا تصور آسان کر دیا ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ لفظ بھی زبان سے نکالا وہ ریکارڈ ہو گیا، چاہے وہ اچھی بات ہو، یا بری بات ہو، اسی طرح ہر لفظ اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، روز پیدائش سے لے کر آج تک کے، اور مرنے تک تمام الفاظ ریکارڈ کرنے کا سسٹم اللہ تعالیٰ کے یہاں موجود ہے، اور جب ہم اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچیں گے تو وہاں پر وہ ریکارڈنگ سنادی جائے گی کہ تم نے فلاں وقت میں فلاں بات کہی تھی، آج اس بات کا ثبوت پیش کرو جو تم نے کہی تھی، یہ بات تم نے صحیح کہی تھی، یا غلط کہی تھی، اور تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟

اس وقت کیوں محتاط گفتگو کرو گے؟

آج اگر لوگ ایک جگہ پر بیٹھے ہوں، اور یہ پتہ ہو کہ سی آئی ڈی کی طرف سے یہاں پر ایک ٹیپ ریکارڈ لگا ہوا ہے، اور جو شخص بھی جو بات کہے گا وہ ریکارڈ ہو جائے گی، بتاؤ! کیا اس وقت اتنی آزادی سے بولو گے؟ جیسے آج بولتے ہو، یا اس وقت بھی اسی طرح بے مہابہ جو منہ میں آئے گا، بک جاؤ گے؟ نہیں، ایسا نہیں کرو گے، اس لئے کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں سی آئی ڈی نے ٹیپ ریکارڈ لگایا ہوا ہے، اور ایک ایک کلمہ ریکارڈ ہو رہا ہے، اور اس کے نتیجے میں اگر یہ بات حکام بالا تک پہنچ گئی تو میں پکڑا جاؤں گا، اس لئے اس مجلس میں ہر شخص محتاط ہو کر گفتگو کرے گا۔

ذمہ دار بننے کی فکر کریں

اللہ تعالیٰ نے تو چودہ سو سال پہلے سے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ تمہاری ایک ایک بات اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہو رہی ہے، لہذا جب بھی بولو تو سوچ سمجھ کر بولو کہ بات صحیح کہہ رہے ہو، یا غلط کہہ رہے ہو، ویسے افواہیں پھیلا رہے ہو، غیر ذمہ دارانہ گفتگو کر رہے ہو، لوگوں پر الزام لگا رہے ہو، لوگوں کی عیبتیں کر رہے ہو، لوگوں کی دل آزاریاں کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں سب باتوں کا جواب دینا ہوگا۔ یہ مت سمجھنا کہ بات زبان سے نکلی اور ہوا میں اڑ گئی اور ختم ہو گئی، کوئی بات ختم نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ ہے۔ اس لئے قرآن کریم جو ہمارے لئے پیغام ہدایت ہے، وہ ہمیں ذمہ دار بننے کے تلقین کر رہا ہے، یہ نہ ہو کہ جو بات سنی وہ آگے چلتی کر دی۔

جھوٹ کی بدترین سواری

نبی کریم ﷺ پر قربان جائیے کہ آپ نے احادیث میں اس کی جو تشریحات فرمائی ہیں، اس میں

ہمارے لئے مزید تنبیہ کا سامان ہے، انسان کی نفسیات سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ کون باخبر ہو سکتا ہے، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((بَشِّرْ مَطِئَةَ الرَّجُلِ زَعْمُوا)) (۱)

لڑائیاں کیوں جنم لے رہی ہیں؟

یہ سب باتیں ذہن میں رکھ کر اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑا کر دیکھئے کہ آج ہمارے معاشرے میں کیا ہو رہا ہے؟ کس طرح افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں؟ کس طرح بے بنیاد باتوں پر بھروسہ کر کے اسے آگے چلتا کیا جا رہا ہے؟ اور کس طرح بے بنیاد باتوں کی بناء پر بدگمانیاں دل میں پیدا کی جا رہی ہیں؟ آگے اسی سورۃ میں یہ بیان بھی آنے والا ہے کہ یہ بدگمانی بھی حرام ہے، اور بے بنیاد خبروں کی بنیاد پر بدگمانی دل میں پیدا کر کے اس کے خلاف کارروائی کی جا رہی ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں ان احکام کی خلاف ورزی قدم قدم پر نظر آئے گی، اور یہی چیزیں ہیں جنہوں نے معاشرے کو فساد اور بگاڑ میں مبتلا کیا ہوا ہے، عداوتوں کی آگ بھڑک رہی ہے، دشمنیاں بغض اور کینہ پیدا ہو رہی ہیں، اختلافات اور جھگڑے ہو رہے ہیں، ان سب کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی ان تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔

سارے جھگڑے ختم ہو جائیں

اگر آج ہم قرآن کریم کی اس ہدایت کو پلے باندھ لیں، اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت کو پلے باندھ لیں تو نہ جانے کتنے جھگڑے، کتنے قصے اور کتنے اختلافات اپنی موت مر جائیں، سارے جھگڑے اس لئے پیدا ہو رہے ہیں کہ ہم ان بے بنیاد باتوں پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہمیں ان ہدایات کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے، اور ان پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے، آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆

① سنن أبی داود، کتاب الادب، باب فی قول الرجل زعموا، رقم: ۴۳۲۱، مسند أحمد، رقم: ۱۶۴۵۸،

سنن البیہقی، رقم: ۲۱۶۹۸ (۲/۴۱۰)

زبان کی حفاظت کیجئے ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
((مَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ)) (۱)
”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کو چاہئے کہ یا تو وہ اچھی اور نیک بات کہے یا خاموش رہے“

دوسری روایت بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
((إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مَا يَتَّبِعُن فِيهَا، يَزِلُّ بِهَا فِي النَّارِ أَبَدًا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ)) (۲)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک انسان سوچے سمجھے بغیر جب کوئی کلمہ زبان سے کہہ دیتا ہے تو وہ کلمہ اس شخص کو جہنم کے اندر اتنی گہرائی تک گرا دیتا ہے، جتنا مشرق اور

☆ اصلاحی خطبات (۳/۱۶۱ تا ۱۶۳) دسمبر ۱۹۹۳ء، بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، رقم: ۵۹۹۴، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الحث علی اکرام الجار والضعیف ولزوم الصمت، رقم: ۶۷، سنن الترمذی، کتاب صفہ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ، باب منہ، رقم: ۲۴۲۴، سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی حق الجوار، رقم: ۴۴۸۷، مسند أحمد، رقم: ۶۳۳۲، مؤطا مالک، کتاب الجامع، باب جامع ماجاء فی الطعام والشراب، رقم: ۱۴۵۴

(۲) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، رقم: ۵۹۹۶، صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب التکلم بالکلمۃ یہوی بہا فی النار، رقم: ۵۳۰۳، مسند أحمد، رقم: ۸۵۶۷

مغرب کے درمیان فاصلہ اور بعد ہے“

ایک تیسری حدیث بھی اس معنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((إِنَّ الْعَبْدَ يَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ تَعَالَى لَا يَلْقَى بِهَا بَالًا، يَرْفَعُهُ اللَّهُ بِهَا فِي الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللَّهِ تَعَالَى لَا يَلْقَى بِهَا بَالًا يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ)) (۱)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات ایک انسان اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا کوئی کلمہ کہتا ہے، یعنی ایسا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے مطابق ہے، لیکن جس وقت کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے، اس وقت اس کو اس کلمہ کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا، اور لا پرواہی سے وہ کلمہ زبان سے نکال دیتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی بدولت جنت میں اس کے درجات بلند فرما دیتے ہیں، اور اس کے برعکس بعض اوقات ایک انسان زبان سے ایسا کلمہ نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہوتا ہے اور وہ شخص لا پرواہی میں اس کلمہ کو نکال دیتا ہے، لیکن وہ کلمہ اس کو جہنم میں لے جا کر گرا دیتا ہے“

زبان کی دیکھ بھال کریں

ان تینوں احادیث میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آدمی زبان کے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے، اور اس زبان کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں خرچ کرے، اور اس کے ناراضگی کے کاموں سے اس کو بچائے، جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ اہتمام کی چیز یہ ہے کہ گناہوں سے بچیں، گناہ سرزد نہ ہوں۔ ان گناہوں میں یہاں زبان کے گناہوں کا بیان شروع ہوا ہے، چونکہ زبان کے گناہ ایسے ہیں کہ بعض اوقات آدمی سوچے سمجھے بغیر بے پروائی کی حالت میں باتیں کر لیتا ہے، اور وہ باتیں اس کے لئے سخت ترین عذاب کا موجب ہوتی ہیں، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زبان کو دیکھ بھال کر استعمال کرو، اگر کوئی اچھی بات زبان سے کہنی ہے تو کہو، ورنہ خاموش رہو۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، رقم: ۵۹۹۷، مسند أحمد، رقم: ۸۰۵۹

زبان ایک عظیم نعمت

یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس میں ذرا غور تو کرو کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے، یہ کتنا بڑا انعام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرما دیا۔ اور بولنے کی ایسی مشین عطا فرمادی کہ جو پیدائش سے لے کر مرتے دم تک انسان کا ساتھ دے رہی ہے، اور چل رہی ہے اور اس طرح چل رہی ہے کہ آدمی نے ادھر ذرا ارادہ کیا، ادھر اس نے کام شروع کر دیا اب چونکہ اس مشین کو حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت اور مشقت نہیں کی، کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا، اس لئے اس نعمت کی قدر معلوم نہیں ہوتی اور جو نعمت بھی بیٹھے بٹھائے بے مانگے مل جاتی ہے، اس کی قدر نہیں ہوتی، اب یہ زبان بھی بیٹھے بٹھائے مل گئی، اور مسلسل کام کر رہی ہے، ہم جو چاہتے ہیں اس زبان سے بول پڑتے ہیں اس نعمت کی قدر ان لوگوں سے پوچھیں جو اس نعمت سے محروم ہیں زبان موجود ہے مگر بولنے کی طاقت نہیں ہے آدمی کوئی بات کہنا چاہتا ہے، مگر کہہ نہیں سکتا، دل میں جذبات پیدا ہو رہے ہیں مگر ان کا اظہار نہیں کر سکتا، اس سے پوچھو وہ بتائے گا کہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے۔

اگر زبان بند ہو جائے

اس بات کا ذرا تصور کرو کہ خدا نہ کرے اس زبان نے کام کرنا بند کر دیا اور اب تم بولنا چاہتے ہو لیکن نہیں بولا جاتا، اس وقت کیسی بے چارگی اور بے بسی کا عالم ہوگا۔ میرے ایک عزیز جن کا ابھی حال ہی میں اپریشن ہوا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اپریشن کے بعد کچھ دیر اس حالت میں گزری کہ سارا جسم بے حس تھا، پیاس شدت سے لگ رہی تھی سامنے آدمی موجود ہیں، میں اس سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے پانی پلا دو، لیکن زبان نہیں چلتی، اور آدھا گھنٹہ اسی طرح گزر گیا، بعد میں کہتے تھے میری پوری زندگی میں وہ آدھا گھنٹہ تکلیف دہ تھا، ایسا وقت کبھی میرے اوپر نہیں گزرا تھا۔

زبان اللہ کی امانت ہے

اللہ تعالیٰ نے زبان اور دماغ کے درمیان ایسا کنکشن رکھا ہے کہ جیسے ہی دماغ نے یہ ارادہ کیا کہ فلاں کلمہ منہ سے نکالا جائے، اسی لمحے زبان وہ کلمہ ادا کر دیتی ہے۔ اور اگر انسان کے اوپر چھوڑ دیا جاتا کہ تم خود اس زبان کو استعمال کرو، تو اس کے لئے پہلے یہ علم سیکھنا پڑتا کہ زبان کی کس حرکت سے ”الف“ نکالیں۔ زبان کو کہاں لے جا کر ”ب“ نکالیں تو پھر انسان ایک مصیبت میں مبتلا ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر انسان کے اندر یہ بات رکھ دی کہ جو لفظ وہ زبان سے ادا کرنا چاہ رہا ہے تو

بس ارادہ کرتے ہی فوراً وہ لفظ زبان سے نکل جاتا ہے لیکن اب ذرا اس کو استعمال کرتے ہوئے یہ تو سوچو کہ کیا تم خود یہ مشین خرید کر لے آئے تھے؟ نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس نے تمہیں عطا کی ہے، یہ تمہاری ملکیت نہیں، بلکہ تمہارے پاس امانت ہے اور جب ان کی دی ہوئی امانت ہے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو ان کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے، یہ نہ ہو کہ جو دل میں آیا، بک دیا بلکہ جو بات اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہے، وہ نکالو، اور جو بات اللہ کے احکام کے مطابق نہیں وہ بات مت نکالو، یہ سرکاری مشین ہے، اس کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرو۔

زبان کا صحیح استعمال

اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو ایسا بنایا ہے کہ اگر کوئی شخص اس زبان کو صحیح استعمال کر لے، جیسا کہ آپ نے ابھی اوپر ایک حدیث میں پڑھا کہ ایک شخص نے ایک کلمہ بے پرواہی میں زبان سے نکال دیا مگر وہ کلمہ اچھا تھا۔ تو اس کلمے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نہ جانے اس کے کتنے درجات بلند فرما دیتے ہیں، اس اس کو کتنا اجر و ثواب حاصل ہو جاتا، جب ایک انسان کافر سے مسلمان ہوتا ہے تو وہ اسی زبان کی بدولت ہوتا ہے، زبان سے کلمہ شہادت پڑھ لیتا ہے:

”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“

اس کلمہ شہادت پڑھنے سے پہلے وہ کافر تھا مگر اس کے پڑھنے کے بعد مسلمان ہو گیا، پہلے جہنمی تھا، اب جنتی بن گیا، پہلے اللہ کا مبغوض تھا، اب محبوب بن گیا، اور نبی کریم ﷺ کی امت اجابت میں شامل ہو گیا، یہ عظیم انقلاب اس ایک کلمہ کی بدولت آیا جو اس نے زبان سے ادا کیا۔

زبان کو ذکر سے تر رکھو

ایمان لانے کے بعد ایک مرتبہ منہ سے کہہ دیا ”سبحان اللہ“ تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ اسکے ذریعہ میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے۔ یہ کلمہ چھوٹا ہے لیکن اس کا ثواب اتنا عظیم ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ دو کلمے زبان پر تو ہلکے پھلکے ہیں کہ ذرا سی دیر میں ادا ہو گئے، لیکن میزان عمل میں بہت بھاری ہیں، اور رحمان کو بہت محبوب ہیں، وہ کلمات یہ ہیں:

((سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ)) (۱)

(۱) صحیح البخاری، باب فضل التسبیح، رقم: ۶۴۰۶ (۲۴۹/۲۱) سنن الترمذی، رقم: ۳۸۰۳

(۲/۴۲۶) سنن ابن ماجہ، رقم: ۳۹۳۸ (۱۱/۳۹۸)

بہر حال یہ مشین اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے اگر ذرا سا اس کا رخ بدل دو، اور صحیح طریقے سے اس کو استعمال کرنا شروع کر دو، تو پھر دیکھو یہ تمہارے نامہ اعمال میں کتنا اضافہ کرتی ہے، اور تمہارے لئے جنت میں کس طرح گھر بناتی ہے، اور تمہیں کس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا مندی عطا کراتی ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس زبان کو تر رکھو، پھر دیکھو کس طرح تمہارے درجات میں ترقی ہوتی ہے۔

ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کونسا عمل افضل ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ (۱)

زبان کے ذریعہ دین سکھائیں

اگر اس زبان کے ذریعہ سے تم نے کسی کو چھوٹی سی دین کی بات سکھا دی، مثلاً ایک شخص غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا تھا، اور تمہیں معلوم تھا کہ یہ غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے، چنانچہ تم نے چپکے سے تنہائی میں نرمی کے ساتھ محبت اور شفقت سے اس کو سمجھا دیا کہ بھائی! تمہاری نماز میں یہ غلطی تھی۔ اس طرح کر لیا کرو۔ آپ کی زبان کی ذرا سی حرکت سے اس کو اصلاح ہو گئی اور اس نے نماز ٹھیک پڑھنی شروع کر دی، تو اب ساری عمر جتنی نمازیں وہ ٹھیک طریقے سے پڑھے گا تو ان سب کا اجر و ثواب تمہارے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔

تسلی کا کلمہ کہنا

ایک شخص تکلیف اور پریشانی میں مبتلا تھا، تم نے اس کی پریشانی دور کرنے کے لئے اس سے کوئی تسلی کی بات کوئی تسلی کا کلمہ کہہ دیا جس کے نتیجے میں اس کو کچھ ڈھارس بند گئی، اس کو کچھ تسلی حاصل ہو گئی، تو یہ کلمہ کہنا تمہارے لئے عظیم اجر و ثواب بھیج لایا، چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ عَزَى تُكَلِّى كُفْسِي بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ)) (۲)

”اگر کوئی شخص ایسی عورت کے لئے تسلی کے کلمات کہے جس کا بیٹا گم ہو گیا ہو، یا مر گیا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس تسلی دینے والے کو جنت میں بیش بہا قیمتی جوڑے پہنائیں گے“

(۱) سنن الترمذی، باب ما جاء فی فضل الذکر، رقم: ۳۷۲۰ (۱۲/۲۶۸)

(۲) سنن الترمذی، کتاب الجنائز عن رسول اللہ، باب آخر فی فضل التفریة، رقم: ۹۹۶

غرض یہ ہے کہ اس زبان کو نیک کاموں میں استعمال کرنے کے جو راستے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں، ان میں اس کو ٹھیک طریقے سے استعمال کر لو، پھر دیکھو گے کہ تمہارے نامہ اعمال میں کس طرح ثواب کے ڈھیر لگ جائیں گے، مثلاً کوئی شخص جارہا تھا تم نے اس کی رہنمائی کر کے اس کو صحیح راستہ بتا دیا اب یہ چھوٹا سا کام کر دیا، اور تمہیں خیال بھی نہیں ہوا کہ میں نے یہ کوئی نیکی کا کام کیا، لیکن اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں بے شمار اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

بہر حال اگر ایک انسان اس زبان کو صحیح استعمال کرے تو یقین کیجئے اس کے لئے جنت کے دروازے کھل جائیں، اور اس کے بے شمار گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے، لیکن خدا نہ کرے، اگر اس زبان کا ناجائز اور غلط استعمال ہو، تو پھر یہی زبان انسان کو جہنم میں کھینچ کر لے جاتی ہے۔

زبان جہنم میں لے جانے والی ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جتنے لوگ جہنم میں جائیں گے، ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہوگی، جو اپنی زبان کی کرتوت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ مثلاً جھوٹ بول دیا، غیبت کر دی، کسی کو تکلیف پہنچائی اور اس کا دل دکھا دیا، کسی کی دل آزاری کی، دوسروں کے ساتھ غیبت میں حصہ لیا، کسی کی تکلیف پر خوشی کا اظہار کیا وغیرہ جب یہ گناہ کے کام کئے تو اس کے نتیجے میں جہنم میں چلا گیا، حدیث شریف میں فرمایا:

((هَلْ يَكُفُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ إِلَّا حَصَائِلُ أَلْسِنَتِهِمْ)) (۱)

”بہت سے لوگ زبان کے کرتوت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے“

لہذا یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اگر اس کو ذرا دھیان سے استعمال کرو، اس کو قابو میں رکھو، بے قابو مت چھوڑو اور اس کو صحیح کاموں میں استعمال کرو، اس لئے فرمایا کہ زبان سے یا تو صحیح بات بولو، ورنہ خاموش رہو، اس لئے کہ خاموشی اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ آدمی غلط بات زبان سے نکالے۔

پہلے تو لو پھر بولو

اسی وجہ سے کثرت کلام سے منع کیا گیا، اس لئے کہ اگر انسان زیادہ بولے گا تو زبان قابو میں نہیں رہے گی، کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضروری کرے گی، اور اس کے نتیجے میں انسان گناہ میں مبتلا ہو جائے گا،

(۱) سنن الترمذی، کتاب الایمان عن رسول اللہ، باب ما جاء فی حرمة الصلاة، رقم: ۲۵۴۱، سنن

ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنة، رقم: ۳۹۶۳، مسند أحمد، رقم: ۲۱۰۰۸

اس لئے ضرورت کے مطابق بولو، زیادہ نہ بولو، جیسے ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے بات کو تولو، پھر بولو، جب تول تول کر بات کرو گے تو پھر یہ زبان قابو میں آ جائے گی۔

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کا تذکرہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے ایک استاد تھے حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب قدس اللہ سرہ بڑے اُونچے درجے کے بزرگ تھے۔ اور ”حضرت میاں صاحب“ کے نام سے مشہور تھے، یہ ایسے بزرگ تھے جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کی یادیں تازہ کر دیں، میرے حضرت والد صاحب ان سے بہت خصوصی تعلق رکھتے تھے، اور ان کی خدمت میں بہت کثرت سے جایا کرتے تھے اور حضرت میاں صاحب بھی والد صاحب پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور جا کر بیٹھ گیا تو حضرت میاں صاحب کہنے لگے کہ بھائی دیکھو مولوی شفیع صاحب آج ہم عربی میں بات کریں گے، اردو میں بات نہیں کریں گے، حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرانی ہوئی، اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا، آج بیٹھے بٹھائے یہ عربی میں بات کرنے کا خیال کیسے آیا، میں نے پوچھا حضرت! کیا وجہ ہے؟ حضرت نے فرمایا نہیں بس ویسے ہی خیال آ گیا کہ عربی میں بات کریں گے، جب میں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ جب ہم دونوں مل کر بیٹھتے ہیں تو بہت باتیں چل پڑتی ہیں، ادھر ادھر کی گفتگو شروع ہو جاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں ہم لوگ بعض اوقات غلط باتوں کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، مجھے خیال ہوا کہ اگر ہم عربی میں بات کرنے کا اہتمام کریں تو عربی نہ تمہیں روانی کے ساتھ بولنی آتی ہے، اور نہ مجھے بولنی آتی ہے، لہذا کچھ تکلف کے ساتھ عربی میں بولنا پڑے گا، تو اس کے نتیجے میں یہ زبان جو بے محابا چل رہی ہے، یہ قابو میں آ جائے گی اور پھر بلا ضرورت فضول گفتگو نہ ہوگی، صرف ضرورت کی بات ہوگی۔

ہماری مثال

پھر حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھائی! ہماری مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنے گھر سے بہت ساری اشرفیاں، بہت سارے پیسے لے کر سفر پر روانہ ہوا تھا۔ اور ابھی اس کا سفر جاری تھا۔ ابھی منزل تک نہیں پہنچا تھا کہ اس کی ساری اشرفیاں خرچ ہو گئیں۔ اور اب چند اشرفیاں اس کے پاس باقی رہ گئیں، اور اب وہ اشرفیوں کو بہت سنبھال کر اور پھونک پھونک کر خرچ کرتا ہے صرف بہت زیادہ ضرورت کی جگہ پر خرچ کرتا ہے۔ فضول جگہ پر خرچ نہیں کرتا ہے۔ تاکہ کسی طرح

وہ اپنی منزل تک پہنچ جائے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے اپنی اکثر عمر گزار دی، اور عمر کے جولحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے، یہ سب منزل تک پہنچنے کے لئے مال و دولت اور اشرفیاں تھیں، اگر ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے تو منزل تک پہنچنا آسان ہو جاتا۔ اور منزل کا راستہ ہموار ہو جاتا، لیکن ہم نے پتہ نہیں، کن چیزوں میں اس کو خرچ کر دیا، بیٹھے ہوئے گپ شپ کر رہے ہیں، مجلس آرائی ہو رہی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ساری توانائیں ان فضول چیزوں میں خرچ ہو گئیں، اب پتہ نہیں کہ زندگی کے کتنے دن باقی ہیں، اب یہ دل چاہتا ہے زندگی کے ان اوقات کو تول تول کر احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر استعمال کرے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ فکر عطا فرماتے ہیں، ان کا پھر یہی حال ہو جاتا ہے، وہ یہ سوچتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زبان کی یہ دولت عطا فرمائی ہے تو اس کو ٹھیک ٹھیک استعمال کروں، غلط جگہ استعمال نہ کروں۔

زبان کو قابو کرنے کا علاج

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، جو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان ہیں، وہ ایک مرتبہ اپنی زبان کو پکڑے بیٹھے تھے، اور اس کو مروڑ رہے تھے، لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

((إِنَّ هَذَا أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ)) (۱)

”اس زبان نے مجھے بڑی ہلاکتوں میں ڈال دیا ہے، اس لئے میں اس کو قابو کرنا چاہتا ہوں“

بعض روایات میں مروی ہے کہ اپنے منہ میں کنکر ڈال کر بیٹھ گئے، تاکہ بلا ضرورت زبان سے بات نہ نکلے، بہر حال، زبان ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان جنت بھی کما سکتا ہے، اور دوزخ بھی کما سکتا ہے، اس کو قابو کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ یہ بے جگہ استعمال نہ ہو، اس کا طریقہ یہی ہے کہ انسان کثرت کلام سے پرہیز کرے، اس لئے کہ انسان جتنا زیادہ کلام کرے گا، اتنا ہی زیادہ گناہوں میں مبتلا ہوگا، چنانچہ اپنی اصلاح کے خواہش مند حضرات جب کسی شیخ کے پاس علاج کے لئے جاتے ہیں، تو شیخ ہر ایک کے لئے اس کے مناسب الگ الگ نسخہ تجویز کرتے ہیں، اور وہ بہت سے حضرات کے لئے صرف زبان کو قابو میں کرنے کا علاج تجویز کرتے ہیں۔

(۱) مؤطا مالک، کتاب الجامع، باب ماجاء فیما ینخاف من اللسان، رقم: ۱۵۶۷

زبان پر تالہ ڈال لو

ایک صاحب میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے، لیکن کوئی اصلاحی تعلق قائم نہیں کیا تھا، بس ویسے ہی ملنے کے لئے آ جایا کرتے تھے، اور جب باتیں شروع کرتے تو پھر رکنے کا نام نہ لیتے، ایک قصہ بیان کیا، وہ ختم ہوا تو دوسرا قصہ سنانا شروع کر دیا، حضرت والد صاحب برداشت کرتے رہتے تھے، ایک روز انہوں نے حضرت والد صاحب سے درخواست کی میں آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں، حضرت والد صاحب نے قبول کر لیا، اور اجازت دے دی، اس کے بعد انہوں نے کہا کہ حضرت مجھے کوئی وظیفہ پڑھنے کے لئے بتادیں میں کیا پڑھا کروں؟ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ تمہارا ایک ہی وظیفہ ہے اور وہ یہ کہ اس زبان پر تالہ ڈال لو، اور یہ زبان جو ہر وقت چلتی رہتی ہے، اس کو قابو میں کرو، تمہارے لئے اور کوئی وظیفہ نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے جب زبان کو قابو میں کیا، تو اسی کے ذریعہ ان کی اصلاح ہو گئی۔

گپ شپ میں زبان کو لگانا

ہمارے ہاں زبان کو غلط استعمال کی جو با چل پڑی ہے، یاد رکھو، یہ بڑی خطرناک بات ہے، دوستوں کو بلا لیا کہ آنا ذرا بیٹھ کر گپ شپ کریں گے اب اس گپ شپ کے اندر جھوٹ بولا جا رہا ہے، غیبت اس کے اندر ہو رہی ہے، دوسروں کی برائی اس میں بیان کی جا رہی ہے، دوسروں کی نقل اتاری جا رہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری ایک مجلس نہ جانے کتنے گناہوں کا مجموعہ ہوتی ہے، اس لئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اس زبان کو قابو میں کرنے کی اہمیت دل میں پیدا کریں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی اہمیت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔

خواتین اور زبان کا استعمال

یوں تو سارا معاشرہ اس زبان کے گناہوں میں مبتلا ہے لیکن احادیث میں حضور اقدس ﷺ نے خواتین کے اندر جن بیماریوں کے پائے جانے کی نشان دہی فرمائی، ان میں سے ایک بیماری یہ بھی ہے کہ زبان ان کے قابو میں نہیں ہوتی، حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے خواتین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”اے خواتین! میں نے اہل جہنم میں سب سے زیادہ تعداد میں تم کو پایا، یعنی جہنم میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے“

خواتین نے پوچھا ”یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟“
تو آنحضرت ﷺ نے جواب دیا:

((تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ)) (۱)

”تم لعن طعن بہت کرتی ہو، اور شوہروں کی ناشکری بہت کرتی ہو، اس وجہ سے جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ ہے“

دیکھئے اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے جو دو باتیں بیان فرمائیں، ان دونوں کا تعلق زبان سے ہے۔ لعنت کی کثرت اور شوہر کی ناشکری۔

معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے خواتین کے اندرجن بیماریوں کی تشخیص فرمائی، اس میں زبان کے بے جا استعمال کو بیان فرمایا، کہ یہ خواتین زبان کو غلط استعمال کرتی ہیں، مثلاً کسی کو طعنہ دے دیا، کسی کو برا کہہ دیا، کسی کی غیبت کر دی، کسی کی چغلی کھالی، یہ سب اس کے اندر داخل ہے۔

میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ((مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لِحْيَتِهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ)) (۲)

”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے دے تو میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں، ایک اس چیز کی گارنٹی دے دے جو اس کے دو جبرؤں کے درمیان ہے (یعنی زبان کہ یہ غلط استعمال نہیں ہوگی) اور ایک اس چیز کی ضمانت دے جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ) کہ اس کو غلط جگہ پر استعمال نہیں کروں گا تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں“

اس سے معلوم ہوا کہ زبان کی حفاظت دین کا آدھا باب ہے۔ اور آدھا دین زبان کے اندر ہے آدھے گناہ زبان کے ذریعہ ہوتے ہیں اس لئے اس کی حفاظت ضروری ہے۔

نجات کے لئے تین کام

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ

(۱) شعب الإيمان، رقم: ۲۹ (۶۱/۱)، المستدرک علی الحاکم، رقم: ۲۷۷۲ (۴۹۱/۲)

(۲) صحيح البخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، رقم: ۵۹۹۳

((أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسْعُكَ بَيْتُكَ وَأَبْكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ)) (۱)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! نجات کا کیا طریقہ ہے؟ یعنی آخرت میں عذاب جہنم سے نجات ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ اپنی رضا مندی عطا فرمادیں، اور جنت میں داخلہ فرمادیں، اس کا کیا طریقہ ہے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں تین جملے ارشاد فرمائے، پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ تم اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھو، زبان بے قابو نہ ہونے پائے، اور دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارا گھر تمہارے لئے کافی ہو جائے، یعنی اپنا زیادہ وقت گھر میں گزارے، فضول اور بلا وجہ تمہیں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ضرورت کے تحت گھر سے باہر جاؤ، بلا ضرورت باہر مت جاؤ، تاکہ باہر جو فتنے ہیں۔ ان کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤ۔

گناہوں پر رو

اور تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی غلطی کوئی گناہ یا خطا تم سے سرزد ہو جائے تو اس غلطی پر رو، رونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے توبہ کرو، اور اس پر ندامت کا اظہار کر کے استغفار کرو، رونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر واقعتاً رو، جیسے ابھی چند روز پہلے ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے رونا آتا ہی نہیں ہے، اس لئے میں پریشان ہوتا ہوں، اصل بات یہ ہے کہ اگر خود سے غیر اختیاری طور پر رونا نہ آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن گناہ پر دل سے نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ استغفار کرے، کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی، آپ معاف فرمادیں۔

اے زبان! اللہ سے ڈرنا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ((إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ، فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تَكْفُرُ اللِّسَانَ، تَقُولُ اتَّقِ اللَّهَ فِينَا، فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ، فَإِنْ اسْتَقَمَّتْ اسْتَقَمْنَا، وَإِنْ اِعْوَجَجَتْ اِعْوَجَجْنَا)) (۲)

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

(۱) سنن الترمذی، کتاب الزہد عن رسول اللہ، باب ماجاء فی حفظ اللسان، رقم: ۲۳۳۰، مسند

أحمد، رقم: ۱۶۶۹۶

(۲) سنن الترمذی، کتاب الزہد عن رسول اللہ، باب ما جاء فی حفظ اللسان، رقم: ۲۳۳۱، مسند

أحمد، رقم: ۱۱۴۷۲

”جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے جسم کے اندر جتنے اعضاء ہیں۔ وہ سب زبان سے مخاطب ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اے زبان! تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس لئے کہ ہم تو تیرے تابع ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے، اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے، مطلب یہ ہے کہ انسان کا سارا جسم زبان کے تابع ہوتا ہے، اگر زبان نے غلط کام کرنا شروع کر دیا تو اس کے نتیجے میں سارے کا سارا جسم گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لئے وہ زبان سے کہتے ہیں کہ سیدھی رہنا ورنہ تیرے کر توت کی وجہ سے ہم بھی مصیبت میں پھنس جائیں گے“

اب کس طرح یہ اعضاء زبان سے مخاطب ہوتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ حقیقتاً کہتے ہوں اس لئے کہ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو قوت گویائی عطا فرما دیتے ہوں، اور اس کے نتیجے میں وہ زبان سے گفتگو کرتے ہوں، اس لئے کہ زبان کو بھی قوت گویائی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو قوت گویائی عطا فرمائیں گے۔

قیامت کے روز اعضاء بولیں گے

گزشتہ زمانے میں ”نیچریت“ کا بڑا زور تھا۔ اور یہ فرقہ نیچریت کے لوگ معجزات وغیرہ کا انکار کرتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ یہ تو فطرت کے خلاف ہے کیسے ہو سکتا ہے، چنانچہ ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یہ جو قرآن شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے روز یہ ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ گفتگو کریں گے۔ یہ کس طرح گواہی دیں گے؟ ان کے اندر زبان نہیں ہے، اور بغیر زبان کے کیسے بولیں گے؟ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ زبان بغیر زبان کے کیسے بولتی ہے؟ یہ زبان بھی ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، اس کے لئے الگ سے کوئی زبان نہیں ہے لیکن پھر بھی بول رہی ہے، جس اللہ تعالیٰ نے گوشت کے اس ٹوٹھڑے کو گویائی کی قوت عطا فرمادی، تو یہ بولنے لگی، اگر اللہ تعالیٰ اس قوت کو سلب کر لیں، تو بولنا بند کر دے گی، اور یہی گویائی کی قوت جب اللہ تعالیٰ ہاتھ کو عطا فرمائیں گے تو ہاتھ بولنے لگے گا، پاؤں کو عطا فرمائیں گے تو پاؤں بولنے لگے گا۔

بہر حال! یہ حقیقت بھی ہو سکتی ہے کہ صبح کے وقت اعضاء زبان سے کس طرح گفتگو کرتے ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ محض ایک تمثیل ہو کہ یہ سارے اعضاء چونکہ اس زبان کے تابع ہیں، اس لئے زبان کو صحیح رکھنے کی کوشش کرو۔ بہر حال اس زبان کی حفاظت بہت ضروری ہے جب تک انسان اس پر قابو نہ پالے اور اس کو گناہوں سے نہ بچالے، اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس زبان کی حفاظت کرنے اور اس کو صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

غیر ضروری سوالات سے پرہیز کریں ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
((دَعُونِي مَا تَرَكَكُمْ أَنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ سُؤْلِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ
عَلَى أَنْبِيَآءِهِمْ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأَتُوا مِنْهُ
مَا اسْتَطَعْتُمْ)) (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک کسی خاص مسئلے کے بارے میں کوئی خاص بات نہ بتاؤں اس وقت تک تم مجھے چھوڑے رکھو اور مجھ سے سوال نہ کرو، یعنی جس کام کے بارے میں میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ کرنا فرض ہے یا یہ کام کرنا حرام اور ناجائز ہے، اس کام کے بارے میں بلا وجہ اور بلا ضرورت سوال کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ تم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی جو امتیں ہلاک ہوئیں، ان کی ہلاکت کا ایک سبب ان کا کثرت سے سوال کرنا بھی تھا، اور دوسرا سبب اپنے انبیاء کے بتائے ہوئے احکام کی خلاف ورزی تھی، لہذا جب میں تم کو کسی چیز سے روکوں تو تم اس سے رک جاؤ۔ اس میں قیل وقال اور چوں و چرہ نہ کرو، اور جس چیز کا میں تم کو حکم دوں تو اس کو اپنی استطاعت کے مطابق بجالاؤ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم پر شفقت دیکھئے کہ استطاعت کی قید لگا دی کہ اپنی استطاعت کے مطابق بجالاؤ گویا استطاعت سے زیادہ کا ہمیں مکلف نہیں بنایا۔

☆ اصلاحی خطبات (۷/۲۹۳ تا ۳۰۰)

(۱) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، رقم: ۲۳۸۰، سنن الترمذی، کتاب العلم عن رسول اللہ، باب في الانتهاء عما نهى عنه رسول الله، رقم: ۲۶۰۳، سنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب وجوب الحج، رقم: ۲۵۷۲، مسند أحمد، رقم: ۷۰۶۳

کس قسم کے سوالات سے پرہیز کیا جائے؟

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے سوال کی کثرت کی مذمت بیان فرمائی ہے، لیکن بعض دوسری احادیث میں سوال کرنے کی فضیلت بھی آئی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَنَّمَا شَفَاءُ الْعَمَى السُّؤَالُ)) (۱)

”پیاسے کی تشفی سوال سے ہوتی ہے“

دونوں قسم کی احادیث اپنی اپنی جگہ درست ہیں، دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ جس معاملے میں خود انسان کو حکم شرعی معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئے یہ معاملہ جو میں کر رہا ہوں، شرعاً جائز ہے یا نہیں، ایسے موقع پر سوال نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری ہے، لیکن اگر سوالات کرنے کا منشاء یا تو محض وقت گزاری ہے یا اس سوال کا اس کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے کہ وہ مسئلہ اس کو پیش نہیں آیا یا وہ ایسا مسئلہ ہے جس کی دین میں کوئی اہمیت نہیں اور عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ قبر میں اس کے بارے میں سوال ہوگا اور نہ آخرت میں سوال ہوگا اور اس کے معلوم نہ ہونے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، تو ایسے مسائل کے بارے میں سوال کرنے کی اس حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

فضول سوالات میں لگانا شیطان کا کام ہے

مثلاً ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جو دو بیٹے تھے، ہابیل اور قابیل، ان دونوں کے درمیان لڑائی ہوئی، جس کے نتیجے میں قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا، اس لڑائی کا سبب ایک لڑکی تھی، اس لڑکی کا نام کیا تھا؟ اب بتائیے کہ اگر اس لڑکی کا نام معلوم ہو جائے تو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ اور اگر معلوم نہ ہو تو اس سے نقصان کیا ہوگا؟ کیا قبر میں منکر نکیر پوچھیں گے کہ اس لڑکی کا نام بتاؤ ورنہ تمہیں جنت نہیں ملے گی، یا میدان حشر میں اللہ تعالیٰ اس کے نام کے بارے میں تم سے سوال کریں گے۔ لہذا اس قسم کے مسائل جن کا قبر میں، حشر، آخرت میں بھی واسطہ پیش نہیں آئے گا ان کے بارے میں سوال کرنا درست نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسان کو صحیح راستے سے ہٹانے کے لئے شیطان کے پاس مختلف حربے ہیں، ان میں سے ایک حربہ یہ ہے کہ وہ شیطان انسان کو ایسے کام میں لگا

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی المجروح یتیم، رقم: ۲۸۴، سنن ابن ماجہ کتاب

الطہار وسننہا، باب فی المجروح تصبیہ الجنابة، رقم: ۵۶۵، مسند أحمد، رقم: ۲۸۹۸، سنن

الدارمی، کتاب الطہارۃ، باب المجروح تصبیہ الجنابة، رقم: ۷۴۵

دیتا ہے جس کا کوئی حاصل نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عملی کاموں سے انسان غافل ہو جاتا ہے اور ان فضول سوالات کے چکر میں لگ جاتا ہے۔

حکم شرعی کی علت کے بارے میں سوال

اسی طرح آج کل لوگوں میں یہ مرض بہت عام ہے کہ جب کسی عمل کے بارے میں بتاؤ کہ شریعت میں یہ حکم موجود ہے کہ یہ کام کرو، یا یہ حکم ہے کہ فلاں کام مت کرو، تو لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ فلاں چیز کو جو حرام قرار دیا گیا ہے، یہ حرمت کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ اور سوال کرنے والے کا انداز یہ بتاتا ہے کہ اگر ہمارے اس سوال کا معقول جواب ہمیں مل گیا اور ہماری عقل نے اس جواب کو صحیح تسلیم کر لیا تب تو ہم اس حکم شرعی کو مانیں گے ورنہ نہیں مانیں گے، حالانکہ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے صاف صاف فرما دیا کہ جب میں نے تم کو کسی چیز سے روک دیا تو تمہارا کام یہ ہے کہ رک جاؤ اور اس تحقیق میں پڑنا تمہارا کام نہیں کہ اس روکنے میں کیا حکمت ہے؟ کیا مصلحت اور کیا فائدہ ہے؟

علت کے بارے میں سوال کا بہترین جواب

ایک صاحب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کے پاس آئے اور کسی شرعی مسئلے کے بارے میں پوچھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز کو کیوں حرام کر دیا؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک بات کا آپ جواب دے دیں تو میں اس کا جواب آپ کو دے دوں گا، انہوں نے کہا کہ وہ کیا بات؟ حضرت نے فرمایا کہ آپ کی ناک سامنے کیوں لگی ہے پیچھے کیوں نہیں لگی؟

مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت سے اس کا رخانہ عالم کا نظام چلا رہے ہیں تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا یہ چھوٹا سا دماغ جو تمہارے سر میں ہے اس کی ساری حکمتوں اور مصلحتوں کا احاطہ کر لے، حالانکہ آج کے دور میں سائنس اتنی ترقی کے باوجود اس چھوٹے سے دماغ کی بھی پوری تحقیق نہیں کر سکی اور یہ کہتی ہے کہ اس دماغ کا اکثر حصہ ایسا ہے جس کے بارے میں اب تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا عمل کیا ہے ایسے دماغ کے ذریعہ تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ساری حکمتوں کا احاطہ کر لو کہ فلاں چیز کو کیوں حرام کیا؟ اور فلاں چیز کو کیوں حلال کیا؟ بات یہ کہ اپنی حقیقت سے ناواقفیت اور دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کی کمی کے نتیجے میں اس قسم کے سوال ذہن میں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں میں دخل مت دو

اب مثلاً کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فجر کی نماز میں دو رکعت فرض فرمائی ہیں، ظہر کی نماز میں چار، عصر کی نماز میں چار، مغرب کی نماز میں تین رکعت فرض فرمائی ہیں، اس فرق کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اور کیا وجہ ہے؟ اب اگر کوئی شخص اپنے سے سوچ کر یہ کہے کہ فجر کی نماز کا وقت چونکہ فرصت کا ہوتا ہے تو اس وقت چار رکعت فرض ہونی چاہئیں اور چونکہ عصر کا وقت مشغولیت کا ہوتا ہے تو اس وقت دو رکعت فرض ہونی چاہئیں۔ ارے تم اپنی چھوٹی سی عقل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے اندر داخل دینا چاہتے ہو؟ اور یہ فیصلہ کرتے ہو کہ فلاں وقت اتنی رکعت فرض ہونی چاہئیں۔ لہذا شریعت کے کسی بھی حکم کے بارے میں یہ سوال کرنا کہ یہ حکم کیوں دیا گیا، یہ غلط سوال ہے۔ ایسے سوال سے آپ نے منع فرمایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ”کیوں“ سے سوال نہیں کیا کرتے تھے

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات پڑھ کر دیکھئے تو آپ کو پورے ذخیرہ حدیث میں یہ کہیں نظر نہیں آئے گا کہ کسی صحابی نے کسی حکم شرعی کے بارے میں یہ سوال کیا ہو کہ یہ حکم کیوں دیا گیا؟ ایک مثال نہیں ملے گی۔ البتہ یہ سوال ملے گا کہ فلاں چیز کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ لفظ ”کیوں“ سے سوال نہیں کرتے تھے۔ سوال نہ کرنے کی وجہ کیا تھی؟ کیا ان کے اندر عقل اور سمجھ نہیں تھی؟ کیا وہ ان شرعی حکموں کی حکمتیں اور مصلحتیں نہیں پہچان سکتے تھے؟ ایسا نہیں تھا، کیونکہ ان کی عقل اتنی تھی کہ آج کے دور کا بڑے سے بڑا عقل مند ان کی عقل کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا، پھر سوال نہ کرنے کی کیا وجہ تھی؟ وجہ یہ تھی کہ اس عقل ہی کا تقاضہ یہ تھا کہ جب اللہ کو اپنا خالق اور مالک مان لیا اور نبی کریم سرورِ دعوٰی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا رسول مان لیا تو اب جو بات اور جو حکم بھی ان کی طرف سے آئے گا وہ حق ہوگا، اس میں ہمارے لئے چوں و چرا کی مجال اور گنجائش نہیں، اس لئے لفظ ”کیوں“ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سوال نہیں کرتے تھے۔

یہ اللہ کی محبت اور عظمت کی کمی کی دلیل ہے

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ شریعت کے احکام کے سلسلے میں لوگوں کے دلوں میں بہت زیادہ شکوک و شبہات ہوتے ہیں اس کی اصل وجہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظمت دل میں ہوگی تو اس کی طرف سے دیے گئے حکم میں شکوک و شبہات پیدا نہیں ہونگے

دنیا کے اندر دیکھ لیں کہ جس سے محبت اور عقیدت ہوتی ہے، وہ اگر کسی بات کا حکم دے تو چاہے وہ حکم ہماری سمجھ میں نہ آ رہا ہو، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص اتنا بڑا آدمی ہے کہ اس کے حکم کے پیچھے کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوگی۔ تو وہ ذات جس کی قدرت، جس کا علم اور جس کی رحمت ساری کائنات کو محیط ہے، وہ ذات اگر یہ حکم دے کہ یہ عمل کرو اور یہ عمل مت کرو تو اس کی عظمت اور محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی یہ نہ سوچے کہ مجھے یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ اور اس حکم میں کیا فائدہ اور کیا مصلحت ہے؟ دین نام ہی اس کا ہے کہ اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دو اور چوں چرا کو درمیان سے نکال دو۔ آج کی گمراہیوں کا سب سے بڑا سرچشمہ اور بنیادی سبب یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے احکام کو اپنی عقل سے پرکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور اگر کسی حکم کی حکمت عقل میں نہیں آ رہی تو اس کو شریعت کا حکم ماننے سے انکار کیا جا رہا ہے۔

بچے اور نوکر کی مثال

چھوٹا سا بچہ جو ابھی بالکل نادان ہے باپ اس کو کسی کام کا حکم دیتا ہے یا ماں اس کو حکم دیتی ہے، اگر وہ بچہ یہ کہے کہ مجھے حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ جب تک آپ مجھے اس کام کی حکمت نہیں سمجھائیں گے اس وقت تک میں یہ کام نہیں کروں گا تو ایسا بچہ کبھی صحیح تربیت نہیں پاسکے گا، بچے کو چھوڑیے، ایک آدمی جو عاقل بالغ ہے اور اس کو آپ نے اپنا نوکر رکھا ہوا ہے، آپ نے اس سے کہا کہ بازار جا کر فلاں سودا لے آؤ، وہ پلٹ کر یہ پوچھتا ہے کہ پہلے آپ مجھے اس کی حکمت اور وجہ بتائیے کہ آپ یہ چیز بازار سے کیوں منگوا رہے ہیں؟ آپ حکمت بتائیے پھر میں بازار سے یہ چیز لاؤں گا۔ ایسا نوکر کان سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال دینے کے لائق ہے۔ اس لئے کہ نوکر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ پوچھے کہ آپ یہ چیز کیوں منگوا رہے ہیں؟ نوکر کا کام یہ ہے کہ جو حکم بھی اس کو دیا جا رہا ہے وہ اس کو بجالائے، وہ یہ نہ پوچھے کہ یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ جب نوکروں کے ساتھ تمہارا یہ معاملہ ہے، حالانکہ نوکر بھی انسان ہے اور تم بھی انسان ہو، تو اللہ تو خالق اور معبود ہیں اور تم اسکے بندے ہو، نوکر اور آقا میں تو پھر بھی مناسبت ہے، اس لئے کہ دونوں کی عقل محدود ہے، لیکن بندے اور اللہ میں تو کوئی مناسبت ہی نہیں، اس لئے کہ تمہاری عقل محدود اور اللہ جل شانہ کی حکمتیں لامحدود، اس لئے اس کے حکم کی حکمت کے بارے میں سوال کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ بہر حال اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین قسم کے سوالات سے منع فرمایا ہے، ایک بے فائدہ سوال کرنا جس کا عملی زندگی سے تعلق نہ ہو، دوسرے ایسے معاملے یا ایسی صورت حال کے بارے میں سوال کرنا جو اپنی ذات کو کبھی پیش نہ آیا ہو، تیسرے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے کسی حکم کی حکمت معلوم کرنے کے لئے سوال کرنا۔ اور مقصد سوال کرنے کا یہ ہو کہ اگر

اس حکم کی حکمت معلوم ہوگی تو عمل کرونگا ورنہ نہیں کرونگا۔ اور فرمایا کہ کچھلی امتیں ان تین چیزوں کے بارے میں سوالات کرنے سے ہلاک ہوئیں۔ تم ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے پرہیز کرو، اور جب میں تم کو کسی چیز سے روک دوں تو تم رک جاؤ، اس کی حکمت تلاش کرنے کے پیچھے مت پڑو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَإِخْرُجُوا أَنَا الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆

☆ آواز بلند نہ کیجئے ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ إِنَّ
الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ
لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنَ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (۱)

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ الحجرات کی ابتدائی چند آیات ہیں، جو میں نے آپ کے
سامنے تلاوت کیں، پہلے ان آیات کا ترجمہ عرض کرتا ہوں، اس کے بعد ان کی تشریح عرض کروں گا،
ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو، اور نہ ان
سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو،
کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں، اور تم کو خبر بھی نہ ہو، بیشک جو لوگ اپنی
آوازوں کی رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے
قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے، ان لوگوں کے لئے مغفرت
اور اجر عظیم ہے، جو لوگ آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں
سے اکثر لوگوں کو عقل نہیں ہے، اگر یہ لوگ صبر کرتے، یہاں تک کہ آپ خود باہر ان

☆ اصلاحی خطبات (۱۶/۲۳۰ تا ۲۵۲) بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) الحجرات: ۲ تا ۵

کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا، اللہ تعالیٰ بخشنے والے بڑے رحیم ہیں“
ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو دو حکم دیے گئے ہیں، ایک یہ کہ حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ مجلس میں بیٹھے ہوں تو اپنی آواز حضور اقدس ﷺ کی آواز پر بلند نہ کی جائے، اور آپ سے پست آواز میں بات کی جائے۔ دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں تشریف فرما ہوں تو اس وقت گھر کے باہر سے حضور اقدس ﷺ کو آواز دینا جیسا، کہ بنو تمیم کے لوگوں نے ناواقفیت کی بناء پر ایسا طرز عمل اختیار کیا تھا کہ گھر کے باہر سے آپ کو آواز دینا شروع کر دیں کہ اے محمد! ہمارے لئے باہر آئیے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور جب خود سے باہر تشریف لے آتے، اس وقت یہ لوگ آپ کی زیارت کرتے، اور آپ سے ملاقات کرتے تو یہ ان کے لئے زیادہ بہتر تھا۔ بہر حال! یہ دو حکم ان آیات میں بیان فرمائے ہیں۔

مجلس نبوی ﷺ کا ایک ادب

پہلے حکم میں دراصل مجلس نبوی ﷺ کا ایک ادب بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا، یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا گفتگو کیا کرتے ہیں، یہ ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے، چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈر گئے، اور ان کی یہ حالت ہو گئی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قسم ہے کہ اب مرتے دم تک میں آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ حالت ہو گئی کہ وہ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات ان سے دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا کہ آپ نے کیا کہا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ طبعی طور پر بہت بلند آواز تھے، یہ آیت سن کر بہت ڈر گئے، اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا۔ (۲)

(۱) التفسیر لابن کثیر (۴/۲۶۳)، سورة الحجرات، الآية: ۵

(۲) التفسیر لابن کثیر (۴/۲۶۲)، سورة الحجرات، الآية: ۴

دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے

یہ حکم اگرچہ براہ راست حضور اقدس ﷺ سے متعلق دیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی موجودگی میں ایسا نہ کریں، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کو ادنیٰ تکلیف پہنچانا انسان کے ایمان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے، اس لئے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اس عمل سے حضور اقدس ﷺ کو کوئی تکلیف پہنچے اور اس کے نتیجے میں تمہارے سارے اعمال غارت ہو جائیں، لیکن اس کے ضمن میں ایک عمومی ہدایت یہ بھی دی گئی ہے کہ کسی بھی انسان کو دوسرے انسان سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ)) (۱)

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی دوسرے کو کوئی تکلیف نہ پہنچے“

یہ حکم حضور اقدس ﷺ کے معاملے میں تو انتہائی سنگین ہے، لیکن اگر کسی اور انسان کے ساتھ بھی ناحق معاملہ کیا جائے، خاص طور پر اس وقت جب وہ ”مسلمان“ بھی ہو، یہ بھی گناہ ہے، اور انسان کے لئے قابلِ احتراز ہے۔

بلند آواز سے بات کرنا پسندیدہ نہیں

یہ جو حکم فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کی موجودگی میں اپنی آواز بلند مت کرو، بلکہ آہستہ آواز سے بات کرو، یہ حکم حضور اقدس ﷺ کے بارے میں تو بہت زیادہ موکد ہے، لیکن قرآن کریم نے دوسری جگہ عام انسانوں کی گفتگو میں بھی بہت زیادہ بلند آواز سے بات کرنے کو پسند نہیں فرمایا، چنانچہ سورۃ لقمان میں فرمایا:

﴿وَأَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾ (۲)

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، رقم: ۹، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان تفضل الاسلام وأی أمورہ أفضل، رقم: ۵۸، سنن الترمذی، کتاب الایمان عن رسول اللہ، باب ما جاء فی أن المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، رقم: ۲۵۵۱، سنن النسائی، کتاب الایمان وشرائعه، باب صفة المسلم، رقم: ۴۹۱۰، سنن أبی داود، کتاب الجہاد، باب فی الهجرة هل انقطعت، رقم: ۲۱۲۲

(۲) لقمان: ۹۱

”اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو، اور اپنی آواز کو آہستہ کرو، بے شک سب سے بدترین آواز گدھے کی آواز ہے“

اس لئے کہ گدھے کی آواز بلند ہوتی ہے، اور دور تک جاتی ہے، لہذا یہ اچھی بات نہیں کہ آدمی اتنی زور سے بولے جو ضرورت سے زیادہ ہو، اور اس کی وجہ سے دوسرے انسان کو تکلیف ہو۔

بلند آواز سے کان میں خلل ہو جانا

آج کل کے اطباء اور ڈاکٹر صاحبان یہ کہتے ہیں کہ اگر آدمی بہت زیادہ بلند آواز میں باتیں کرتا رہے اور دوسرے کے کان میں مسلسل وہ آواز جائے، تو اس کے نتیجے میں انسان کے کان میں خلل پیدا ہو جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ اس کے سننے کی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے۔ لہذا اتنی زور سے بولنا جو دوسرے انسان کو تکلیف کا سبب ہو، اس سے منع کیا گیا ہے، یہاں تک کہ جب آدمی کسی مجمع سے خطاب کر رہا ہو تو اس کے بارے میں بھی ادب یہ ہے کہ آواز بہت زیادہ بلند کرنا ادب کے خلاف ہے، پسندیدہ نہیں ہے، خاص طور پر اس وقت جب اس بلند آواز کے نتیجے میں آس پاس کے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہو، تو یہ کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ آپ ناحق لوگوں کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔

لاؤڈ اسپیکر کا غلط استعمال

جب سے یہ ”لاؤڈ اسپیکر“ وجود میں آیا ہے، اللہ بچائے اس وقت سے ہمارے معاشرے میں اس کا اتنا غلط استعمال ہو رہا ہے، جو سراسر گناہ ہے، بعض اوقات لوگ اپنی تقریبات میں شادیوں میں لاءؤڈ اسپیکر پر گانا بلند آواز سے لگا دیتے ہیں، اول تو گانا بجانا ہی ناجائز ہے، اور پھر وہ آواز اتنی بلند ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے سارے محلے والے پریشان ہوتے ہیں، اگر کوئی سونا چاہتا ہے تو وہ سو نہیں سکتا۔ اگر کوئی بیمار ہے اور وہ سکون چاہتا ہے تو اس کو سکون نہیں ملتا، اس طرح اس ایک عمل کی وجہ سے ڈبل گناہ ہو رہا ہے، ایک ناجائز بات کی تشہیر کرنے کا گناہ دوسرے لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرنے کا گناہ۔

دین کے نام پر ناجائز کام کرنا

افسوس یہ ہے کہ جو گانا بجانے والے ہیں، ان کو تو چلو فکر ہی نہیں ہے کہ کیا چیز گناہ ہے اور کیا ثواب ہے؟ لیکن جو لوگ دین کے نام پر کام کرنے والے ہیں، جن کو دین کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے، ان کو بھی اس مسئلے کا اہتمام نہیں، چنانچہ لاءؤڈ اسپیکر پر وعظ و تقریر ہو رہی ہے، یا نعتیں پڑھی جا رہی ہیں، یا

قوالی ہو رہی ہے، اب اس کی وجہ سے سارا محلہ جاگ رہا ہے، جب تک وہ پروگرام ختم نہیں ہوگا، اس وقت تک کوئی آدمی سو نہیں سکتا، اس میں بھی ڈبل گناہ ہے، اس لئے کہ یہ گناہ کا کام دین کے نام پر کیا جا رہا ہے، اگر کوئی بیمار اس آواز کی وجہ سے پریشان ہے، اور تکلیف میں ہے، لیکن وہ اس لئے کچھ نہیں کہتا کہ اس کو یہ ڈر ہے کہ یہ تو وعظ اور تقریر ہو رہی ہے، میرا کچھ کہنا دین کے خلاف نہ ہو جائے، اس ڈر سے لوگ خاموش رہتے ہیں، حالانکہ یہ سنگین گناہ ہے۔

ایک واعظ کا واقعہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ روایت میں آتا ہے کہ آپ جس حجرہ میں مقیم تھیں، اور جس میں حضور اقدس ﷺ کا روضہ اقدس واقع ہے، بعض اوقات ایک واعظ صاحب وعظ کہنے کے لئے آتے، اور مسجد نبوی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے سامنے بلند آواز سے وعظ کہنا شروع کر دیتے تھے، اس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر تو نہیں تھا، لیکن آواز بہت بلند تھی، کافی دیر تک وہ تقریر کرتے رہتے تھے، ان کی آواز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آتی تھی، اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی عبادت یا کام میں مشغول ہوتیں، یا آرام کر رہی ہوتیں تو اس آواز سے ان کو تکلیف ہوتی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت کے خلیفہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی کہ یہ واعظ صاحب یہاں آ کر اتنی بلند آواز سے تقریر کرتے ہیں کہ مجھے اس کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو بلوایا، اور ان کو سمجھایا کہ بے شک دین کی بات کہنا بڑی اچھی بات ہے، لیکن اس طرح کہنا چاہئے جس سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے، لہذا آئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے سامنے اس طرح تقریر مت کرنا، اگر وعظ کرنا ہے تو کسی اور جگہ پر جا کر کرو، اگر وہیں پر وعظ کرنا ہے تو اتنی آواز سے کرو کہ وہ آواز صرف سننے والوں کی حد تک محدود رہے، دور تک نہ جائے۔

مار مار کر یہ ڈنڈا توڑ دوں گا

کچھ دن تک تو وہ واعظ صاحب خاموش رہے۔ لیکن بعض لوگ جذباتی قسم کے ہوتے ہیں، ان کو وعظ کے بغیر چین نہیں آتا، وہ صاحب بھی اسی طرح کے تھے، چنانچہ چند روز کے بعد دوبارہ اسی طرح مجمع جمع کیا، اور بڑی زور سے تقریر شروع کر دی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوبارہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ ان صاحب نے دوبارہ ہی سلسلہ شروع کر دیا ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کو بلوایا، اور فرمایا میں نے پہلی مرتبہ تم کو سمجھایا تھا، معلوم ہوا کہ تم نے دوبارہ یہ حرکت شروع کر دی ہے، اب اگر تیسری مرتبہ تمہاری یہ شکایت آئی تو پھر یہ جو میرے ہاتھ میں سونپا ہے اس کے

ذریعے مار مار کر یہ سونا توڑ دوں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت پر حضرت فاروق اعظم نے اتنے سخت الفاظ اس واعظ سے ارشاد فرمائے۔

بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا

اس مسئلہ میں کسی فقیہ کا کسی امام کا اختلاف نہیں، ساری امت کے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی بلند آواز سے کوئی بھی کام کرنا، چاہے وہ دین کا کام ہو، جس سے دوسرے لوگوں کے کاموں میں اس طرح خلل واقع ہو کہ اگر کوئی سونا چاہے تو وہ نہیں سو سکتا، اگر کوئی بیمار ہے تو اس کی وجہ سے وہ تکلیف میں مبتلا ہے، ایسا کام کرنا بالکل حرام ہے، اور اگر ایسا کام دین کے نام کیا جائے تو رحمہم اللہ ڈبل حرام ہے، اس لئے کہ اس کے ذریعے سے دین کی غلط نمائندگی کی جا رہی ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ایسی جگہ پر قرآن کریم بلند آواز سے نہ پڑھیں جہاں لوگ سو رہے ہوں، یا جہاں پر لوگ اپنے کاموں کے اندر مشغول ہیں اور اسکے نتیجے میں وہ یا تو قرآن کریم سے بے التفاتی برتیں گے، یا ان کے کاموں میں خلل واقع ہوگا، اس طرح کے بے شمار احکام ہمیں شریعت نے بتائے ہیں کہ دین کا کام بھی اس طرح کرو کہ اس سے حتی الامکان دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

تہجد کے لئے اٹھتے وقت آپ کا انداز

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سورہی ہوتیں اور آپ کس انداز سے اٹھتے تھے؟ اس کے بارے میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”قَامَ رُوَيْدًا وَفَتَحَ الْبَابَ رُوَيْدًا“ (۱)

”آپ ﷺ دھیرے سے اٹھتے تھے، اور دروازہ دھیرے سے کھولتے تھے“

کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل جائے، حالانکہ اگر حضور اقدس ﷺ کے کسی عمل کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل بھی جاتی تو شاید ان کو تکلیف محسوس نہ ہوتی، بلکہ وہ اس کو اپنے لئے سعادت سمجھتیں، اس کے باوجود حضور اقدس ﷺ کی کوشش یہ تھی کہ میرے کسی عمل سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچے، اور ان کی نیند میں خلل واقع نہ ہو، نماز پڑھ رہے ہیں تو اس انداز سے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف نہ ہو۔

ہم لوگ اپنے دین کے احکام اور تعلیمات سے غافل ہو کر جو سمجھ میں آ رہا ہے کر رہے ہیں، اور

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، رقم: ۱۶۱۹،

مسند أحمد، رقم: ۲۴۶۷۱

پھر اس کو اپنے دین کی طرف منسوب کر رہے ہیں، یہ انتہائی خطرناک بات ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قانون کب حرکت میں آتا ہے

بہر حال! لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جس بری طرح ہو رہا ہے، اور جس طرح لوگوں کے لئے تکلیف کا سبب بن رہا ہے، جب کہ حکومت نے بھی یہ قانون بنا رکھا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کا غلط استعمال نہ ہو، لیکن اس معاشرے میں قانون کی کوئی وقعت کوئی قیمت نہیں، یہ قانون صرف اس وقت حرکت میں آتا ہے، جب حکومت کو کسی شخص سے عداوت ہو جائے، اس وقت ”لاؤڈ اسپیکر ایکٹ“ سامنے آ جاتا ہے، لیکن آج کل دن رات اس قانون کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، مگر کوئی دیکھنے والا کوئی سننے والا نہیں۔ بہر حال! ان آیات نے ہمیں ایک ہدایت تو یہ دی کہ آواز بھی اتنی رکھو جس سے مقصد حاصل ہو جائے، آپ کو ایک پیغام پہچانا ہے تو جس آواز سے دوسرا سن لے بس اس حد پر اس آواز کو رکھو، اس سے زیادہ آواز کو بڑھانا جو دوسروں کی تکلیف کا سبب بن جائے، اس سے ان آیات میں منع فرمایا گیا ہے۔

اللہ کے ذکر کے لئے آواز پست رکھنے کا حکم

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ایک غزوہ میں تشریف لے جا رہے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساتھ تھے، رات کے وقت سفر ہو رہا تھا، سفر کے دوران بسا اوقات لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح وقت کٹے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر کے دوران بلند آواز سے ذکر شروع کر دیا، اور اللہ تعالیٰ کی تحمید و تقدیس بلند آواز سے شروع کر دی، حضور اقدس ﷺ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کر کے فرمایا:

((انکم لاتدعون أصم ولا غائباً)) (۱)

یعنی تم بہرے ذات کو نہیں پکار رہے ہو، اور نہ کسی ایسی شخصیت کو پکار رہے ہو جو تم سے غائب ہے بلکہ تم تو اللہ تعالیٰ کو پکار رہے ہو، اس کو پکارنے کے لئے بلند آواز کی ضرورت نہیں، اگر تم آہستہ آواز سے بھی پکارو گے تو اللہ تعالیٰ سن لیں گے، اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے، اور ہر ایک ایک بات سنتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے یہ تعلیم قرآن کریم کے عین مطابق دی، اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ (۲)

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسير، باب ما یکرہ من رفع الصوت فی التکبیر، رقم: ۲۷۷۰،

سنن أبی داود، کتاب الصلاة باب فی الاستغفار، رقم: ۱۳۰۵، مسند أحمد، رقم: ۱۸۶۹۹

(۲) الأعراف: ۵۵

”اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور آہستگی سے پکارو“

اس لئے دعائیں، ذکر میں درود شریف میں آواز بلند کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو سنانا مقصود ہے، اور اللہ تعالیٰ کو سنانے کے لئے آواز کو بلند کرنے کی ضرورت نہیں، آہستگی سے بھی کرو گے تو اللہ تعالیٰ سن لیں گے۔

آواز ٹکنا بڑی نعمت ہے

یہ آواز کی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے رکھی ہے؛ یہ ایسی نعمت ہے کہ اگر کبھی یہ نعمت سلب ہو جائے تو اس وقت انسان اس کو حاصل کرنے کے لئے ساری دنیا کی دولت خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا، جب آواز بند ہو جاتی ہے تو آدمی کو ایسی بے چینی اور بے تابی ہو جاتی ہے کہ آدمی اپنے دل کی بات کہنا چاہتا ہے، لیکن نہیں کہہ سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں گھر بیٹھے مفت میں یہ دولت دے رکھی ہے، اور اس کے ذریعہ ہم اپنی آواز دوسروں تک پہنچا کر اپنا مفہوم واضح کر دیتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لہذا ایک طرف تو اس کا شکر ادا کرنا چاہئے، دوسرے یہ کہ اس کو صحیح جگہ پر استعمال کرنا چاہئے، غلط جگہ پر استعمال سے پرہیز کرنا چاہئے، اور حد سے زیادہ استعمال نہ ہو، بس جتنی ضرورت ہے اتنی ہی استعمال ہو۔

خلاصہ

یہ سب دین کے احکام ہیں جو ہمیں ان آیات سے مل رہے ہیں، افسوس یہ ہے کہ ہم نے دین کو نماز روزے کی حد تک محدود کر لیا ہے، اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو ہدایت عطا فرمائی ہیں، ان کو ہم دین کا حصہ ہی نہیں سمجھتے، جس کی وجہ سے آج ہم معاشرتی فساد میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆

گناہ کی تہمت سے بچنے ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
عَنْ عَلِيٍّ بْنِ حُسَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ صَفِيَّةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزْوُرُهُ فِي
إِعْتِكَافِهِ فِي الْمَسْجِدِ فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. (۱)

یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کے ایک واقعہ کا بیان ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ ہر سال رمضان المبارک میں مسجد نبوی میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے کہ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے کے لئے اعتکاف کی جگہ پر تشریف لائیں، چونکہ اعتکاف کی وجہ سے آپ گھر کے اندر تشریف نہیں لے جاسکتے تھے، اس لئے وہ خود ہی ملاقات کے لئے آئیں، اور جتنی دیر ان کو بیٹھنا تھا، اتنی دیر تک بیٹھی رہیں۔ جب وہ واپس جانے لگیں تو حضور اقدس ﷺ ان کو رخصت کرنے کے لئے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے۔

بیوی کا اکرام کرنا چاہئے

اب آپ حضور اقدس ﷺ کی سنتیں دیکھتے جائیں۔ پہلی بات تو اس سے یہ معلوم ہوئی کہ اگر بیوی پردے کے ساتھ شوہر سے ملاقات کے لئے معکف میں آجائے تو یہ جائز ہے۔

☆ اصلاحی خطبات (۲۱۸/۲۰۸ تا ۱۰) بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاعتکاف، باب هل يخرج المعتكف لحوائجه إلى باب المسجد، رقم: ۱۸۹۴، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب بیان انه يستحب لمن رآه خاليا بامرأة وكانت زوجته، رقم: ۴۰۴۱، سنن الدارمی، کتاب الصوم، باب اعتکاف النبی، رقم: ۱۷۱۴

دوسری بات یہ سامنے آئی کہ حضور اقدس ﷺ نے صرف انہیں معکف ہی سے رخصت کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ ان کو پہنچانے کے لئے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے، ان کا اکرام کیا۔ اس عمل سے حضور اقدس ﷺ نے یہ تعلیم دے دی کہ بیوی کے ساتھ ایسا معاملہ اور سلوک کرنا چاہئے جو برابری کی بنیاد کا ہو، اس کا اکرام کرنا اس کا حق ہے، جب وہ تم سے ملنے کے لئے آئی ہے، اور اب تم اس کو پہنچانے کے لئے جا رہے ہو تو یہ پہنچانا بھی اس کے حقوق میں داخل ہے۔

دوسروں کے خدشات کو وضاحت کر کے دور کر دینا چاہئے

بہر حال، جب حضور اقدس ﷺ ان کو پہنچانے کے لئے دروازے کی طرف جانے لگے تو آپ نے دیکھا کہ دو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پاس ملنے کے لئے وہاں آرہے ہیں۔ آپ نے سوچا کہ کہیں ان دونوں حضرات کے قریب آنے سے ام المؤمنین کی بے پردگی نہ ہو، اس لئے آپ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا کہ ذرا وہیں ٹھہر جاؤ۔ یہ حکم اس لئے دیا تا کہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پردے کے ساتھ اپنے گھر واپس چلی جائیں تو پھر ان حضرات کو بلا لیا جائے۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت صفیہ وہاں سے گزر کر اپنے گھر تشریف لے گئیں، پھر آپ نے ان دو حضرات سے فرمایا کہ اب آپ تشریف لے آئیں۔ جب وہ آگئے تو آپ نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ خاتون حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں یعنی میری بیوی تھیں۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ صراحت میں نے اس لئے کر دی کہ کہیں شیطان تمہارے دل میں کوئی برائی نہ ڈال دے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ جب ان حضرات نے یہ دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ کسی خاتون کے ساتھ مسجد نبوی میں جا رہے ہیں، تو کہیں ان حضرات کے دل میں یہ وسوسہ نہ آجائے کہ یہ خاتون کون تھیں؟ اور حضور اقدس ﷺ نے وضاحت سے فرمادیا کہ یہ ”صفیہ“ تھیں، جو میری بیوی ہیں۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہے۔ (۱)

اپنے کو مواقع تہمت سے بچاؤ

اس حدیث کی تشریح میں علماء کرام نے فرمایا کہ کیا کوئی شخص یہ تصور کر سکتا ہے کہ کسی صحابی کے دل میں حضور اقدس ﷺ کی طرف سے اس قسم کا کوئی غلط خیال آئے گا کہ آپ اس طرح کسی نامحرم

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاعتکاف، باب هل یخرج المعتکف لحوالجه إلی باب المسجد،

رقم: ۱۸۹۴، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب بیان انه یتحب لمن رمی خالیا بامرأة وکانت

زوجته، رقم: ۴۰۴۱، سنن الدارمی، کتاب الصوم، باب اعتکاف النبی، رقم: ۱۷۱۴

خاتون کے ساتھ تشریف لے جا رہے ہوں گے؟ اور پھر رمضان کا مہینہ، اور رمضان کا بھی عشرہ اخیرہ، اور پھر جگہ بھی مسجد نبوی، اور پھر اعتکاف کی حالت۔ کسی عام مسلمان کے بارے میں بھی یہ خیال آنا مشکل ہے، چہ جائیکہ حضور اقدس ﷺ کے بارے میں۔

لیکن آپ ﷺ نے اس واقعہ کے ذریعہ امت کو یہ تعلیم دے دی کہ اپنے آپ کو تہمت کے مواقع سے بچاؤ، اگر کسی موقع پر اس بات کا اندیشہ ہو کہ کہیں کوئی تہمت نہ لگ جائے، یا کسی کے دل میں میرے بارے میں غلط خیال نہ آجائے تو ایسے مواقع سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ۔ حدیث کے طور پر ایک جملہ نقل کیا جاتا ہے اور حضور اقدس ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے:

((اتَّقُوا مَوَاضِعَ التَّهْمِ)) (۱)

”تہمت کے مواقع سے بچو“

اگرچہ اس جملہ کی نسبت آپ ﷺ کی طرف صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، لیکن اس جملہ کی اصل یہ واقعہ ہے۔ لہذا جس طرح انسان کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ گناہ سے بچے ناجائز کاموں سے بچے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہ کی تہمت سے بھی بچائے، ناجائز کام کی تہمت سے بچائے، کوئی ایسا کام نہ کرے جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ہو کہ شاید یہ فلاں گناہ کے کام میں مبتلا ہے۔

مواقع تہمت سے بچنے کے دو فائدے

تہمت کے مواقع سے اپنے آپ کو بچانے کے دو فائدے ہیں:

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو دوسروں کی نظر میں بدگمان کیوں کیا جائے؟ کیونکہ جس طرح دوسروں کا حق ہے، اپنے نفس کا بھی حق ہے۔ اور نفس کا حق یہ ہے کہ اس کو بلا وجہ ذلیل نہ کیا جائے، بلا وجہ اس کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں بدگمانی نہ پیدا کی جائے۔

دوسرا فائدہ دیکھنے والے شخص کا ہے، اس لئے جو شخص تمہیں دیکھ کر بدگمانی میں مبتلا ہوگا، اور تحقیق کے بغیر تمہارے بارے میں بدگمانی کرے گا تو وہ بدگمانی کے گناہ میں مبتلا ہوگا، لہذا اس کو گناہ میں کیوں مبتلا کرتے ہو؟ بہر حال ایسا کام کرنا جس سے خواہ مخواہ لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوں، یہ درست نہیں۔

(۱) کشف الخفاء، رقم: ۵۳۵ (۱/۳۳۶)، الجامع الكبير للسيوطی، رقم: ۵۳۳ (۱/۸۱۷)

گناہ کے موقع سے بھی بچنا چاہئے

گناہ کے جو مواقع ہوتے ہیں وہاں جا کر آپ چاہے گناہ نہ کریں لیکن گناہ کے ان مواقع کے پاس سے گزرنا اور اس طرح گزرنا کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ شخص بھی اس گناہ میں مبتلا ہوگا، یہ بھی درست نہیں۔ مثلاً کوئی سینما ہال ہے، اب آپ اس سینما ہال کے اندر سے یہ سوچ کر گزر گئے کہ چلو یہ راستہ مختصر ہے، یہاں سے نکل جائیں۔ اب آپ نے وہاں نہ تو کسی تصویر کو دیکھا اور نہ کوئی اور گناہ کیا، لیکن جو شخص بھی آپ کو گزرتے ہوئے دیکھے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ آپ سینما دیکھنے آئے ہوں گے، اس لئے کہ آپ نے ایسا کام کر لیا جس کی وجہ سے خواہ مخواہ آپ پر تہمت لگ گئی اور شبہ پیدا ہو گیا، ایسا کام کرنا بھی درست نہیں۔ اور اگر کبھی ایسی نوبت آجائے جس سے شبہ پیدا ہو تو وضاحت کر کے بتا دینا چاہئے کہ میں یہاں فلاں مقصد سے آیا تھا۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے بتا دیا کہ یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضور ﷺ کی سنت

یہ بڑا نازک معاملہ ہے، ایک طرف تو اپنے آپ کو جان بوجھ کر ”متمقی“ ظاہر کرنا، یہ بھی شرعاً پسندیدہ نہیں۔ دوسری طرف بلا وجہ اپنے آپ کو گناہ گار ظاہر کرنا، یہ بھی نہیں، اور نہ یہ حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے، بلکہ آپ کی سنت یہ ہے کہ اپنے آپ کو تہمت سے بچاؤ۔

”ملا متی“ فرقہ کا انداز زندگی

ایک فرقہ گزرا ہے جو اپنے آپ کو ”ملا متی“ کہتا تھا، اور پھر اسی ”ملا متی فرقہ“ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ فرقہ اپنی ظاہری حالت گناہ گاروں، فاسقوں اور فاجروں جیسی رکھتا تھا، مثلاً وہ نہ تو مسجد میں جا کر نماز پڑھتے تھے، اور نہ ہی کسی کے سامنے ذکر و عبادت کرتے تھے، اپنا حلیہ بھی فاسقوں جیسا بناتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اپنا حلیہ اس لئے ایسا بنا دیتے ہیں تاکہ ریا کاری نہ ہو جائے، دکھاوانہ ہو جائے۔ اگر ہم ڈاڑھی رکھیں گے اور مسجد میں جا کر صف اول میں نماز پڑھیں گے تو لوگ سمجھیں گے ہم بزرگ آدمی ہیں، لوگ ہماری عزت کریں گے، اور اس سے ہمارا دل خراب ہوگا، اور اس کے نتیجے میں ہمارے دلوں میں تکبر پیدا ہوگا، اس لئے ہم مسجد میں نماز نہیں پڑھتے۔ یہ ”ملا متی فرقہ“ کہلاتا تھا۔ یہ نام اس لئے پڑ گیا کہ یہ لوگ اپنی ظاہری حالت ایسی بناتے تھے کہ دوسرے لوگ ان پر ملامت کریں کہ یہ کیسے خراب لوگ ہیں۔ لیکن ان کا یہ طرز عمل اور طریقہ سنت کا طریقہ اور شریعت کا طریقہ نہیں تھا، اور نہ ہی یہ ہمارے بزرگان دین کا صحیح طریقہ تھا۔

ایک گناہ سے بچنے کے لئے دوسرا گناہ کرنا

یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ غلبہ حال میں ایسا طرز اختیار کر گیا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معزز ہوگا، لیکن اس کا یہ طرز عمل قابل تقلید نہیں، کیونکہ یہ طرز عمل شرعاً درست نہیں۔ کیا آدمی اپنے آپ کو ریاکاری اور تکبر سے بچانے کے لئے ایک دوسرے گناہ کا ارتکاب کرے؟ ریاکاری ایک گناہ ہے اور اس سے بچنے کے لئے ایک دوسرے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے کہ مسجد میں نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ شرعاً یہ بالکل درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کر دیا، بس وہ حرام ہوگئی۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں مسجد میں جا کر نماز نہیں پڑھتا، بلکہ گھر میں نماز پڑھتا ہوں، اس لئے کہ اگر مسجد میں صف اول میں نماز پڑھوں گا تو یہ دکھاوا ہو جائے گا، سب لوگ دیکھیں گے کہ یہ شخص صف اول میں نماز پڑھ رہا ہے۔ چنانچہ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے۔

نماز مسجد میں ہی پڑھنی چاہئے

یاد رکھئے! یہ سب شیطان کا دھوکہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ مسجد میں آ کر نماز پڑھو، تو بس اب مسجد میں ہی آ کر نماز پڑھنا ضروری ہے، اور یہ خیال کہ یہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے سے ریاکاری اور دکھاوا ہو جائے گا، یہ سب شیطان کا دھوکہ ہے۔ اس خیال پر ہرگز عمل مت کرو اور مسجد میں آ کر نماز پڑھو۔ اور اگر ریاکاری کا خیال آئے تو استغفار کر لو:

”أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ“

فرائض کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ان کو علانیہ ادا کیا جائے البتہ نوافل گھر میں پڑھنے کی اجازت ہے۔ لیکن جہاں تک فرائض کا تعلق ہے تو مردوں کو چاہئے کہ وہ مسجد میں جا کر جماعت سے ادا کریں۔ اور اس ”ملاستی فرقہ“ کی جو بات بیان کی، اس کا شریعت سے اور قرآن و سنت سے کوئی تعلق نہیں اور شرعاً وہ طریقہ جائز نہیں۔ صحیح طریقہ وہ ہے جو حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمایا، وہ یہ کہ ”تہمت“ کے مواقع سے بھی بچو۔

اپنا عذر ظاہر کر دیں

فرض کریں کہ آپ کسی شرعی عذر کی وجہ سے مسجد میں جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکے، اس وقت آپ کے پاس کوئی مہمان ملنے آ گیا، اور آپ کو خیال آیا کہ چونکہ اس مہمان نے یہ دیکھ لیا ہے کہ میں مسجد میں شریک نہیں تھا، تو یہ مہمان میرے بارے میں یہ سمجھے گا کہ میں جماعت سے نماز نہیں پڑھتا، تو

اس وقت اگر آپ اس مہمان کے سامنے جماعت سے نماز نہ پڑھنے کا عذر واضح کر کے بتادیں کہ فلاں عذر کی وجہ سے میں جماعت میں پہنچ نہیں سکا تھا، تو کوئی گناہ کی بات نہیں، بلکہ یہ موضع تہمت اس وقت سکتی تھی کہ شاید یہ جان بوجھ کر جماعت کی نماز چھوڑ رہا ہے، اب آپ نے عذر بیان کر کے اس کا دل صاف کر دیا۔ اس میں نہ ریا کاری ہے اور نہ دکھاوا ہے، بلکہ یہ تہمت سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

اس حدیث کی تشریح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ ایسے شبہات کے مواقع سے بچنا چاہئے جن کی ظاہری صورت بعض منکرات کے مشابہ ہو۔ یعنی ظاہری طور پر ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی گناہ کا دونوں صورتا مشابہ ہیں، ایسے مواقع پر احتیاط و مدافعت ضروری ہے باقی جو امور ایسے نہ ہوں، ان کی فکر میں پڑنا یہ خوف ملامت ہے جس کے ترک پر مدح کی گئی ہے۔

یعنی ظاہری اعتبار سے جو گناہ معلوم ہو رہے ہوں، ان کے شبہ سے اپنے آپ کو بچانا تو ضروری ہے، لیکن آدمی اپنے آپ کو ایسی باتوں سے مبرا ظاہر کرنے کی کوشش کرے جو فی نفسہ درست ہیں، اور لوگوں کی ملامت کے خوف سے ان کی تاویل و توجیہ کرے تو یہ بات پسندیدہ نہیں۔

کسی نیک کام کی تاویل کی ضرورت نہیں

مثلاً کسی شخص نے سنت کا کوئی کام کیا، لیکن وہ سنت کا کام ایسا ہے جس کو لوگ اچھا نہیں سمجھتے جیسے کسی نے داڑھی رکھ لی، اور لوگ اس کو پسند نہیں کرتے، اب یہ شخص اس کی تاویل کرتا پھر رہا ہے تاکہ لوگ اس کو ملامت نہ کریں اور اس کی برائی نہ کریں۔

یاد رکھئے! اس کی چنداں ضرورت نہیں، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ایک سنت کا کام کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں یہ کام کیا ہے تو اب لوگ تمہیں اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، لوگ تمہیں اس کام پر ملامت کریں یا تمہاری تعریف کریں، ان سب سے بے نیاز ہو کر تم اپنا کام کئے جاؤ، اگر وہ ملامت کرتے ہیں تو کرنے دو۔ وہ ملامت ایک مسلمان کے گلے کا ہار ہے، وہ اس کے لئے زینت ہے۔ اگر کوئی شخص اتباع سنت کی وجہ سے تمہیں ملامت کر رہا ہے، دین پر چلنے اور اللہ کا حکم کی اتباع کی وجہ سے ملامت کر رہا ہے، تو وہ ملامت قابل مبارک باد ہے، یہ انبیاء علیہم السلام کا ورثہ ہے جو تمہیں مل رہا ہے، اس سے مت گھبراؤ، اور اس کی وجہ سے اپنی برائت ظاہر مت کرو۔

خلاصہ

خلاصہ یہ نکلا اپنے آپ کو کسی گناہ کے شبہ سے بچانے کے لئے کسی دوسرے پر کوئی بات ظاہر کر دینا کہ یہ بات اصل میں ایسی تھی، یہ عمل صرف یہ کہ ناجائز نہیں بلکہ یہ عمل پسندیدہ ہے، تاکہ اس کے دل میں تمہاری طرف سے بدگمانی پیدا نہ ہو۔ اس لئے کہ دوسرے کو بدگمانی سے بچانا بھی ایک مسلمان کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے حضور اقدس ﷺ کے ان ارشادات پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَإِخْرُجُوا أَنَا الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆

صحت اور فرصت کی قدر کرلو☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ
الصَّحَّةُ وَالْفَرَاغُ)) (۱)

”دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں لوگ دھوکے کا شکار ہیں ایک صحت اور دوسری فراغت“

بزرگان محترم و برادران عزیز! حدیث کی کتابوں میں ایک مستقل کتاب ”کتاب الرقاق“ کے نام سے محدثین قائم فرماتے ہیں، اور اس باب میں وہ احادیث لاتے ہیں جو انسان کے دل میں نرمی اور رقت پیدا کرتی ہیں، اور آخرت کی فکر پیدا کرتی ہیں، دنیا سے بے رغبتی اور زہد پیدا کرتی ہیں، ایسی احادیث کو ”رقاق“ کہا جاتا ہے۔

بعض محدثین نے تو اس موضوع کی احادیث پر مستقل کتاب مرتب کر دی ہے، جیسے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الزهد والرقاق“ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ”کتاب الزهد“ ہے، حضرت وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ کی ”کتاب الزهد“ ہے۔ اس موضوع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی عجیب احادیث ہیں جن کے الفاظ تو مختصر ہیں، لیکن وہ احادیث معنی کے اعتبار سے بڑی جامع ہیں، اگر آدمی ان پر غور کرے تو وہ احادیث انسان کی اصلاح کے لئے بے نظیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان احادیث کو سمجھنے اور ان کی قدر کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ اصلاحی خطبات (۱۶/۲۸ تا ۳۳) جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب لا عیش الا عیش الآخرة، رقم: ۵۹۳۳، سنن الترمذی،

کتاب الزهد عن رسول اللہ، باب الصحة والفراغ مغبون فيها كثير من الناس، رقم: ۲۲۲۶،

سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الحکمة، رقم: ۴۱۶۰، مسند أحمد، رقم: ۲۲۲۴، سنن

الدارمی، کتاب الرقاق، باب فی الصحة والفراغ، رقم: ۲۵۹۱

اس وقت میں نے انہی احادیث میں سے ایک حدیث آپ کے سامنے تلاوت کی، امام بخاری رحمہ اللہ نے ”صحیح البخاری“ میں ”کتاب الرقاق“ کو اسی حدیث سے شروع فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مزاج اور اسلوب بڑا عجیب و غریب ہے، جب وہ کسی کتاب میں کوئی باب قائم کرتے ہیں، اور پھر اس کے تحت جو حدیث لاتے ہیں وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوتا ہے ”کتاب الرقاق“ میں سب سے پہلے اس حدیث کو لا کر گویا انہوں نے اس بات کا اظہار فرمایا ہے کہ اس موضوع پر جو احادیث ہیں، ان میں یہ حدیث ”اصل“ کی حیثیت رکھتی ہے، اور یہ حدیث دوسری احادیث کے لئے ”جڑ“ اور ”بنیاد“ ہے، اور واقعاً اس حدیث میں بڑی عجیب و غریب ہدایت ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور حدیث بالا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ یہ حدیث بکثرت یاد دلایا کرتے تھے، اور بے شمار مرتبہ اس حدیث پر بیان بھی فرمایا، بلکہ جب آپ پاکستان ہجرت کرنے کے بعد پہلی مرتبہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، تو دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور طلباء نے درخواست کی کہ کچھ بیان فرمائیں۔ اس موقع پر آپ نے ان کے سامنے جو بیان فرمایا، اس میں فرمایا کہ آپ حضرات شاید اس انتظار میں ہوں گے کہ میں یہاں کوئی علمی تقریر کروں گا، یا دارالعلوم دیوبند میں کسی پیچیدہ مسئلہ پر بیان کروں گا لیکن بات یہ ہے یہ علمی گناہ میں پہلے یہاں دارالعلوم دیوبند میں بہت کر چکا ہوں، لہذا میں اس کے بجائے کوئی خشک بات کہنا چاہتا ہوں، اور پھر آپ نے یہی حدیث پڑھی اور اس کی تشریح فرمائی۔

بہر حال اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((نِعْمَتَانِ مَغْبُورَتَانِ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ))

اللہ جل شانہ کی دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں لوگ بڑے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ جب یہ نعمت ہمیں حاصل ہے تو اب ہمیشہ ہمارے پاس رہے گی، ایک ”صحّت“ کی نعمت اور دوسرے ”فراغت“ کی نعمت۔ ان دو نعمتوں کے بارے میں لوگ بکثرت دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

ہر نعمت پر تین حق

انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہر آن ہر لمحہ بارش کی طرح برس رہی ہیں، انسان ان نعمتوں کو شمار بھی نہیں کر سکتا، اور ہر نعمت کا حق یہ ہے کہ اس کی قدر پہچانی جائے، اس پر شکر ادا کیا

جائے، اور اس کا صحیح استعمال کیا جائے، ہر نعمت پر یہ تین حق ہیں، اگر انسان ہر نعمت پر یہ تین حقوق ادا کرنے لگے تو اس کا بیڑا پار ہو جائے، حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ انسان ان کے بارے میں دھوکے میں پڑا ہوا ہے، وہ نعمتیں ہیں ”صحت“ اور ”فراغت“

انسان اس دھوکے میں پڑا ہوا ہے کہ یہ صحت اس وقت جو مجھے حاصل ہے، وہ رہے گی، آج میں تندرست ہوں تو کل بھی رہوں گا، اور پرسوں بھی رہوں گا، اس دھوکے کے نتیجے میں صحت کے دن گزرتے چلے جاتے ہیں اور انسان اپنے نیک کاموں کو ٹالتا رہتا ہے، یہی معاملہ ”فراغت“ کا ہے کہ انسان کو اس وقت فراغت میسر ہے، اور وقت خالی ہے، اب وہ یہ سوچتا ہے کہ میں فارغ ہی رہوں گا، لہذا وہ نیک کاموں کو ٹالتا رہتا ہے۔

صحت اور فراغت کی قدر کر لو

یہاں تک کہ وہ ”صحت“ جس کی بنیاد پر نیک کاموں کو ٹال رہا تھا کہ آج نہیں کل کروں گا، پرسوں کروں گا وہ صحت ڈھل جاتی ہے، اور انسان پر بیماری آ جاتی ہے، اور پھر کام کرنے کا موقع نہیں رہتا۔ فراغت میں بھی کاموں کو ٹالتا رہا ہے کہ ابھی جلدی کیا ہے، کل کر لیں گے، پرسوں کر لیں گے، یہاں تک کہ فراغت ختم ہو جاتی ہے، اور مشغولیت آ جاتی ہے، اور پھر وقت نہیں ملتا، اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بندو! صحت کی جو نعمت ہے، اس کی قدر پہچانو، اور اس کو صحیح مصرف میں خرچ کر لو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فراغت کی نعمت دی ہے، اس کی قدر پہچان لو، اس کو کسی صحیح مصرف پر خرچ کر لو، تو دھوکے سے بچ جاؤ گے۔ ورنہ یہ ہوتا ہے کہ نیک کاموں کو ٹالتے ٹالتے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے، اور پھر دنیا سے جانے کا وقت آ جاتا ہے، اس وقت یہ حسرت ہوتی ہے کہ کاش اپنی جوانی کی حالت میں اور اپنی صحت کی حالت میں اپنی فراغت کی حالت میں کچھ کام کر لیا ہوتا، اور آخرت کے لئے کوئی پونجی جمع کر لی ہوتی۔

شیطان کے بہکانے کا انداز

دیکھئے! جو آدمی صاحب ایمان ہوتا ہے، اس کو شیطان براہ راست اس طرح نہیں بہکاتا کہ تو بے ایمان ہو جا، یا تو نماز چھوڑ دے، یا روزہ چھوڑ دے۔ ایک صاحب ایمان کو اس طرح نہیں بہکاتا، کیوں؟ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ صاحب ایمان ہے، اگر اس سے یوں کہا جائے گا کہ تو بے ایمان ہو جا، یا تو نماز چھوڑ دے، یا روزہ چھوڑ دے تو وہ کبھی بھی اس کی یہ بات نہیں مانے گا۔ اس لئے شیطان صاحب ایمان پر دوسرے حربے آزما تا ہے، وہ اس طرح کہ صاحب ایمان نے یہ سنا کہ فلاں

نیک کام ہے اس کو کرنا چاہئے، اب شیطان اس کو بہکاتا ہے کہ ہاں یہ نیک کام ضرور کرنا چاہئے، لیکن جلدی کیا ہے؟ آج ذرا مصروفیت ہے، فلاں فلاں کام کرنے ہیں، کل سے یہ کام شروع کریں گے، جب کل آجائے گی تو شیطان یہ بہکائے گا کہ آج تو فلاں عذر پیش آ گیا، فلاں کام پیش آ گیا، کل سے شروع کریں گے، کل کل کرتے اس نیک کام کو ٹالتا جائے گا، اور وہ کل کبھی نہیں آگے گی۔ یہ ہے شیطان کا حربہ جو صاحب ایمان پر آزماتا ہے۔

نوافل اللہ کی محبت کا حق ہے

دل میں یہ خیال اور فکر تو ہے کہ اپنی نیکیوں میں اضافہ کیا جائے، جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہو، اور نیکیوں کا حساب و کتاب ہو تو ہماری نیکیوں کا پلہ جھک جائے، یہ خیال اور فکر تو ہے، لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو اس وقت ٹالنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، مثلاً یہ تو معلوم ہے کہ جس طرح فرائض و واجبات اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہیں، اسی طرح نوافل بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، اس لئے بندہ کچھ نوافل بھی ادا کرے، کچھ ذکر کرے، تسبیحات پڑھے، دعائیں کرے، اور جب تک انسان نوافل ادا نہیں کرتا، عام طور پر اس وقت تک فرائض و واجبات میں بھی استقامت پیدا نہیں ہوتی۔ یا مثلاً تہجد کی نماز ہے، آدمی روزانہ سوچتا ہے کہ تہجد کی نماز پڑھنی چاہئے، اب شیطان اس کو یہ نہیں کہے گا کہ تہجد مت پڑھنا، اس سے تمہاری نیند خراب ہوگی، بلکہ اس طرح بہکائے گا کہ ہاں تہجد پڑھنا بڑی اچھی بات ہے لیکن انشاء اللہ کل سے شروع کریں گے، اور کل الارم لگا کر سوئیں گے، جب کل آئی تو کوئی اور عذر کر دیا کہ آج تو نیند کا غلبہ ہے، کل سے شروع کریں گے، اس طرح وہ ٹالتا رہے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ”صحّت“ کی جو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، جس میں وہ تہجد کی نماز پڑھ سکتا تھا، وہ نعمت اسی ٹالنے میں برباد ہو رہی ہے۔

جنت اور مغفرت کی طرف دوڑو

یا آج فراغت حاصل ہے، تہجد پڑھنے کے لئے وقت نکال سکتا ہے، لیکن اس کو ٹال کر وقت برباد کر رہا ہے۔ اس حدیث کا پیغام یہ ہے کہ جب بھی کسی نیک کام کا موقع ملے، یا نیک کام کا خیال آئے تو پھر اس کو انجام دینے میں دیر مت کرو، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ﴾ (۱)

”اپنے پرورگار کی مغفرت حاصل کرنے کی طرف تیزی سے دوڑو، اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے“
بلکہ اس آیت کا یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر کرو، اور اس مغفرت اور جنت کی طرف جانے کے لئے ریس لگاؤ۔

نیک کام کو ٹالو نہیں

شیطان کا کام ہے ”ٹالنا“ اور پیغمبر کا کہنا ہے کہ جس نیک کام کے کرنے کا خیال اور موقع آیا ہے، اس کو ٹالو نہیں، بلکہ اسی وقت کر گزرو، اگر اس کو کل پر ٹالو گے تو پتہ نہیں کل موقع رہے یا نہ رہے، کل کو وقت ملے یا نہ ملے، کل کو یہ جذبہ موجود رہے یا نہ رہے، کچھ پتہ نہیں۔

نیک کام کا خیال ”اللہ کا مہمان“ ہے

ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو نیک کام کرنے کا خیال دل میں آتا ہے کہ فلاں نیک کام کر لوں، اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں ”وارد“ کہتے ہیں، یعنی دل میں یہ بات وارد ہوئی کہ میں فلاں کام کر لوں، نماز پڑھ لوں، تہجد پڑھ لوں، ادائیں پڑھ لوں، اشراق پڑھ لوں، چاشت پڑھ لوں، اس قسم کے خیال کو ”وارد“ کہتے ہیں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ ”وارد“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان ہوتا ہے، اگر تم نے اس کی تھوڑی سی قدر کر لی، خاطر مدارت کر لی تو یہ مہمان پھر آئے گا۔ خاطر مدارت اس طرح کی کہ جس نیکی کا خیال دل میں آیا تھا، اس پر عمل بھی کر لیا تو یہ مہمان دوبارہ آئے گا، اور تمہیں کسی دوسرے نیک کام کی دعوت دے گا، اور اگر تم نے اس کی خاطر مدارت نہیں کی تو چونکہ یہ مہمان بڑا غیرت مند ہے، اور بڑا غیور مہمان ہے، اگر تم نے ایک مرتبہ اس کی خاطر مدارت نہیں کی تو یہ مہمان تمہارے پاس آنا چھوڑ دے گا۔ اور اس وقت سے پناہ مانگو جب یہ مہمان آنا چھوڑ دے، اور ”مہمان آنا چھوڑ دے“ کے معنی یہ ہیں کہ اب دل میں نیکی کا خیال ہی نہیں آ رہا ہے، اس وقت سے اللہ تعالیٰ بچائے، اور اب دل پر مہر لگ گئی، اور دل پر زنگ لگ گیا، اب نیک کام کرنے کا خیال ہی دل میں نہیں آتا۔

گناہ چھوڑنے کا کام مت ٹالو

بہر حال! اپنی اصلاح کو کس بات پر ٹال رہے ہو؟ گناہ چھوڑنے کو کس وجہ سے ٹال رہے ہو؟ مثلاً کوئی مسلمان صاحب ایمان کسی گناہ کے اندر مبتلا ہے، اور کسی گناہ کا عادی بن گیا ہے، تو اب

صاحب ایمان ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ یہ گناہ مجھے چھوڑنا چاہئے، اب شیطان اس کو اس طرح نہیں بہکائے گا کہ یہ تم بڑا اچھا کام رہے ہو، لہذا اس کو کیے جاؤ، اس لئے کہ شیطان جانتا ہے کہ یہ شخص صاحب ایمان ہے اور یہ میری بات نہیں مانے گا، بلکہ شیطان اس سے کہے گا کہ یہ کام تو بہت خراب ہے، اور اس کام کو چھوڑنا ہے، لیکن ایک مرتبہ کرلو، پھر چھوڑ دینا۔ جب ایک مرتبہ وہ گناہ کر لیا تو پھر کہے گا کہ ایک مرتبہ اور سہی پھر چھوڑ دینا، اس طرح وہ انسان کو گناہ کے اندر لگائے رکھتا ہے، اور اس کو نجات نصیب نہیں ہوتی۔

گناہوں سے نجات کا یہ طریقہ نہیں

گناہوں سے نجات کا یہ راستہ نہیں کہ آدمی یہ سوچے کہ میں ایک مرتبہ اور یہ گناہ کر لوں، پھر چھوڑ دوں گا، بلکہ گناہوں سے نجات کا راستہ یہ ہے کہ آدمی آج ہی سے وہ گناہ چھوڑ دے، اپنے دل پر چوٹ لگا کر اپنے آپ کو گناہوں سے فارغ کرو، اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ شیطان کا ایک بڑا دھوکہ جس میں وہ اچھوں اچھوں کو مبتلا کر دیتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اس سے کہتا ہے کہ چلو یا یہ گناہ کر ہی لو، تاکہ دل میں اس کی حسرت باقی نہ رہے، بلکہ ایک ہی مرتبہ پھر اس دل سے نکل جائے، ورنہ کل کو دل میں یہ حسرت رہے گی کہ تم نے یہ کام نہیں کیا تھا۔ اس لئے ایک مرتبہ یہ گناہ کر گزرو، پھر توبہ کر لینا، استغفار کر لینا، اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اس طرح شیطان اس کو بہکا تا ہے، اور وہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ کر بیٹھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

گناہ کرنے سے تسکین حاصل نہیں ہوتی

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شیطان کا انتہائی فتنہ انگیز حربہ ہے، اس لئے کہ وہ شخص جب ایک مرتبہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ کر گزرا تو اب آسانی سے وہ گناہ نہیں چھوڑے گا۔ اس لئے کہ اب تک اس کو گناہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا، جب ایک مرتبہ گناہ کر لیا تو اس کے اندر اب حوصلہ پیدا ہو گیا، اور جب حوصلہ پیدا ہو گیا تو اب اس گناہ کی خواہش میں اور زیادہ اضافہ ہو گا۔ کیونکہ گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو کبھی بھی تسکین نہیں بخشتا، یہ نہیں ہوتا کہ ایک مرتبہ گناہ کر کے فارغ ہو گئے اور اب دل بھر گیا۔ گناہ کی مثال تو خارش کی سی ہے کہ کھجاتے رہو، اور مزہ لیتے رہو، لیکن کھجانے کے نتیجے میں کبھی بھی تسکین نہیں ہوگی، بلکہ بیماری اور بڑھتی چلی جائے گی۔ یہی گناہ کی خاصیت ہے، اس سے کبھی بھی تسکین نہیں ہو سکتی، جب ایک مرتبہ گناہ کرے گا تو پھر خواہش اور زیادہ بھڑکے گی، پھر گناہ کرے گا تو اور بھڑکے گی، پھر گناہ کرے گا تو اور بھڑکے گی، یہ سوچنا کہ ایک

مرتبہ گناہ کر کے جی بھریں گا، یہ شیطان کا زبردست دھوکہ ہے، جب تک انسان اس کے اندر مبتلا رہے گا، کبھی بھی اس کو گناہ چھوڑنے کی توفیق نہیں ہوگی۔

توبہ کے بھروسہ پر گناہ کر لینا حماقت ہے

شیطان یہ جو دھوکہ دیتا ہے کہ گناہ کر لے، پھر توبہ کر لینا، ارے اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ توبہ کا موقع ملے گا، اور توبہ کی توفیق ہوگی یا نہیں؟ کیا کسی نے ضمانت دے دی ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ کا موقع مل جائے گا؟ میرے والد ماجد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ توبہ کے بھروسے پر گناہ کر لینا ایسا ہی ہے جیسے عمل کے بھروسے پر بچھو سے کٹوالینا، اور اس پر اپنا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ دارالعلوم کے قیام کے زمانے میں، میں نے بچھو کے ڈسے کا عمل سیکھا تھا، اور بڑا مجرب عمل تھا، چنانچہ دیوبند کے پورے قصبے میں یہ بات سب کو معلوم تھی، جب بھی کسی کو بچھو ڈس لیتا تو اس کو فوراً میرے پاس لاتے، میں عمل پڑھ کر دم کر دیتا، فوراً زہر اتر جاتا۔

ایک نصیحت آموز واقعہ

ایک مرتبہ رات کو میری والدہ کو اسٹور سے کچھ نکالنے کے لئے وہاں جانے کی ضرورت پیش آئی، اسٹور میں اندھیرا تھا، گھر میں ایک لائٹن تھی، اور میں اس وقت لائٹن کی روشنی میں کچھ لکھنے کا کام کر رہا تھا، میری والدہ نے کہا میں اسٹور میں جانا چاہتی ہوں، اور وہاں اندھیرا ہے، ذرا ایک منٹ کے لئے لائٹن مجھے دے دیں تو میں اپنا کام کر لوں، والد صاحب کو اپنے لکھنے کے کام میں خلل ڈالنا دشوار ہو رہا تھا، اس لئے والد صاحب نے کہا کہ ویسے ہی چلی جاؤ، وہ چیز اسٹور کے اندر سامنے ہی رکھی ہے، اٹھالو، والدہ صاحبہ نے کہا کہ وہاں تو بچھو ہوتے ہیں، اگر بچھو نے کاٹ لیا تو؟ والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت میرے منہ سے نکل گیا کہ اگر بچھو نے کاٹ بھی لیا تو تمہارا کیا بگاڑ لے گا؟ مطلب یہ تھا کہ میرے پاس تو ایسا عمل موجود ہے جس سے بچھو کے کاٹنے کا سارا اثر ختم ہو جاتا ہے، لہذا تمہارا کیا نقصان کرے گا اگر بچھو نے کاٹ بھی لیا۔ اب والدہ صاحبہ بغیر لائٹن کے چلی گئیں، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ والدہ کے اسٹور میں قدم رکھتے ہی بچھو نے کاٹ لیا۔ اب والد صاحب کے پاس آئیں تو والد صاحب نے اپنا ہی عمل شروع کیا، فرماتے ہیں کہ میں عمل کر کر کے تھک گیا، لیکن بچھو کا زہر اترنے کا نام نہیں لے رہا۔ زہر اترنے کے جتنے طریقے تھے، جو سینکڑوں مرتبہ کے آزمائے ہوئے تھے، وہ سب طریقے آزمائے، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

اس واقعہ سے تین سبق

فرمایا کہ اس واقعہ سے تین سبق ملے، ایک یہ کہ انسان کو کوئی بڑا بول منہ سے نہیں نکالنا چاہئے، اور میرے منہ سے یہ بڑا بول نکل گیا تھا کہ اگر بچھونے کاٹ بھی لیا تو تمہارا کیا بگاڑ لے گا۔ دوسرا سبق یہ ملا کہ کسی عمل میں کسی، دوا میں، کسی وظیفے میں، کسی تریاق میں کچھ نہیں رکھا، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ہو، شفا انہی کی طرف سے عطا ہوتی ہے صحت انہی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ تیسرا یہ سبق یہ ملا کہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ کر لینا ایسا ہی ہے جیسے عمل کے بھروسے پر بچھو سے کٹوالینا، جیسے وہ حماقت اور بے وقوفی تھی، ایسے ہی یہ بھی حماقت اور بے وقوفی ہے، کیا معلوم کے گناہ کے بعد توبہ کی توفیق ہو یا نہ ہو، توبہ کے لئے وقت ملے یا نہ ملے، اس لئے کہ توبہ کی توفیق بھی اللہ کی عطا ہے ان کی عطا کے بغیر توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اور پھر جو آدمی اتنی جرات کر رہا ہو کہ گناہ کر کے توبہ کر لوں گا، کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے توبہ کی توفیق ہی سلب کر لیں، اللہ تعالیٰ اس سے حفاظت فرمائے۔

جب ہاتھ پاؤں حرکت کرنا چھوڑ دیں گے

بہر حال! وقت گزر رہا ہے، اور انسان دھوکہ میں پڑا ہوا ہے، نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کا حاصل یہ نکلا کہ صحت کے جولحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہوئے ہیں، ان کو غنیمت سمجھو، اور اسی طرح فراغت کے جولحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہوئے ہیں، ان کو غنیمت سمجھو، ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ یہ شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے:

ابھی تو ان کی آہٹ پر میں آنکھیں کھول دیتا ہوں

وہ کیسا وقت ہوگا، جب نہ ہوگا یہ بھی امکاں میں

ابھی تو ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں، اس وقت اگر کچھ کر لو گے تو نیکیوں کا سرمایہ جمع ہو جائے گا، لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب نہ ہاتھ چلیں گے، اور نہ پاؤں چلیں گے، کوئی شخص بھی اس وقت سے مستثنیٰ نہیں۔

کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟

ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے، جس میں اسی مضمون کو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے اللہ کے بندو! نیک کام کرنے کے لئے کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ فرمایا:

((بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ سُبْعًا، هَلْ تَنْتَظِرُونَ إِلَّا فَقْرًا مُنْسِيًّا، أَوْ غِنًى مُطْغِيًّا، أَوْ

مَرَضًا مُفْسِدًا، أَوْ هَرَمًا مُفْنِدًا، أَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا، أَوِ الدَّجَالَ فَشَرُّ غَائِبٍ
يُنْتَظَرُ، أَوِ السَّاعَةِ، فَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَأَمْرٌ (۱)

کیا فقر و فاقہ کا انتظار ہے

((هَلْ تَنْتَظِرُونَ إِلَّا فَقْرًا مُنْسِيًا))

کیا اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ ابھی تو پیسے ہیں، کل صدقہ کر دیں گے، پرسوں کر دیں گے، تو کیا تم اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ تمہارے اوپر فقر و فاقہ آ جائے، مفلسی آ جائے، جو فقر و افلاس تمہیں صدقہ و خیرات کرنے کو بھلا دے، کیا اس وقت کا انتظار کر رہے ہو؟ کیا اس وقت صدقہ کرو گے؟ ارے بھائی! جب آج تمہارے پاس پیسے موجود ہیں تو ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، کل کو معلوم نہیں کیا صورت ہو۔

کیا مال داری کا انتظار ہے

((أَوْ غِنًى مُطْغِيًا))

کیا تم ایسی مال داری کا انتظار کر رہے ہو جو تمہیں سرکش بنا دے۔ یعنی نیک کام کو یہ سوچ کر ٹال رہے ہو کہ آج تو نفلیں پڑھنے کا موقع نہیں ہے، ابھی تو اپنی تجارت میں اور ملازمت میں مصروف ہوں، جب ذرا فارغ البالی حاصل ہو جائے گی تو اس وقت نفلیں بھی پڑھیں گے، اور تہجد بھی پڑھیں گے، اشراق اور چاشت بھی پڑھیں گے، اور صدقہ کریں گے، ابھی تو فارغ البالی نہیں ہے، ابھی تو ذرا تجارت کو ترقی دینی ہے، مال بڑھانا ہے۔ حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ تم ایسی مال داری کا انتظار کر رہے ہو جو تمہیں سرکش بنا دے کیا معلوم کہ جب خوشحالی اور مال داری حاصل ہو جائے تو دماغ سے اللہ کی یاد ہی نکل جائے، اور پھر نیکی کرنے کا خیال ہی ختم ہو جائے، اور پھر تکبر اور سرکشی میں ایسے مبتلا ہو جاؤ کہ پھر کسی نیکی کی طرف دھیان ہی نہ جائے۔

کیا بیماری کا انتظار ہے؟

((أَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا))

(۱) سنن الترمذی، کتاب الزہد عن رسول اللہ، باب ما جاء فی المبادرة بالعمل، رقم: ۲۲۲۸، مسند أحمد، باقی مسند المکثرین، رقم: ۷۹۵۲، ریاض الصالحین، ص: ۵۹

یا اس وقت نیک کو یہ سوچ کر ٹال رہے ہو کہ اس وقت ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں صحت حاصل ہے اور عافیت حاصل ہے، فلاں نیک کام کل سے کریں گے، پرسوں سے کریں گے، اس طرح ٹالتے ٹالتے تمہارے اوپر کوئی بیماری آ جائے جو تمہیں فساد میں مبتلا کر دے، اور پھر تم کچھ کرنے کے قابل ہی نہ ہو۔

کیا بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟

((أَوْ هَرَمًا مُفْنِنًا))

یا اس وقت نیک کاموں کو یہ سوچ کر ٹال رہے ہو کہ ابھی تو میں جوان ہوں، لہذا نیک کاموں کی کیا جلدی ہے، ابھی تو جوانی میں کچھ لذتیں حاصل کر لیں جوانی کا کچھ مزہ لے لیں، جوانی میں عیش عشرت کر لیں، جب ذرا عمر ڈھل جائے گی، اس وقت انشاء اللہ توبہ بھی کریں گے، اور نیکیاں بھی کریں گے، تہجد بھی پڑھیں گے مسجد میں بھی جایا کریں گے، صدقہ و خیرات بھی کریں گے، آج یہ تصور بے شمار نو جوانوں کے ذہن میں رہتا ہے کہ بھائی جوان ہیں، نیک کام کرنے کی کیا جلدی ہے، اور یہ لوگ ان نو جوانوں کو ملامت کرتے ہیں جو اللہ کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ کیا تم ایسے بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو جو تمہیں تھکھا ڈالے، جب بڑھاپا آئے گا تو اس وقت تمہاری یہ حالت ہوگی کہ نہ منہ میں دانت، نہ پیٹ میں آنت نہ کام کرنے کی طاقت اور قوت، اس وقت اگر کوئی نیک کام کرنا بھی چاہو گے تو حسرت کے سوا اور کیا ہوگا، مولانا رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

وقت پیری گرگ زادہ می شود پرہیز گار

ارے بڑھاپے میں ظالم بھیڑیا بھی پرہیز گار بن جاتا ہے، اور بکریوں کو کھانے سے توبہ کر لیتا ہے، لیکن وہ اس لئے توبہ کرتا ہے کہ اب چیر پھاڑ کرنے کی طاقت ہی نہیں رہی، اب اگر بکری پر حملہ کرنا چاہے، تب بھی نہیں کر سکتا، تو اب توبہ کر کے بیٹھ گیا، تو کیا توبہ ہوئی؟ لہذا بڑھاپے میں توبہ کر لینا کوئی کمال نہیں، اس لئے کہ بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی توبہ کر لیتا ہے، پرہیز گار بن جاتا ہے، ہاں جوانی کی حالت میں توبہ کرنا، اللہ کے حکم کی خاطر اپنے نفس کی خواہشات کو کچلنا اور پامال کرنا، یہ ہے پیغمبروں کا شیوہ۔

یہ ہے شیوہ پیغمبری

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ بھرپور جوانی ہے، اور صحت کے اعلیٰ مقام پر ہیں، حسن جمال کے

اعلیٰ مقام پر ہیں، یہاں تک کہ دل میں گناہ کا خیال بھی آرہا ہے، لیکن خیال آنے کے باوجود اپنے کو اس گناہ سے بچایا، یہ ہے شیوہ پنہیری۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ کیا تم نیک کاموں کے لئے بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو، جب کہ اس وقت تم کچھ کرنے کے قابل نہیں رہو گے۔

کیا موت کا انتظار کر رہے ہو؟

((أَوْ مَوْتًا مُّجْهِزًا))

کیا تم نیک کاموں کو ٹال کر موت کا انتظار کر رہے ہو، یاد رکھو موت تمہارے پاس اچانک آ جائے گی، وہ سب قصہ ختم کر دے گی۔

کیا دجال کا انتظار کر رہے ہو؟

((أَوِ الدَّجَالَ فَشَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ))

یا تم نیک کاموں کو ٹال کر دجال کا انتظار کر رہے ہو کہ جب دجال آ جائے گا تو میں نیک کام کروں گا۔ ارے دجال تو وہ ہے کہ جتنی غائب چیزوں کا انتظار کر رہے ہو، ان میں سے بدترین چیز ”دجال“ ہے، جب دجال کا فتنہ آئے گا تو اس وقت پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ گے، اور نیکی کا موقع نہیں ملے گا، خود حضور اقدس ﷺ نے دجال کے فتنے سے پناہ مانگی ہے۔

کیا تم قیامت کا انتظار کر رہے ہو؟

((أَوِ السَّاعَةَ، فَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَأَمْرٌ))

کہ جب قیامت آئے گی اس وقت نیک کام کریں گے، وہ قیامت تو بڑی مصیبت کی چیز ہے، اس وقت تو عمل کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ بہر حال حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ اپنی اصلاح کے لئے نیکیوں کی طرف بڑھنے کے لئے گناہوں سے بچنے کے لئے اور تقویٰ اختیار کرنے کے لئے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار بنانے کے لئے، اللہ کے رسول ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کے لئے آخر کون سے وقت کا انتظار کر رہے ہو؟ کچھ نہیں! بلکہ ہم لوگ اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ صحت ہمیشہ رہے گی، اور فراغت ہمیشہ رہے گی۔

خلاصہ

بہر حال! یہ حدیث توجہ دلا رہی ہے کہ اس زندگی کے جولمحات اللہ جل شانہ نے ہمیں عطا فرمائے

ہوئے ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے، اس کو تول تول کر خرچ کرو، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں خرچ کرو، اور نفس و شیطان سے مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کرو، خواہشات کے غلام نہ بنو کہ جو جی میں آیا بس اس کے پیچھے چل پڑے، جو شخص نفس کا غلام ہو کر زندگی گزارے تو یہ کوئی زندگی نہیں، ایسی زندگی سے اللہ کی پناہ مانگو، کوشش بھی کرو، اس کے لئے دعا بھی کرو کہ اوقات زندگی صحیح مصرف پر خرچ ہوں، اور صحت و فراغت کے لمحات کی قدر ہو، اور اس کو صحیح طریقے پر خرچ کرنے کی توفیق ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.



وقت کی قدر کیجئے ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((نِعْمَتَانِ مَغْبُورٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصَّحَّةُ وَالْفَرَاغُ)) (۱)
جیسا کہ میں نے پچھلے جمعہ عرض کیا تھا کہ ”ریاض الصالحین“ کی تکمیل کے بعد انشاء اللہ حدیث کی کوئی دوسری کتاب شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ اس لئے آج اللہ کے نام پر حدیث کی دوسری کتاب شروع کی جا رہی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے انوار و برکات ہم سب کو عطا فرمائے، اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔
یہ کتاب ایک بہت بڑے امام، فقیہ، محدث، صوفی، مجاہد حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جس کا نام ”کتاب الزهد والرقائق“ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہماری امت کے ان بزرگوں میں سے ہیں، جن کا نام آتے ہی دل میں عقیدت و محبت کی پھواریں محسوس ہوتی ہیں۔ اس مجلس میں پہلے بھی ان کے کئی واقعات بیان کرتا رہا ہوں۔ یہ دوسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں ان کی پیدائش غالباً دوسری صدی ہجری کے

☆ اصلاحی خطبات (۲۲۹ تا ۱۸۴/۴) بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب لا عیش الا عیش الاخرة، رقم: ۵۹۳۳، سنن الترمذی، کتاب الزهد عن رسول اللہ، باب الصحة والفراغ مغبون فيها كثير من الناس، رقم: ۲۲۲۶، سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب الحکمة، رقم: ۴۱۶۰، مسند أحمد، رقم: ۲۲۲۴، سنن الدارمی، کتاب الرقاق، باب فی الصحة والفراغ، رقم: ۲۵۹۱

ابتداء میں ہوئی ہے، گویا کہ یہ اس زمانے کے بزرگ ہیں، جبکہ ابھی حضور اقدس ﷺ کو اس دنیا سے گئے ہوئے سو سال ہوئے تھے، صحاح ستہ کے نام سے حدیث شریف کی جو چھ مشہور کتابیں بخاری شریف سے لے کر ابن ماجہ تک ہیں، یہ ان سب سے متقدم اور ان سب کے بزرگ ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہم عصر بھی ہیں۔ اور ان کے شاگرد بھی ہیں۔ اور یہ اس زمانے کے بزرگ ہیں۔ جب عالم اسلام ان بڑی بڑی علمی شخصیتوں سے جگمگا رہا تھا۔ اس زمانے کے جس خطے کو دیکھئے۔ اس میں بے نظیر شخصیتیں موجود تھیں۔ اور یہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ خراسان کے شہر مرو میں پیدا ہوئے، اور پھر جا کر عراق کے شہر بغداد میں آباد ہوئے، اور وہیں قیام کیا۔

آپ کی اصلاح کا عجیب و غریب واقعہ

ان کے حالات بھی بڑے عجیب و غریب ہیں۔ ان بزرگوں کے تذکرے میں بھی بڑا نور اور بڑی برکت ہے۔ ان کے ایک ایک واقعے کے اندر یہ تاثیر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دلوں کی دنیا بدل دیتے ہیں۔ شاید ان کا یہ قصہ میں نے آپ کو پہلے بھی سنایا ہوگا کہ یہ امیر کبیر گھرانے کے ایک فرد تھے۔ اور خاندانی رئیس تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ”بستان المحدثین“ میں ان کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کا ایک بہت بڑا سیب کا باغ تھا اور جس طرح امیر کبیر لوگوں میں آزادی ہوتی ہے، اسی طرح یہ بھی آزاد منش تھے، نہ علم سے کوئی تعلق، نہ دین سے کوئی تعلق، پینے پلانے والے اور گانے بجانے والے تھے، ایک مرتبہ جب سیب کا موسم آیا تو یہ اپنے اہل و عیال سمیت اپنے باغ ہی میں منتقل ہو گئے، تاکہ وہاں سیب بھی کھائیں گے۔ اور شہر سے باہر ایک تفریح کی فضا ہوگی، چنانچہ وہاں جا کر مقیم ہو گئے۔ دوست و احباب کا حلقہ بھی بڑا وسیع تھا۔ اس لئے وہاں پر دوستوں کو بھی بلا لیا، رات کو باغ کے اندر گانے بجانے کی محفل جمی، اور اس محفل میں پینے پلانے کا دور بھی چلا۔ یہ خود موسیقی کا آلہ رباط کے بجانے کے بہت ماہر تھے، اور اعلیٰ درجے کے موسیقار تھے، اب ایک طرف پینے پلانے کا دور اور اس کا نشہ، اور دوسری طرف موسیقی کی تانے، اسی نشے کے عالم میں ان کو نیند آ گئی۔ اور وہ ساز اسی حالت گود میں پڑا ہوا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ ساز گود میں رکھا ہوا ہے، اب اٹھ کر اس کو دوبارہ بجانا شروع کیا تو وہ ساز اب بجتا ہی نہیں۔ اس میں سے آواز ہی نہیں آرہی تھی، چونکہ خود اس کی مرمت کرنے اور درست کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ پھر نہیں بجتا، دوبارہ اس کے تار وغیرہ درست کئے۔ اور بچانے کی کوشش کی تو اب بجائے اس میں سے موسیقی کی آواز نکلنے کے بجائے قرآن کریم کی ایک آیت کی آواز آرہی تھی، وہ یہ تھی:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (۱)
 قرآن کریم بھی عجیب عجیب انداز سے خطاب فرماتا ہے، اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:
 ”کیا اب بھی ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کا دل اللہ کے ذکر کے
 لئے پیچھے اور اللہ نے جو حق بات اس قرآن کے اندر اتاری ہے“
 اس کے لئے ان کے دلوں میں گداز پیدا ہو، کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا؟

ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ آواز اسی ساز میں سے آرہی تھی، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ
 جس جگہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اس کے قریب ایک درخت پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس پرندے کے منہ
 سے یہ آواز آرہی تھی، بہر حال! اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک غیبی لطیفہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کو نوازنا منظور
 تھا۔ بس جس وقت یہ آواز سنی۔ اسی وقت دل پر چوٹ لگی، اور خیال آیا کہ اب تک میں نے اپنی عمر کس
 کام کے اندر گنوائی ہے۔ فوراً جواب میں فرمایا:

”ہَلِّیْ یَا رَبِّ قَدْ اَنْ، ہَلِّیْ یَا رَبِّ قَدْ اَنْ“

”اے پروردگار! اب وہ وقت آگیا، اے پروردگار! اب وہ وقت آگیا“

اب میں اپنے ان سارے دھندوں اور مشغلوں کو چھوڑتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا
 ہوں۔ چنانچہ یہ سارے دھندے چھوڑ کر ہمہ تن دین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ (۲)
 کہاں تو یہ عالم تھا کہ رات کے وقت بھی ساز و رباط کی محفلیں جھی ہوئی ہیں۔ پینے پلانے کا
 مشغلہ ہو رہا ہے۔ اور کہاں یہ انقلاب آیا کہ اس کتاب کے مؤلف بن کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ آج
 پوری امت مسلمہ کی گردنیں ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہیں۔

علم حدیث میں آپ کا مقام

اللہ تعالیٰ نے علم حدیث میں آپ کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ علم حدیث میں بہت بڑے
 بڑے علماء پر تنقید کی گئی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ بھی تنقید سے نہیں بچے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام
 شافعی رحمہ اللہ نہیں بچے۔ بڑے بڑے ائمہ تنقید سے نہیں بچے۔ لیکن میری نظر میں اب تک کوئی آدمی ایسا
 نہیں گزرا۔ جس نے عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی روایت اور حدیث کے بارے میں ان پر تنقید کی ہو،
 اتنے اونچے درجے کی محدث ہیں۔

(۱) الحدید: ۱۶

(۲) بستان المحدثین ص: ۱۵۵

دنیا سے آپ کی بے رغبتی اور کنارہ کشی

اور پھر دنیا سے اپنے آپ کو ایسا کاٹا، اور ایسے زاہد بن کر دنیا سے رخصت ہوئے کہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ خاندانی رئیس اور امیر کبیر آدمی تھے۔ اس لئے حالات میں تبدیلی کے بعد بھی ایک ایک وقت میں ان کے دسترخوان پر دس دس پندرہ پندرہ قسم کے کھانے ہوتے تھے۔ اور کھانے کے وقت بڑا مجمع موجود ہوتا تھا لیکن سارے مجمع کھانے میں مشغول ہوتا تھا۔ مگر یہ خود روزے سے ہوتے تھے۔ اور لوگوں کو بلا بلا کر کھانے کے دعوت دیتے، اور ان کی حاجتیں پوری کرتے۔

حدیث رسول ﷺ کا مشغلہ

خراسان کے شہر ”مرؤ“ جہاں یہ پیدا ہوئے، وہاں پران کا جو مکان تھا۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مکان کا صرف صحن پچاس گز لمبا پچاس گز چوڑا تھا۔ وہ پورا صحن اہل حاجت سے بھر رہا تھا، کوئی مسئلہ پوچھنے آ رہا ہے تو کوئی علم حاصل کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ کوئی اپنی ذاتی ضرورت کے لئے آ رہا ہے۔ پھر بعد میں جب بغداد میں جا کر آباد ہوئے تو وہاں پر اپنے لئے ایک چھوٹا سا گھر خرید لیا، اور اس میں گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگے، تو کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ حضرت، آپ اپنا عالیشان مکان چھوڑ کر یہاں بغداد میں ایک چھوٹے سے مکان میں رہنے کے لئے آئے ہیں، یہاں آپ کا دل کیسے لگتا ہوگا؟ جواب میں فرمایا کہ الحمد للہ، یہاں میرا دل زیادہ لگتا ہے۔ اس لئے کہ پہلے لوگ میرے پاس بہت آیا کرتے تھے۔ اور اب میں تنہائی کی زندگی گزارتا ہوں۔ بس مسجد میں جا کر نماز پڑھ لیتا ہوں، اور پھر اپنے گھر چلا جاتا ہوں۔ اور وہاں میں ہوتا ہوں۔ اور رسول اللہ ﷺ ہوتے ہیں۔ یعنی گھر میں دن رات احادیث رسول کا مشغلہ ہے۔ اس میں مصروف رہتا ہوں، یہ زندگی مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔ (۱)

لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظمت اور محبت

بغداد کا ایک شہر رقہ تھا۔ جواب بغداد ہی کا ایک محلہ بن گیا ہے، ہارون الرشید کی خلافت کا زمانہ تھا۔ ایک مرتبہ ہارون اس شہر میں اپنی والدہ یا بیوی کے ساتھ شاہی برج میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں اس نے دیکھا کہ کرشہر کی فصیل کے باہر ایک شور بلند ہو رہا ہے، ہارون الرشید کو خیال ہوا کہ شاید کسی دشمن نے حملہ کر دیا، یا کوئی غنیم چڑھ آیا ہے، معلوم کرنے کے لئے فوراً آدمی دوڑائے تو معلوم ہوا کہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ شہر میں تشریف لائے ہیں اور لوگ ان کے استقبال کے لئے جوق در جوق شہر سے باہر نکلے ہیں۔ یہ اس کا شور ہے۔ اور میرے اپنے والد ماجد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ استقبال کے دوران حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو چھینک آگئی تھی، اور اس پر انہوں نے ”الحمد للہ“ کہا، اور ان کے جواب میں پورے مجمع نے ”یرحمک اللہ“ کہا، اس سے یہ شور بلند ہوا، جب ہارون الرشید کی بیوی نے یہ صورت حال دیکھی تو ہارون الرشید سے کہا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بڑے بادشاہ ہو، اور آدمی دنیا پر تمہاری حکومت ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ بادشاہت تو ان لوگوں کا حق ہے۔ حقیقت میں تو یہ لگ بادشاہ ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ کوئی پولیس ان کو کھینچ کر یہاں نہیں لائی ہے، بلکہ یہ صرف حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی محبت ہے جس نے اتنے سارے لوگوں کو یہاں پر جمع کر دیا ہے، یہ مقام اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔

آپ کی فیاضی کا عجیب واقعہ

اللہ تعالیٰ نے دولت اور دنیا کی نعمتیں بہت دیں۔ مگر وہی بات تھی کہ دنیا تو عطا فرمائی، لیکن دنیا کی محبت سے خالی رکھا، یہ جو کسی نے کہا ہے کہ دنیا ہاتھ میں ہو، دل میں نہ ہو، یہ کیفیت اللہ تعالیٰ نے ان کو اس درجہ عطا فرمائی کہ اس کی مثالیں ملنی مشکل ہے، خراسان میں قیام کے دوران ایک مرتبہ انہوں نے حج پر جانے کا ارادہ کیا، جب بستی کے لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ حج پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ تو بستی کے لوگ ایک وفد بنا کر ان کے پاس آگئے کہ حضرت ہم بھی آپ کے ساتھ حج کو جائیں گے، تاکہ حج کے اندر آپ کی صحبت میسر ہو، انہوں نے فرمایا کہ اچھا اگر تم لوگ بھی میرے ساتھ چلنا چاہتے ہو تو چلو، البتہ تم سب اپنا اپنا سفر کا خرچ میرے پاس جمع کرادو، تاکہ میں تم سب کی طرف سے اکٹھا خرچ کرتا رہوں، چنانچہ جتنے لوگوں نے جانے کا ارادہ کیا ان سب نے اپنے اپنے پیسوں کی تھیلی لا کر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جمع کرادی، انہوں نے وہ ساری تھیلیاں لے کر ایک صندوق میں رکھ دیں۔ اور اس کے بعد سفر پر رونہ ہو گئے، چنانچہ تمام ساتھیوں کی سواری اور کھانے کا انتظام وغیرہ کرتے رہے، یہاں تک حج مکمل ہونے کے بعد ان سب کو مدینہ منورہ کے گئے۔ اور وہاں جا کر ان میں سے ہر ایک سے پوچھا کہ بھائی تمہارے گھر والوں نے مدینہ منورہ سے کیا چیز منگوائی تھی؟ چنانچہ ہر ایک کو بازار لے جا کر وہ چیز دلوادی، پھر واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے، اور وہاں آ کر پھر ہر ایک سے پوچھا کہ تمہارے گھر والوں نے مکہ مکرمہ سے کیا چیز لانے کو کہا تھا؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ فلاں چیز منگوائی تھی، چنانچہ ایک ایک فرد کو بازار لے جا کر وہ چیز دلوادی۔ پھر واپس سفر کر کے جب خراسان پہنچے تو وہاں سب کی عالیشان دعوت کی، اور اس دعوت میں ہر ایک کو تحفے بھی پیش کئے، اس

کے بعد وہ صندوق کھولا جس میں جاتے وقت ہر ایک کے پیسوں کی تھیلی رکھی تھی، اور ہر ایک کو اس کی تھیلی واپس کر دی، اس طریقے سے سخاوت کے دریا بہائے۔ (۱)

آپ کی سخاوت اور غریب پروری

ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حج کو جا رہے تھے، ایک قافلہ بھی ساتھ تھا، راستے میں ایک جگہ پر قافلے والوں کی ایک مرغی مر گئی۔ قافلے والوں نے وہ مرغی اٹھا کر کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ قافلے والوں سے پچھے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ قافلہ والے تو اس مردہ مرغی کو پھینک کر چلے گئے، اتنے میں قریب کی بستی سے ایک لڑکی نکلی، اور وہ تیزی سے اس مردہ مرغی پر جھپٹی، اور اس کو اٹھا کر ایک کپڑے میں لپیٹا، اور جلدی سے بھاگ کر اپنے گھر چلی گئی۔ عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ یہ سب دیکھ رہے تھے۔ بہت حیران ہوئے کہ اس مردہ مرغی کو اس طرح رغبت کے ساتھ اٹھا کر لے جانے والی لڑکی کون ہے؟ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ بستی میں اس لڑکی کے گھر گئے۔ اور پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اور اس طرح مردہ مرغی اٹھا کر کیوں لائی ہے؟ جب بہت اصرار کیا تو اس لڑکی نے بتایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ جو ہمارے گھر میں واحد کمانے والے تھے، میری والدہ بیوہ ہے میں تنہا ہوں۔ اور لڑکی ذات ہوں۔ اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ ہم کئی روز سے اس حالت میں ہیں جس میں شریعت نے مردار کھانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ چنانچہ اس کوڑے کے ڈھیر میں جو کوئی مردار پھینک دیتا ہے۔ ہم اس کو کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔

بس یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کے دل پر چوٹ لگی، انہوں نے سوچا کہ یہ اللہ کے بندے تو اس حالت میں ہیں کہ مردار کھا کھا کر گزارہ کر رہے ہیں۔ اور میں حج پر جا رہا ہوں، چنانچہ اپنے معاون سے پوچھا کہ تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟ اس نے بتایا کہ میرے پاس شاید دو ہزار دینار ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ہمیں واپس گھر جانے کے لئے کتنے دینار کی ضرورت ہے؟ اس نے بتایا تقریباً بیس دینار۔ فرمایا وہ رکھ لو، اور باقی سب اس لڑکی کو دے دو، اور اس سال ہم حج نہیں کرتے، اور ان دیناروں سے اس کے گھر والوں کو جو فائدہ ہوگا، اللہ کی رحمت سے امید ہے اللہ تعالیٰ حج سے زیادہ اجر و ثواب اس پر عطا فرما دیں گے۔ یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔

غرض یہ کہ ایک دو نہیں بلکہ ایسے بے شمار فضائل اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے تھے کہ ہم لوگ ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

آپ کی دریا دلی کا ایک اور واقعہ

ایک اور واقعہ یاد آیا، جب کبھی یہ رقبہ شہر میں جایا کرتے تھے تو ایک نوجوان ان سے آکر ملا کرتا تھا۔ اور آکر کبھی مسائل پوچھتا۔ کبھی دوسری باتیں آکر پوچھتا، ایک مرتبہ جب رقبہ شہر جانا ہوا تو وہ نوجوان نہیں آیا۔ اور نہ اس نے آکر ملاقات کی، آنے والے لوگوں سے پوچھا کہ ایک نوجوان تھا جو ہمیشہ آکر ملاقات کیا کرتا تھا۔ وہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ وہ کہاں گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اس پر قرضہ بہت ہو گیا تھا۔ اور جس شخص کا قرضہ تھا۔ اس نے اس کو گرفتار کر دیا ہے، اس لئے وہ جیل میں ہے، ان کو بڑا دکھ ہوا، انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ کتنا قرضہ ہو گیا تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ دس ہزار دینار، پھر معلوم کیا کہ کس کا قرضہ تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں شخص کا قرضہ تھا، چنانچہ آپ اس شخص کی تلاش میں نکلے، اور پتہ پوچھتے پوچھتے اس کے گھر پہنچے۔ اور جا کر اس سے کہا کہ ہمارا ایک دوست ہے۔ تمہارا قرضہ اس کے ذمے ہیں، جس کی وجہ سے وہ جیل میں ہے، میں وہ قرضہ تمہیں ادا کر دیتا ہوں، لیکن ایک شرط ہے، وہ یہ کہ میرے ساتھ وعدہ کرو، اور قسم کھاؤ کہ میرے جیتے جی اس کو یہ نہیں بتاؤ گے کہ یہ قرضہ کس نے ادا کیا ہے، چنانچہ اس نے قسم کھالی کہ میں نہیں بتاؤں گا، چنانچہ آپ نے دس ہزار دینار اس کو دے دیئے اور اسے کہا کہ اب اس کو رہا کر دو۔ چنانچہ اس نے جیل جا کر اس کو رہا کر دیا۔

جب وہ نوجوان جیل سے رہا ہو کر شہر میں آیا تو اس کو پتہ چلا کہ چند روز سے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ یہاں آئے ہوئے تھے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہاں سے کب نکلے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ابھی نکلے ہیں۔ چنانچہ وہ نوجوان آپ کے پیچھے دوڑا، اور راستے میں آپ کو پکڑ لیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سنا تھا کہ تم جیل میں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں، میں جیل میں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے رہائی عطا فرمادی انہوں نے پوچھا کہ کیسے نکلے؟ اس نوجوان نے کہا کہ بس اللہ تعالیٰ نے غیب سے فرشتہ بھیج دیا۔ اس نے میرا قرضہ ادا کر دیا، اس لئے مجھے رہائی مل گئی۔ عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر ادا کرو، اور میں بھی تمہارے لئے دعائیں کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رہائی عطا فرمادے۔

وہ نوجوان بعد میں کہتے ہیں کہ ساری زندگی مجھے یہ پتہ نہ چلا کہ میرا قرضہ ادا کرنے والے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ ہیں، اس لئے کہ اس شخص نے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ میں آپ کی زندگی میں اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا، لیکن جب عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی، اس وقت اس شخص نے مجھے بتایا کہ تمہاری رہائی کا سبب درحقیقت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ (۱)

”کتاب الزہد والرقائق“ کا تعارف

بہر حال! یہ اس مقام کے بزرگ ہیں کہ ہمیں ان کا نام لیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ یہ کتاب جو ہم آج شروع کر رہے ہیں یہ انہی کی لکھی ہوئی کتاب ہے جس کا نام ہے ”کتاب الزہد والرقائق“ یعنی ان احادیث کا مجموعہ ہے۔ جن میں نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے زہد کی تلقین فرمائی ہے۔ اور جن کو پڑھنے سے دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے اور ”رقائق“ کے معنی وہ احادیث جن کے پڑھنے سے قلب میں گداز اور رقت پیدا ہوتی ہے۔ دل نرم ہوتے ہیں، غفلت دور ہوتی ہے، ایسی احادیث کو ”رقائق“ کہا جاتا ہے۔ انہوں نے ایسی احادیث پر یہ مستقل کتاب لکھ دی ہے، ویسے، ”کتاب الزہد“ کے نام سے دوسرے محدثین نے بھی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ ان سب کی کتابیں اس موضوع پر اس نام سے موجود ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی یہ کتاب سب سے زیادہ اس لئے مشہور ہوئی کہ اول تو یہ متقدمین میں سے ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر کام کے اندر برکت عطا فرمائی تھی۔ اس لئے خیال ہوا کہ ان کی یہ کتاب شروع کی جائے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہمارے دلوں میں کچھ نرمی پیدا کر دے، یہ دنیا جو ہمارے دلوں پر چھائی ہوئی ہے، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ آخرت کی کچھ فکر عطا فرمادیں۔

دو عظیم نعمتیں اور ان سے غفلت

اس کتاب میں احادیث بھی ہیں اور صحابہ و تابعین کے کچھ آثار اور واقعات بھی ہیں۔ پہلی حدیث وہ مشہور حدیث ہے، جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((نِعْمَتَانِ مَغْبُوءَتَانِ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ الْبَاطِلِ وَالْفِرَاقِ))

”اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کے بارے میں

دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک نعمت صحت اور تندرستی ہے، اور

دوسری نعمت فراغت اور فرصت ہے“

یہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جب تک یہ نعمتیں حاصل رہتی ہیں، اس وقت تک انسان اس دھوکے میں

پڑا رہتا ہے کہ یہ نعمتیں ہمیشہ باقی رہیں گی، چنانچہ جب تک تندرستی کا زمانہ ہے، اس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی بیماری آئے گی۔

یا فراغت کا زمانہ ہے، اس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی مصروفیت اتنی زیادہ ہو جائے گی۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ صحت عطا فرما دیتے ہیں یا فراغت عطا فرما دیتے ہیں وہ دھوکے میں اپنا وقت گزارتا ہے، اور اچھے کاموں کو ٹلاتا رہتا ہے، اور یہ سوچتا رہتا ہے کہ ابھی تو بہت وقت پڑا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی اصلاح سے محروم رہتا ہے، سرکارِ دو عالم ﷺ فرما رہے ہیں کہ ان نعمتوں کی اسی وقت قدر پہچان لو، جب یہ حاصل ہوں۔

صحت کی قدر کر لو

یہ صحت کی نعمت جو اس وقت حاصل ہے، کیا معلوم کہ کب تک یہ حاصل رہے گی، کچھ پتہ نہیں کہ کس وقت بیماری آجائے، اور کیسی بیماری آجائے، لہذا نیکی اور خیر کے کام کو، اور اپنی اصلاح کے کام کو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کے کام کو، آخرت کی فکر کو اسی زمانے کے اندر اختیار کر لو، کیا پتہ پھر موقع ملے یا نہ ملے۔

ارے جب بیماری آتی ہے تو پہلے نوٹس دے کر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ بچائے، اچھا خاصا چنگا بھلا تندرست انسان ہے بیٹھے بیٹھے کسی بیماری کا حملہ ہو گیا۔ اور اب چلنے پھرنے کی بھی طاقت نہیں، اس لئے یہ زمانہ ٹلا کر نہ گزارو، بلکہ جو نیک کام کرنا ہے، وہ کر گزرو، یہ صحت اللہ تعالیٰ نے اس لئے عطا فرمائی ہے کہ اس کو اس عالم کے لئے استعمال کرو جو مرنے کے بعد آنے والا ہے، لیکن اگر تم نے اس صحت کو گنوا دیا۔ اور بیماری آگئی، تو پھر عمر بھر سر پکڑ کر رو گے، اور حسرت اور افسوس میں مبتلا رہو گے کہ کاش، اس صحت کے عالم میں کچھ کام کر لیا ہوتا، لیکن اس وقت حسرت اور افسوس کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا، اس لئے ان نعمتوں کی قدر کرو۔

صرف ایک حدیث پر عمل

یہ حدیث جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے یہ ”جوامع الکلم“ میں سے ہے، اور غالباً امام ابو داؤد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ چند حدیثیں ایسی ہیں کہ اگر انسان صرف ان چند حدیثوں پر عمل کرے تو اس کی آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اس حدیث سے شروع فرمائی ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح بخاری میں ”کتاب الرقاق“ کو اسی حدیث سے شروع فرمایا ہے، اس لئے کہ اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس ﷺ ہمیں پہلے سے تنبیہ فرما رہے ہیں، بعد میں تنبیہ تو خود ہو جاتی ہے، لیکن وہ تنبیہ اس وقت ہوتی ہے، جب تدارک کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، اس لئے نبی کریم ﷺ جو ہم پر ماں باپ سے

زیادہ شفیق ہیں، اور ہماری نفسیات اور رگوں سے واقف ہیں۔ وہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو، اس وقت جو تمہیں صحت اور فراغت کا عالم میسر ہے۔ پھر بعد میں رہے یا نہ رہے۔ اس سے پہلے کہ حسرت کا وقت آجائے۔ اس کو کام میں لگا لو۔

”ابھی تو جوان ہیں“ شیطانی دھوکہ ہے

یہ ”نفس“ انسان کو دھوکہ دیتا رہتا ہے کہ میاں ابھی تو جوان ہیں، ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔ ہم نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے، ابھی تو ذرا مزے اڑالیں۔ پھر جب موقع آئے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں گے، اور اس وقت اصلاح کی فکر کر لیں گے ابھی کیا رکھا ہے؟

حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ نفس و شیطان کے اس دھوکے میں نہ آؤ، جو کچھ کرنا ہے کر گزرو، اس لئے کہ یہ وقت جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ یہ بڑی قیمتی چیز ہے، یہ بڑی دولت ہے، عمر کے یہ لمحات جو اس وقت انسان کو میسر ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ اس کو برباد اور ضائع نہ کرو، بلکہ اس کو آخرت کے لئے استعمال کرو۔

کیا ہم نے اتنی عمر نہیں دی تھی؟

قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب انسان آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ ہمیں ایک مرتبہ اور دنیا میں بھیج دیں، ہم نیک عمل کریں گے، تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائیں گے:

﴿أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ﴾ (۱)

”کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا“

صرف یہ نہیں کہ عمر دے کر تم کو ویسے ہی چھوڑ دیا، بلکہ تمہارے پاس ڈرانے والے تنبیہ کرنے والے بھیجتے رہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام بھیجے، اور آخر میں سرکارِ دو عالم ﷺ کو بھیجا، حضور اقدس ﷺ کے خلفاء اور وارثین تمہیں مسلسل جھنجھوڑتے رہے، اور تمہیں غفلت سے بیدار کرتے رہے اور آ کر یہ کہتے رہے کہ خدا کے لئے اس وقت کو کام میں لگا لو۔

ڈرانے والے کون ہیں

”ڈرانے والے“ کی تفسیر مفسرین نے مختلف فرمائی ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد

انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین ہیں، جو لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد ”سفید بال“ ہیں یعنی جب سفید بال آگئے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا آگیا، کہ اب وقت آنے والا ہے۔ تیار ہو جاؤ، اور اب بھی اپنی سابقہ زندگی سے تائب ہو جاؤ، اور اپنے حالات کی اصلاح کر لو، اس لئے کہ ”سفید بال“ آگئے ہیں، اور بعض مفسرین نے اس کی تفسیر ”پوتے“ سے کی ہے ”یعنی جس کسی کا پوتا پیدا ہو جائے، اور وہ دادا بن جائے، تو وہ پوتا ڈرانے والا ہے اس بات سے کہ بڑے میاں تمہارا وقت آنے والا ہے، اب ہمارے لئے جگہ خالی کرو۔“

ملک الموت سے مکالمہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے ایک واقعہ سنا کہ کسی شخص کی ملک الموت سے ملاقات ہو گئی۔ اس شخص نے ملک الموت سے شکایت کی آپ کا بھی عجیب معاملہ ہے دنیا میں کسی کو پکڑا جاتا ہے۔ تو دنیا کی عدالتوں کا قانون یہ ہے، کہ پہلے اس کے پاس نوٹس بھیجتے ہیں کہ تمہارے خلاف یہ مقدمہ قائم ہو گیا ہے، تم اس کی جواب دہی کے لئے تیار کرو، لیکن آپ کا معاملہ بڑا عجیب ہے کہ جب چاہتے ہیں، بغیر نوٹس کے آدھمکتے ہیں، بیٹھے بیٹھائے پہنچ گئے اور روح قبض کر لی، یہ کیا معاملہ ہے؟ ملک الموت نے جواب دیا کہ میاں! میں اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ دنیا میں کوئی اتنے نوٹس نہیں بھیجتا، لیکن میں کیا کروں۔ تم میرے نوٹس کا نوٹس نہیں لیتے، اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ ارے جب تمہیں بخار آتا ہے۔ وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب تمہیں کوئی بیماری آتی ہے وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب تمہارے سفید بال آتے ہیں۔ وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، تمہارے پوتے آتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے۔ میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ کوئی حد و حساب نہیں۔ مگر تم کان ہی نہیں دھرتے۔

بہر حال! اس لئے حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ حسرت کا وقت آئے خدا کے لئے اپنے آپ کو سنبھال لو اور اس صحت کے وقت کو، اور اس فراغت کے وقت کو کام میں لے آؤ، خدا جانے کل کیا عالم پیش آئے۔

جو کرنا ہے ابھی کر لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ ہم لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اللہ میاں نے تمہیں جوانی دی ہے۔ صحت دی ہے، فراغت دی ہے اس کو کام میں لے لو اور جو کچھ کرنا ہے، اس وقت کر لو، عبادتیں اس وقت کر لو، اللہ کا ذکر اس وقت کر لو، اس وقت گناہوں سے بچ جاؤ، پھر جب بیمار ہو جاؤ گے یا ضعیف ہو جاؤ گے تو اس وقت کچھ بن نہیں پڑے گا، اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ابھی تو ان کی آہٹ پر میں آنکھیں کھول دیتا ہوں
وہ کیسا وقت ہوگا جب نہ ہوگا یہ بھی امکاں میں

دور رکعت کی حسرت ہوگی

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک قبر کو دیکھا تو وہاں پر سواری سے اتر گئے اور اتر کر دو رکعت نفل پڑھی، اور پھر سواری پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گئے، ساتھ میں جو حضرات تھے، انہوں نے سمجھا کہ شاید کسی خاص آدمی کی قبر ہے۔ اس لئے یہاں اتر کر دو رکعت پڑھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ حضرت، کیا بات ہے؟ آپ یہاں کیوں اترے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ جب میں یہاں سے گزرا تو میرے دل میں خیال آیا کہ جو لوگ قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔ ان کا عمل منقطع ہو چکا ہے، اور جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ لوگ قبروں کے اندر اس بات کی حسرت کرتے ہیں کہ کاش کہ ہمیں اتنا موقع اور مل جائے کہ ہم دو رکعتیں اور پڑھ لیں۔ اور ہماری نیکیوں میں اور ہمارے اعمال میں دو رکعت نفل کا اضافہ ہو جائے۔ لیکن اس حسرت کے باوجود ان کے پاس نفل پڑھنے کا موقع نہیں ہوتا تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ موقع دے رکھا ہے، اس لئے چلو میں جلدی سے دو رکعت نفل پڑھ لوں۔ اس لئے میں نے اتر کر دو رکعت نفل پڑھ لیں۔

بہر حال، اللہ تعالیٰ جن کو یہ فکر عطا فرماتے ہیں وہ اپنے ایک ایک لمحے کو اس طرح کام میں لاتے ہیں۔

نیکیوں سے میزان عمل بھر لو

یہ وقت کے لمحات بڑے قیمتی ہیں، اسی واسطے کہا گیا کہ موت کی تمنانہ کرو، اس لئے کہ کیا معلوم کہ موت کے بعد کیا ہونے والا ہے۔

ارے جو کچھ فرصت اور مہلت اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی ہے، سب کچھ اسی میں ہونا ہے۔ آگے جا کے کچھ نہیں ہوگا، اس لئے اس دنیا میں جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، اس کو غنیمت سمجھو، اور اس کو کام میں لے لو، مثلاً ایک لمحہ میں اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ کہہ دو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے سے میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے، اور ایک مرتبہ ”الحمد للہ“ کہہ دیا تو اب میزان عمل کا پورا پلڑا بھر گیا۔ (۱)

دیکھئے یہ لمحات کتنے قیمتی ہیں۔ لیکن تم اس کو گناتے پھر رہے ہو، خدا کے لئے اس کو اس کام میں استعمال کر لو۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور وقت کی قدر

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بڑے درجے کے محدثین میں سے ہیں اور بخاری شریف کے شارح ہیں، اور علم کے پہاڑ ہیں، عمل کے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پہنچایا تھا۔ آج انسان اس مقام کا تصور بھی نہیں کر سکتا، عالم اور مصنف اور محدث کے نام سے مشہور ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جس وقت تصنیف کر رہے ہوتے تو کتاب لکھتے لکھتے جب قلم کا قط خراب ہو جاتا، اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوتے تھے، اور بار بار اس کا قط بنانا پڑتا تھا، تو اس کو چاقو سے دوبارہ درست کرنا پڑتا تھا، اور اس میں تھوڑا سا وقت لگتا تو یہ وقت بھی بے کار گزرتا گوارہ نہیں تھا، چنانچہ جتنا وقت قط لگانے میں گزرتا۔ اتنی دیر تیسرا کلمہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ پڑھتے رہتے تھے۔ تاکہ یہ وقت بھی ضائع نہ جائے۔ (۱)

اس لئے کہ جو وقت تصنیف کرنے میں گزر رہا ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزر رہا ہے۔ لیکن جو چند لمحات ملے ہیں۔ اس کو کیوں ضائع کریں۔ اور اس میں تیسرا کلمہ پڑھ لیں۔ تاکہ یہ لمحات بھی بے کار نہ جائیں، بہر حال حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ وقت کی قدر پہچانیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور وقت کی قدر

آج ہمارے ماحول میں سب سے زیادہ بے قدر اور بے وقت چیز وقت ہے۔ اس کو جس طرح چاہا گنوا دیا، گپ شپ میں گزار دیا، یا فضولیات میں گزار دیا، یا بلاوجہ ایسے کام کے اندر گزار دیا جس میں نہ دنیا کا نفع نہ دین کا نفع۔

میرے والد ماجد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے وقت کو تول تول خرچ کرتا ہوں، تاکہ کوئی لمحہ بے کار نہ گزرے۔ دین کے کام میں گزرے یا دنیا کے کام میں گزرے۔ اور دنیا کے کام میں بھی اگر نیت صحیح ہو تو وہ بھی بالاخر دین ہی کا کام بن جاتا ہے۔ اور ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یہ بات تو ہے ذرا شرم کی سی، لیکن تمہیں سمجھانے کے لئے کہتا ہوں کہ جب انسان بیت الخلاء میں بیٹھا ہوتا ہے۔ تو وہ وقت ایسا ہے کہ اس میں نہ تو انسان ذکر کر سکتا ہے، اس لئے کہ ذکر کرنا منع ہے۔ اور نہ کوئی اور کام کر سکتا ہے، اور میری طبیعت ایسی بن گئی ہے کہ جو وقت وہاں

بے کاری میں گزرتا ہے، وہ بہت بھاری ہوتا ہے۔ کہ اس میں کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ اس لئے اس وقت کے اندر میں بیت الخلاء کے لوٹے کو دھولیتا ہوں۔ تاکہ یہ وقت بھی کسی کام میں لگ جائے اور تاکہ جب بعد میں دوسرا آدمی آ کر اس لوٹے کو استعمال کرے تو اس کو گندا اور برا معلوم نہ ہو۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ پہلے سوچ لیتا ہوں کہ فلاں وقت میں مجھے پانچ منٹ ملیں گے، اس پانچ منٹ میں کیا کام کرنا ہے؟ یا کھانا کھانے کے فوراً بعد پڑھنا لکھنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ دس منٹ کا وقفہ ہونا چاہئے تو میں پہلے سے سوچ کر رکھتا ہوں کہ کھانے کے بعد یہ دس منٹ فلاں کام میں صرف کرنے ہیں، چنانچہ اس وقت میں وہ کام کر لیتا ہوں۔

جن حضرات نے میرے والد ماجد رحمہ اللہ کی زیارت کی ہے، انہوں نے دیکھا ہوگا کہ آپ کار کے اندر سفر بھی کر رہے ہیں اور قلم بھی چل رہا ہے، اور بلکہ میں نے تو ان کو رکشہ کے اندر سفر کے دوران بھی لکھتے ہوئے دیکھا ہے، جس میں جھٹکے بھی بہت لگتے ہیں، اور ایک جملہ بڑے کام کا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جو سب کے لئے یاد رکھنے کا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کام کرنے کا بہترین گر

فرماتے کہ دیکھو جس کام کو فرصت کے انتظار میں رکھا وہ ٹل گیا، یعنی جس کو اس انتظار میں رکھا کہ جب فرصت ملے گی تب کریں گے وہ ٹل گیا، وہ کام پھر نہیں ہوگا۔ کام کرنے کا راستہ یہ ہے کہ دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو زبردستی اس کے اندر داخل کر دو، تو وہ کام ہو جائے گا، میں تو اپنے والد ماجد رحمہ اللہ کا احسان مند ہوں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کا فرمایا ہوا یہ جملہ ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے، اور آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتا ہوں کہ واقعی جس کام کے بارے میں یہ سوچتا ہوں کہ فرصت ملے گی تو کریں گے وہ کام کبھی نہیں ہوتا، اس لئے کہ حوادث روزگار ایسے ہیں کہ پھر وہ موقع دیتے ہی نہیں، ہاں جس کام کی انسان کے دل میں اہمیت ہوتی ہے انسان اس کام کو کر ہی گزرتا ہے، زبردستی کر لیتا ہے، چاہے وقت ملے یا نہ ملے۔

کیا پھر بھی نفس سستی کرے گا؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو، وقت کو کام میں لگانے کا طریقہ یہ ہے مثلاً تمہیں یہ خیال ہوا کہ فلاں وقت میں تلاوت کریں گے، یا نفل نماز پڑھیں گے، لیکن جب وہ وقت آیا تو اب طبیعت میں سستی ہو رہی ہے، اور اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ تو ایسے

وقت میں اپنے نفس کی ذرا تربیت کیا کرو، اور اس نفس سے کہو کہ اچھا، اس وقت تو تمہیں سستی ہو رہی ہے، اور بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ اگر اس وقت صدر مملکت کی طرف سے یہ پیغام آ جائے کہ ہم تمہیں بہت بڑا انعام، یا بہت بڑا منصب یا بہت بڑا عہدہ، یا بہت بڑی ملازمت دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے تم اس وقت فوراً ہمارے پاس آ جاؤ، بتاؤ کیا اس وقت بھی سستی رہے گی؟ اور کیا تم یہ جواب دے دو گے کہ میں اس وقت نہیں آ سکتا، اس وقت تو مجھے نیند آ رہی ہے، کوئی بھی انسان جس میں ذرا بھی عقل و ہوش ہے، بادشاہ کا یہ پیغام سن کر اس کی ساری سستی کاہلی اور نیند دور ہو جائے گی اور خوشی کے مارے فوراً اس انعام کو لینے کے لئے بھاگ کھڑا ہوگا، کہ مجھے اتنا بڑا انعام ملنے والا ہے۔

لہذا اگر اس وقت یہ نفس اس انعام کے حصول کے لئے بھاگ پڑے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اٹھنے سے کوئی عذر نہیں ہے، اگر حقیقت میں واقعتاً اٹھنے سے کوئی عذر ہوتا تو اس وقت نہ جاتے، بلکہ بستر پر پڑے رہتے، لہذا یہ تصور کرو کہ دنیا کا ایک سربراہ حکومت جو بالکل عاجز و درعاجز ہے، وہ اگر تمہیں ایک منصب کے لئے بلا رہا ہے تو اس کے لیے اتنا بھاگ رہے ہو لیکن وہ احکم الحاکمین، جس کے قبضہ و قدرت میں پوری کائنات ہے۔ دینے والا وہ ہے چھننے والا وہ ہے اس کی طرف سے بلاوا آ رہا ہے۔ تو تم اس کے دربار میں حاضر ہونے میں سستی کر رہے ہو؟ اس تصور سے انشاء اللہ ہمت پیدا ہوگی، اور وہ وقت جو بے کار جا رہا ہے، وہ انشاء اللہ کام میں لگ جائے گا۔

شہوانی خیالات کا علاج

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ جو گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا علاج اس طرح کرو کہ جب دل میں یہ سخت تقاضہ پیدا ہو کہ اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کر کے لذت حاصل کروں، تو اس وقت ذرا سا یہ تصور کرو کہ اگر میرے والد مجھے اس حالت میں دیکھ لیں۔ کیا پھر بھی یہ حرکت جاری رکھوں گا؟ یا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرے شیخ مجھے اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ ظاہر ہے کہ اگر ان میں کوئی بھی میری اس حرکت کو دیکھ رہا ہوگا تو میں اپنی نظر نیچی کر لوں گا۔ اور یہ کام نہیں کروں گا۔ چاہے دل میں کتنا شدید تقاضہ پیدا کیوں نہ ہو۔ پھر یہ تصور کرو کہ ان لوگوں کے دیکھنے نہ دیکھنے سے میری دنیا و آخرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن میری اس حالت کو جو احکم الحاکمین دیکھ رہا ہے۔ اس کی پرواہ مجھے کیوں نہ ہو، اس لئے کہ وہ مجھے اس پر سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس خیال اور تصور کی برکت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ سے محفوظ رکھیں گے۔

تمہاری زندگی کی فلم چلا دی جائے تو؟

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات اور یاد آگئی فرماتے تھے کہ ذرا اس بات کا تصور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے یوں فرمائیں اچھا اگر تمہیں جہنم سے ڈر لگ رہا ہے، تو چلو ہم تمہیں جہنم سے بچالیں گے، لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ ہم ایک کام کریں گے کہ تمہاری پوری زندگی کی پچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک اور مرنے تک جو تم نے گزاری ہے۔ اس کی ہم فلم چلائیں گے اور اس فلم کے دیکھنے والوں میں تمہارا باپ ہوگا تمہاری ماں ہوگی، تمہارے بہن بھائی ہونگے، تمہاری اولاد ہوگی تمہارے شاگرد ہونگے، تمہارے استاذ ہونگے۔ تمہارے دوست احباب ہونگے۔ اور اس فلم کے اندر تمہاری پوری زندگی کا نقشہ سامنے کر دیا جائے گا، اگر تمہیں یہ بات منظور ہو تو پھر جہنم سے بچا لیا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر آدمی شاید آگ کے عذاب کو گوارہ کر لے گا، مگر اس بات کو گوارہ نہیں کریگا کہ ان تمام لوگوں کے سامنے میری زندگی کا نقشہ جائے، لہذا جب اپنے ماں، باپ، دوست احباب، عزیز واقارب اور مخلوق کے سامنے اپنی زندگی کے احوال کا آنا گوارہ نہیں۔ تو پھر ان احوال کا اللہ تعالیٰ کے سامنے آنا کیسے گوارہ کر لو گے؟ اس کو ذرا سوچ لیا کرو۔

کل پر مت ٹالو

بہر حال یہ حدیث جو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمائی یہ بڑے کام کی حدیث ہے، اور لوح دل پر نقش کرنے کے قابل ہے کہ عمر کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے جو وقت اس وقت ملا ہوا ہے۔ اس کو ٹلاؤ نہیں۔ اور یہ جو انسان سوچتا ہے کہ اچھا یہ کام کل سے کریں گے، وہ کل پھر آتی نہیں، جو کام کرنا ہے، وہ ابھی اور آج ہی شروع کر دو، بلاتا خیر شروع کر دو۔ کیا پتہ کہ کل آئے یا نہ آئے، کیا پتہ کہ کل کو یہ داعیہ موجود رہے یا نہ رہے، کیا پتہ کہ کل کو حالات سازگار رہیں یا نہ رہیں، کیا پتہ کہ کل کو قدرت رہے یا نہ رہے۔ اور کیا پتہ کہ کل کو زندگی رہے یا نہ رہے، اس لئے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ﴾ (۱)

”اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف جلدی دوڑو، دیر نہ کرو، اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین ہے“

نیک کام میں جلد بازی پسندیدہ ہے

جلد بازی ویسے تو کوئی اچھی چیز نہیں۔ لیکن نیکی کے کام میں جلدی کرنا اور جس نیکی کا خیال دل میں پیدا ہوا ہے، اس نیکی کو کر گزرتا، یہ اچھی بات ہے۔ اور ”مسارعت“ کے معنی ہیں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، ریس کرو، مقابلہ کرو، اگر دوسرا آگے بڑھ رہا ہے تو میں اس سے اور آگے بڑھ جاؤں۔ اور اسی کام کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں یہ وقت عطا فرمایا ہے، اس حدیث کو اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اتار دے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔

پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو

آج ہم لوگوں نے اپنے آپ کو غفلت اور بے فکری میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ غفلت میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں، اس مضمون کو حضور اقدس ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا:

عَنْ عُمَرَ بْنِ مَيْمُونٍ الْأَوْدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ: ((اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ، شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ)) (۱)

”عمر بن میمون اودی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک صاحب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو، بیماری سے پہلے صحت کو غنیمت سمجھو، اور اپنی مالداری کو محتاجی سے پہلے غنیمت سمجھو، اور فرصت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو، اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو“

جوانی کی قدر کرلو

مطلب یہ ہے یہ پانچوں ایسی ہیں کہ ان کا خاتمہ ہونے والا ہے اس وقت جوانی ہے، لیکن جوانی کے بعد بڑھاپا آنے والا ہے، یہ جوانی ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہے، بلکہ یا تو اس کے بعد بڑھاپا

(۱) کنز العمال، رقم: ۴۳۴۹۰ (۱۳۳۱/۱۵) المستدرک للحاکم، رقم: ۷۸۴۶ (۳۴۱/۴)، شعب الإيمان،

رقم: ۱۰۶۴۸ (۲۶۳/۷)، کشف الخفاء، رقم: ۴۳۶ (۱۴۸/۱)، صحیح الترغیب والترہیب، رقم:

۳۳۵۵ (۱۶۸/۳)، مشکاة المصابیح، رقم: ۵۱۷۴ (۱۲۲/۳)

آئے گا یا موت آئے گی، تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس لئے اس بڑھاپے سے پہلے اس جوانی کو غنیمت سمجھو۔ یہ قوت اور توانائی، صحت اللہ تعالیٰ نے اس وقت عطا فرمائی ہے، اس کو غنیمت سمجھ کر اچھے کام میں لگا لو، بڑھاپے میں تو یہ حال ہو جاتا ہے کہ نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت، اس وقت کیا کرو گے جب ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکو گے شیخ سعدی فرماتے ہیں:

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار

بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ کھا ہی نہیں سکتا، طاقت ہی نہ رہی، اب کس کو کھائے گا۔ ارے جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے، اس لئے فرمایا کہ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو۔

صحت، مالداری اور فرصت کی قدر کرو

اس وقت صحت ہے، لیکن یاد رکھو، کوئی انسان دنیا کے اندر ایسا نہیں ہے کہ صحت کے بعد اس کو بیماری نہ آئے۔ بیماری ضرور آئے گی۔ لیکن پتہ نہیں کب آ جائے، اس لئے اس سے پہلے اس موجودہ صحت کو غنیمت سمجھ لو۔

اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے مالی فراغت اور مالداری عطا فرمائی ہے، کچھ پتہ نہیں کہ یہ کب تک کی ہے، کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے حالات بدل گئے ہیں، اچھے خاصے امیر کبیر تھے، مگر اب فقیر ہو گئے۔ خدا جانے کب کیا حال پیش آ جائے، اس وقت کے آنے سے پہلے اس مالداری کو غنیمت سمجھو اور اس کو اپنی آخرت سنوارنے کے لئے استعمال کر لو۔

اور اپنی فرصت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو، یعنی فرصت کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ یہ ہمیشہ باقی رہیں گے، کبھی نہ کبھی مشغولی ضرور آئے گی۔ اس لئے اس فرصت کو صحیح کام میں لگا لو۔ اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔

صبح کو یہ دعائیں کر لو

اور اس زندگی کے اوقات کو کام میں لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی صبح سے شام تک کی زندگی کا نظام اوقات بناؤ، اور پھر اس کا جائزہ لو کہ میں کیا کیا کر رہا ہوں، اور میں اعمال خیر کے اندر کیا کیا اضافہ کر سکتا ہوں، ان کا اضافہ کرو۔ اور میں کن کن گناہوں کے اندر مبتلا ہوں ان کو چھوڑ دو، اور صبح کو نماز پڑھ کر یہ دعا مانگا کرو کہ یا اللہ! یہ دن آنے والا ہے میں باہر نکلوں گا۔ خدا جانے کیا حالات پیش آئیں۔ یا

اللہ! میں اس کا ارادہ کر رہا ہوں کہ آج کے دن کو آخرت کے لئے ذخیرہ بناؤں گا، اے اللہ! مجھے اس کی توفیق عطا فرما، حضور اقدس ﷺ صبح کے وقت دعائیں مانگا کرتے تھے۔ ان دعاؤں کو یاد کر لینا چاہئے، اور صبح کو وہ دعائیں ضرور مانگنی چاہئے، چنانچہ آپ ﷺ دعا فرماتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ مَا فِي هَذَا الْيَوْمِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ

بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِي هَذَا الْيَوْمِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهُ)) (۱)

آپ ﷺ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذَا الْيَوْمِ وَفَتْحَهُ وَنَصْرَهُ وَنُورَهُ وَبَرَكَتَهُ وَهُدَاهُ)) (۲)

حضور اقدس ﷺ ایسی ایسی دعائیں بتا گئے کہ دین و دنیا کی کوئی حاجت نہیں چھوڑی، جن کو یہ دعائیں یاد ہوں، وہ صبح کے وقت ان دعاؤں کو پڑھ لے۔ اور جن کو یہ دعائیں یاد نہ ہوں، وہ اردو میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لے کہ یا اللہ! یہ دن شروع کر رہا ہوں، اور یہ ارادہ کر رہا ہوں کہ اس دن کے چوبیس گھنٹوں کو صحیح استعمال کروں گا، غلط استعمال اور بے فائدہ ضائع کرنے سے بچاؤں گا، میں تو ارادہ کر رہا ہوں، لیکن یا اللہ میں کیا، اور میرا ارادہ کیا، میرا عزم کیا۔ میری ہمت اور میرے حوصلے کی کیا حقیقت ہے، عزم دینے والے بھی آپ ہیں، ہمت دینے والے بھی آپ ہیں، حوصلہ دینے والے بھی آپ ہیں۔ آپ ہی اپنے فضل سے مجھے ایسے راستے پر لگا دیجئے، ایسے حالات پیدا فرما دیجئے کہ میں اس دن کے چوبیس گھنٹوں کو آپ کی مرضی کے مطابق صرف کر دو، بس صبح اٹھ کر روزانہ یہ دعا مانگ لیا کرو، انشاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس دن کے اوقات کو ضائع ہونے سے بچالیں گے۔

آگے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے دو قول نقل فرماتے ہیں:

”عَنِ الْحَسَنِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: أَدْرَكْتُ أَقْوَامًا كَانَ أَحَدُهُمْ

أَشَحَّ عَلَى عُمْرِهِ مِنْهُ عَلَى دَرَاهِمِهِ وَدَنَانِيرِهِ

”عَنِ الْحَسَنِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: ابْنُ آدَمَ! إِيَّاكَ وَالتَّسْوِيفَ،

فَإِنَّكَ بِيَوْمِكَ وَلَسْتَ بِغَدٍ، وَإِنْ يُكُنْ غَدًا لَكَ فَكَسْ فِي غَدٍ كَمَا كَسْتَ فِي

الْيَوْمِ وَالْأَيُّمُ لَكَ لَمْ تَنْدِمْ عَلَى مَا فَرَّطْتَ فِي الْيَوْمِ“ (۳)

(۱) زاد المعاد (۳۳۲/۲)، حصن المسلم، رقم: ۷۷ (۱/۴۲)، إحياء علوم الدين (۱/۳۲۷)، تحفة الذاكرين

بعده الحصن الحصين (۱/۹۴)

(۲) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، رقم: ۴۴۲۱

(۳) كتاب الزهد لابن المبارك، رقم: ۸ (۱/۴)، اقتضاء العلم العمل، رقم: ۱۹۹ (۱/۱۱۳)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں، اور ہمارے مشائخ اور طریقت کے جتنے سلسلے ہیں ان سب کی انتہاء حضرت بصری رحمہ اللہ پر ہوتی ہے، یعنی ابتداء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ان کے بعد حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ہیں، چنانچہ جو حضرات شجرہ پڑھتے ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ اس میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا نام بھی آتا ہے اس طرح ہم سب ان کے احسان مند ہیں۔ ہم سب کی گردنیں ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ ہم اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے۔ وہ انہی بزرگوں کے واسطے سے عطا فرمایا ہے، بہر حال یہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔

وقت سونا چاندی سے زیادہ قیمتی ہے

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے یہاں ان کے دو قول نقل کئے ہیں، پہلے قول میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے، ”لوگوں“ سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس لئے کہ یہ خود تابعین میں سے ہیں، اس لئے ان کے اساتذہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو پایا ہے اور ان لوگوں کی صحبت اٹھائی ہے جن کا اپنے عمر کے لمحات اور اوقات پر بخل سونے چاندی کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور اس کو حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ اور اگر کسی کے پاس سونا چاندی آجائے، تو وہ اس کو بڑی حفاظت سے رکھتا ہے۔ اور اس کو بے جگہ رکھنے سے پرہیز کرتا ہے۔ تاکہ کہیں چوری نہ ہو جائے، یا ضائع نہ ہو جائے۔ اس طرح یہ وہ لوگ تھے جو سونے چاندی سے کہیں زیادہ اپنی عمر کے لمحات کی حفاظت کرتے تھے۔ اس لئے کہ زندگی کا ایک لمحہ سونے چاندی کی اشرفیوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عمر کا کوئی لمحہ کسی بے کار کام میں، یا ناجائز کام میں، یا غلط کام میں صرف ہو جائے۔ وہ لوگ وقت کی قدر و قیمت پہچانتے تھے کہ عمر کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ یہ بڑی عظیم نعمت ہے کہ اس کی کوئی حد و حساب نہیں، اور یہ نعمت کب تک حاصل رہے گی؟ اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ اس لئے اس کو خرچ کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔

دورِ رکعت نفل کی قدر

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزر رہے تھے۔ تو اس وقت صحابہ آپ کے

ساتھ تھے۔ ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا یہ جو دو رکعت نفل کبھی جلدی جلدی میں تم پڑھ لیتے ہو، اور ان کو تم بہت معمولی سمجھتے ہو۔ لیکن یہ شخص جو قبر میں لیٹا ہوا ہے۔ اس کے نزدیک یہ دو رکعت نفل ساری دنیا و ہمگیھا سے بہتر ہیں۔ اس لئے کہ یہ قبر والا شخص اس بات پر حسرت کر رہا ہے کہ کاش مجھے زندگی میں دو منٹ اور مل جاتے تو میں اس میں دو رکعت نفل اور پڑھ لیتا، اور اپنے نامہ اعمال میں اضافہ کر لیتا۔

مقبرے سے آواز آرہی ہے

ہمارے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کہی ہوئی ایک نظم پڑھنے کے قابل ہے۔ جو اصل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام سے ماخوذ ہے۔ اس نظم کا عنوان ہے۔ ”مقبرے کی آواز“ جیسا کہ ایک شاعرانہ تخیل ہوتا ہے کہ ایک قبر کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ تو وہ قبر والا گزرنے والے کو آواز دے رہا ہے:

مقبرے پر گزرنے والے سن
ٹھہر، ہم پر گزرنے والے سن
ہم بھی ایک دن زمین پر چلتے تھے
باتوں باتوں میں ہم مچلتے تھے

یہ کہہ کر اس نے زبان حال سے اپنی داستان سنائی ہے کہ ہم بھی اس دنیا کے ایک فرد تھے۔ تمہاری طرح کھاتے پیتے تھے۔ لیکن ساری زندگی میں ہم نے جو کچھ کمایا، اس میں سے ایک ذرہ بھی ہمارے ساتھ نہیں آیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو کچھ نیک عمل کرنے کی توفیق ہو گئی تھی۔ وہ تو ساتھ آ گیا، لیکن باقی کوئی چیز ساتھ نہ آئی۔ اس لئے وہ گزرنے والے کو نصیحت کر رہا ہے کہ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم فاتحہ کو ترستے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ آ کر ہم پر فاتحہ پڑھ کر اس کا ایصال ثواب کر دے، اور اے گزرنے والے، تجھے ابھی تک زندگی کے یہ لمحات میسر ہیں۔ جنہیں ہم ترس رہے ہیں۔

صرف ”عمل“ ساتھ جائے گا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کے کیا عجیب و غریب انداز ہیں۔ کس کس طریقے سے اپنی امت کو سمجھایا ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مردے کو قبرستان لے جایا جاتا ہے تو تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں۔ ایک اس کے عزیز و اقارب، اور رشتہ دار اس کو چھوڑنے کے لئے قبر تک جاتے ہیں۔ دوسرے اس کا مال، مثلاً چار پائی وغیرہ۔ اور تیسرے اس کا عمل، اور پھر پہلی دو

چیزیں یعنی رشتہ دار، اور مال قبر تک اس کو پہنچانے کے بعد واپس آ جاتے ہیں۔ لیکن آگے جو چیز اس کے ساتھ جاتی ہے۔ وہ صرف اس کا عمل ہے۔ (۱)
کسی نے خوب کہا ہے:

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو شکریہ
اب اکیلے ہی گزر جائیں گے اس منزل سے ہم

وہاں کوئی نہیں جائے گا۔ بہر حال اس ”مقبرے کی آواز“ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ سبق دیا کہ جب بھی کسی قبر کے پاس سے گزرو، ذرا سی دیر کے لئے یہ سوچ لیا کرو کہ یہ بھی ہماری طرح ایک انسان تھا۔ اور ہماری طرح اس کو بھی زندگی میسر تھی۔ اس کا بھی مال تھا، دولت تھی۔ اس کے بھی عزیز و رشتہ دار تھے، اس کے بھی چاہنے والے تھے، اس کی بھی خواہشات تھیں، اس کے بھی جذبات تھے، مگر آج وہ سب رخصت ہو چکیں، ہاں اگر کوئی چیز اس کے ساتھ ہے۔ تو وہ صرف اس کا عمل ہے۔ اور اب یہ چند لمحات کو ترس رہا ہے کہ اگر چند لمحات مجھے مل جائیں تو میں اپنی نیکیوں میں اضافہ کر لوں۔

موت کی تمنائت کرو

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”کبھی موت کی تمنائت کرو، چاہے تم کتنی ہی مصیبتوں اور تکلیفوں میں ہو“ (۲)

اس وقت بھی یہ دعا نہ کرو کہ یا اللہ! مجھے موت دے دے۔ اس لئے کہ اگرچہ تم تکلیفوں میں گرے ہوئے ہو لیکن عمر کے لمحات جو اس وقت میسر ہیں۔ اس میں پتہ نہیں کہ کس وقت کس نیکی کی توفیق ہو جائے۔ اور پھر اس نیکی کے عوض اللہ تعالیٰ کے یہاں بیڑہ پار ہو جائے۔ اس لئے کبھی موت کی تمنائت کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، یہ دعا کرو کہ یا اللہ، آپ نے زندگی کے جو لمحات عطا فرمائے ہیں۔ ان کو نیک کاموں میں اور اپنی رضا کے کاموں میں صرف فرما دے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب سكرات الموت، رقم: ۶۰۳۳، صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب، رقم: ۵۲۶۰، سنن الترمذی، کتاب الزهد عن رسول اللہ، باب ماجاء مثل ابن آدم و اہله و ولده و مالہ و عملہ، رقم: ۲۳۰۱، سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب النهی عن سب الأموات، رقم: ۱۹۱۱، مسند أحمد، رقم: ۱۱۶۳۷

(۲) صحیح البخاری، کتاب التمنی، باب ما یکرہ من التمنی، رقم: ۶۶۹۲، سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب فی البناء والخراب، رقم: ۴۱۵۳، مسند أحمد، رقم: ۲۵۶۴۰

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کا کشف

حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ میرے والد ماجد رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے تھے، اور بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے میرے استاد مولانا فضل محمد صاحب مدظلہم سوات میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو عافیت کے ساتھ سلامت رکھے۔ انہوں نے خود اپنا واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب قدس اللہ سرہ حج سے واپس تشریف لائے، ہم اس وقت طالب علم تھے۔ اور دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے تھے، طلبہ میں سے ایک طالب علم نے کہا کہ اس نے حضرت میاں صاحب کے پاس جانے کی وجہ یہ بیان کی وہاں کھجوریں ملیں گی، ہمیں یہ بات بری تو لگی کہ یہ طالب علم میاں صاحب کے پاس صرف کھجور کھانے کے لئے جانا چاہتا ہے، حالانکہ وہ تو اتنے بڑے بزرگ ہیں اور حج کر کے آئیں ہیں ان سے تو جا کر دعائیں لینی چاہئے، چنانچہ ہم چھ سات طلبہ ان سے ملاقات کے لئے چلے۔ جب میاں صاحب کے گھر پہنچے اور ان کو جا کر سلام کیا تو میاں صاحب نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ صاحب تو کھجوریں کھانے آئیں ہیں، ان کو تو کھجوریں دے کر رخصت کر دو اور باقی طلبہ کو اندر بلا لو۔ ایسے صاحب کشف بزرگ تھے۔

زیادہ باتوں سے بچنے کا طریقہ

میرے والد ماجد رحمہ اللہ نے حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مولوی شفیع صاحب آج آپس میں عربی میں بات کریں گے۔ میں بڑا حیران ہوا کہ آج تک کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔ آج معلوم نہیں کیا بات ہو گئی، میں نے پوچھا کہ کیوں؟ کوئی وجہ تو بتائیے؟ فرمایا کہ جب ہم آپس میں بیٹھتے ہیں تو بعض اوقات فضول ادھر ادھر کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور یہ زبان قابو میں نہیں رہتی، اور بے تکلف عربی نہ تم بول سکتے ہو اور نہ میں بول سکتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف ضرورت کی بات ہوگی، بے ضرورت بات نہ ہوگی۔

ہماری مثال

پھر فرمایا کہ ہماری مثال اس شخص جیسی ہے جو بہت مال و دولت سونا چاندی لے کر سفر پر روانہ ہوا تھا اور پھر وہ سارا مال و دولت اور سونا چاندی راستے میں خرچ ہو گیا۔ اور اب صرف چند سکے باقی رہ گئے اور سفر لمبا ہے۔ اس لئے اب ان چند سکوں کو بہت دیکھ بھال کر بہت احتیاط سے خرچ کرتا ہے۔ تاکہ وہ سکے بے جا خرچ نہ ہو جائیں، پھر فرمایا کہ ہماری بہت بڑی عمر تو بہت سے فضول کاموں میں

گزر گئی۔ اور اب چند لمحات باقی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی کسی بے فائدہ کام میں صرف ہو جائیں، یہ وہی بات ہے جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ دیوبند میں اللہ تعالیٰ نے جو علماء پیدا فرمائے تھے انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یادیں تازہ کر دیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور وقت کی قدر

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کو دیکھا کہ مرض الموت میں جب بیمار اور صاحب فراش تھے، اور معالجوں اور ڈاکٹروں نے ملنے جلنے سے منع کر رکھا تھا۔ اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ زیادہ بات نہ کریں، ایک دن آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ لیٹے لیٹے اچانک آنکھ کھولی۔ اور فرمایا کہ بھائی! مولوی محمد شفیع صاحب کو بلاؤ۔ چنانچہ بلایا گیا، جب وہ تشریف لائے تو فرمایا کہ آپ ”احکام القرآن“ لکھ رہے ہیں، مجھے ابھی خیال آیا کہ قرآن کریم کی جو فلاں آیت ہے، اس سے فلاں مسئلہ نکلتا ہے اور یہ مسئلہ اس سے پہلے میں نے کہیں نہیں دیکھا، میں آنے آپ کہ اس لئے بتا دیا کہ جب آپ اس آیت پر پہنچیں تو اس مسئلے کو بھی لکھ لی جیئے گا، یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ فلاں شخص کو بلاؤ۔ جب وہ صاحب آگئے تو ان سے متعلق کچھ کام بتا دیا۔ جب بار بار ایسا کیا تو مولانا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت کی خانقاہ کے ناظم تھے۔ اور حضرت تھانوی سے بھی بے تکلف تھے۔ اور انہوں نے حضرت سے فرمایا کہ حضرت، ڈاکٹروں اور حکیموں نے بات چیت کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ مگر آپ لوگوں کو بار بار بلا کر ان سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ خدا کے لئے آپ ہماری جان پر تو رحم کریں، ان کے جواب میں حضرت والا نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ بات تو ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں یہ سوچتا ہوں ”وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں، اگر کسی کی خدمت کے اندر عمر گزر جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔“

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور نظام الاوقات

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صبح سے لے کر شام تک پورا نظام الاوقات مقرر تھا، یہاں تک کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد اپنی ازواج کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کی دو بیویاں تھیں، دونوں کے اس عصر کے بعد عدل و انصاف کے ساتھ ان کی خیر و برکت کے لئے اور ان سے بات چیت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی حدیث میں

آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ایک ایک کر کے تمام ازواج مطہرات کے پاس ان کی خبر گیری کے لئے تشریف لے جاتے تھے، اور یہ آپ کا روزانہ کا معمول تھا، اب دیکھئے کہ دنیا کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں۔ جہاد بھی ہو رہے ہیں، تعلیم بھی ہو رہی ہے، تدریس بھی ہو رہی ہے۔ دین کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں اور ساتھ میں ازواج مطہرات کے پاس جا کر ان کی دل جوئی بھی ہو رہی ہے۔ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کو نبی کریم ﷺ کی سنت پر ڈھالا ہوا تھا اور اسی اتباع سنت میں آپ بھی عصر کے بعد اپنی دونوں بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے لیکن وقت مقرر تھا۔ مثلاً پندرہ منٹ ایک بیوی کے پاس بیٹھیں گے۔ اور پندرہ منٹ دوسری بیوی کے پاس بیٹھیں گے۔ چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ گھڑی دیکھ کر داخل ہوتے۔ اور گھڑی دیکھ کر باہر نکل آتے۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ پندرہ منٹ کے بجائے سولہ منٹ ہو جائیں۔ یا چودہ منٹ ہو جائیں، بلکہ انصاف کے تقاضے کے مطابق پورے پندرہ پندرہ منٹ تو دونوں کے پاس تشریف رکھتے، تول تول کر ایک منٹ کا حساب رکھ کر خرچ کیا جا رہا ہے۔

دیکھئے، اللہ تعالیٰ نے وقت کی جو نعمت عطا فرمائی ہے۔ اس کو اس طرح ضائع نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بڑی زبردست دولت دی ہے، ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، اور یہ دولت جا رہی ہے۔ یہ پکھل رہی ہے۔ کسی نے خوب کہا:

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم
جس طرح برف ہر لمحے پکھلتی رہتی ہے، اسی طرح انسان کی عمر ہر لمحے پکھل رہی ہے، اور جا رہی ہے۔

”سال گرہ“ کی حقیقت

جب عمر کا ایک سال گزر جاتا ہے تو لوگ سال گرہ مناتے ہیں۔ اور اس میں اس بات کی بڑی خوشی مناتے ہیں، کہ ہماری عمر کا ایک سال پورا ہو گیا، اور اس میں موم بتیاں جلاتے ہیں۔ اور کیک کاٹتے ہیں اور خدا جانے کیا کیا خرافات کرتے ہیں۔ اس پر اکبر الہ آبادی مرحوم نے بڑا حکیمانہ شعر کہا ہے۔ وہ یہ:

جب سال گرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا

یہاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے

”عقدہ“ بھی عربی میں ”گرہ“ کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گرہ میں زندگی کے جو برس دیئے تھے، اس میں ایک اور کم ہو گیا۔ ارے یہ رونے کی بات ہے، یا خوشی کی بات ہے؟ یہ تو افسوس کرنے کا موقع ہے کہ تیری زندگی کا ایک سال اور کم ہو گیا۔

گزری ہوئی عمر کا مرثیہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ نے اپنی عمر کے تیس سال گزرنے کے بعد ساری عمر اس پر عمل فرمایا کہ جب عمر کے کچھ سال گزر جاتے تو ایک مرثیہ کہا کرتے تھے۔ عام طور پر لوگوں کے مرنے کے بعد ان کا مرثیہ کہا جاتا ہے۔ لیکن میرے والد صاحب اپنا مرثیہ خود کہا کرتے تھے۔ اور اس کا نام رکھتے ”مرثیہ عمر رفتہ“ یعنی گزری ہوئی عمر کا مرثیہ، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں فہم عطا فرمائیں تب یہ بات سمجھ میں آئے کہ واقعہ یہی ہے کہ جو وقت گزر گیا، وہ اب واپس آنے والا نہیں، اس لئے اس پر خوشی منانے کا موقع نہیں ہے، بلکہ آئندہ کی فکر کرنے کا موقع ہے کہ بقیہ زندگی کا وقت کس طریقے سے کام میں لگ جائے۔

آج ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ بے قیمت چیز وقت ہے، اس کو جہاں چاہا، کھودیا، اور برباد کر دیا۔ کوئی قدر و قیمت نہیں، گھنٹے، دن مہینے بے فائدہ کاموں میں اور فضولیات میں گزر رہے ہیں جس میں نہ تو دنیا کا فائدہ، نہ دین کا فائدہ۔

کاموں کی تین قسمیں

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جتنے بھی کام ہیں، وہ تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن میں کچھ نفع اور فائدہ ہے، چاہے دین کا فائدہ ہو یا دنیا کا فائدہ ہو، دوسرے وہ کام ہیں جو مضرت والے اور نقصان دہ ہیں۔ ان میں یا تو دین کا نقصان ہے یا دنیا کا نقصان ہے، اور تیسرے وہ کام ہیں، جن میں نہ نفع ہے نہ نقصان ہے۔ اس کا نفع، نہ دین کا نفع، نہ دنیا کا نقصان، نہ دین کا نقصان، بلکہ فضول کام ہیں۔ اس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک ان کاموں کا تعلق ہے، جو نقصان دہ ہیں، ظاہر ہے کہ ان سے تو بچنا ضروری ہے۔ اور اگر غور سے دیکھو تو کاموں کی یہ جو تیسری قسم ہے۔ جس میں نہ نقصان ہے اور نہ نفع ہے، وہ بھی حقیقت میں نقصان دہ ہیں۔ اس لئے کہ جب تم ایسے کام میں اپنا وقت لگا رہے ہو۔ جس میں کوئی نفع نہیں ہے، حالانکہ اس وقت کو تم ایسے کام میں لگا سکتے تھے۔ جس میں نفع ہو، تو گویا کہ تم نے اس وقت کو برباد کر دیا۔ اور اس وقت کے نفع کو ضائع کر دیا۔

یہ بھی حقیقت میں بڑا نقصان ہے

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ فرض کریں کہ ایک شخص ایک جزیرے میں گیا، اور اس جزیرہ میں ایک سونے کا ٹیلہ ہے۔ اس ٹیلے کے مالک نے اس شخص سے کہا کہ جب تک تمہیں ہماری طرف سے

اجازت ہے، اس وقت تک تم اس میں سے جتنا سونا چاہو نکال لو، وہ سونا تمہارا ہے۔ لیکن ہم کسی بھی وقت تمہیں اچانک سونا نکالنے سے منع کر دیں گے کہ بس اب اجازت نہیں۔ البتہ ہم تمہیں یہ نہیں بتائیں گے کہ کس وقت تمہیں سونا نکالنے سے منع کر دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد تمہیں جبراً اس جزیرے سے نکلنا پڑے گا، کیا وہ شخص کوئی لمحہ ضائع کرے گا؟ کیا وہ شخص یہ سوچے گا کہ ابھی تو بہت وقت ہے۔ پہلے تھوڑی سی تفریح کر کے آ جاؤں۔ پھر سونا نکال لوں گا، وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ تو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر یہ کوشش کرے گا کہ اس میں سے جتنا زیادہ سے زیادہ سونا نکال سکتا ہوں، وہ نکال لوں۔ اس لئے کہ جو سونا نکال لوں گا۔ وہ میرا ہو جائے گا، اب اگر وہ شخص سونا نکالنے کے بجائے ایک طرف الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ تو بظاہر اس میں تو نہ نفع ہے، نہ نقصان ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ بہت بڑا نقصان ہے۔ وہ نقصان یہ ہے کہ جو بہت بڑا نفع حاصل ہوتا تھا۔ وہ صرف اپنی غفلت سے چھوڑ دیا۔

ایک تاجر کا انوکھا نقصان

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کے پاس ایک تاجر آیا کرتے تھے۔ ان کی بہت بڑی تجارت تھی۔ ایک مرتبہ وہ آ کر کہنے لگے کہ حضرت کیا عرض کروں، کوئی دعا فرمادیں، بہت سخت نقصان ہو گیا ہے، والد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر بڑا دکھ ہوا کہ یہ بے چارہ پتہ نہیں کس مصیبت کے اندر گرفتار ہو گیا، پوچھا کہ کتنا نقصان ہو گیا، اس نے کہا حضرت کروڑوں کا نقصان ہو گیا، والد صاحب نے فرمایا کہ ذرا تفصیل تو بتاؤ کہ کس قسم کا نقصان ہوا؟ جب انہوں نے اس نقصان کی تفصیل بتائی تو معلوم ہوا کہ کروڑوں کا ایک سودا ہونے والا تھا، وہ نہیں ہو پایا۔ بس اس کے علاوہ جو لاکھوں پہلے سے آرہے تھے، وہ اب بھی آرہے ہیں۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی، لیکن ایک سودا جو ہونے والا تھا، وہ نہیں ہوا۔ اس کے نہ ہونے کے بارے میں بتایا کہ یہ بہت زبردست نقصان ہو گیا، حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس شخص نے نفع نہ ہونے کو نقصان سے تعبیر کر دیا۔ یعنی جس نفع کی توقع تھی وہ نہیں ہوا، اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت بڑا نقصان ہو گیا۔

اس واقعہ کے بیان کے بعد والد صاحب فرماتے کہ کاش کہ یہ بات وہ دین کے بارے میں بھی سوچ لیتا کہ اگر میں اس وقت کو ڈھنگ کے کام میں لگاتا۔ تو اس کے ذریعہ دین کا اور آخرت کا اتنا بڑا فائدہ ہوتا، وہ رہ گیا، جس کی وجہ سے یہ نقصان ہو گیا۔

ایک بپے کا قصہ

ایک بات ہے تو ہنسی کی۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ سمجھنے والی عقل دے تو اس میں سے بھی کام کی باتیں

نکلتی ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ جو مشہور حکیم ہیں۔ انہوں نے ایک دن یہ قصہ سنایا کہ ایک بنیا عطار تھا۔ جو دوائیں بیچا کرتا تھا۔ اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ دوکان پر بیٹھتا تھا۔ ایک دن اس کو کسی ضرورت سے کہیں جانا پڑا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا۔ مجھے ذرا ایک کام سے جانا ہے، تو ذرا دوکان کی دیکھ بھال کرنا۔ اور احتیاط سے سودا وغیرہ فروخت کرنا، بیٹے نے کہا بہت اچھا۔ اور اس بیٹے نے اپنے بیٹے کو ہر چیز کی قیمت بتادی کہ فلاں چیز کی یہ قیمت ہے، فلاں چیز کی یہ قیمت ہے۔ یہ کہہ کر وہ بنیا چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک گاگ آ یا۔ اور شربت کی دو بوتلیں اس نے خریدیں۔ بیٹے نے وہ دو بوتلیں سو سو روپے کی فروخت کر دیں، تھوڑی دیر کے بعد جب باپ واپس آیا تو اس نے بیٹے سے پوچھا کہ کیا کیا بکری ہوئی؟ بیٹے نے بتا دیا کہ فلاں فلاں چیزیں بیچ دیں اور یہ دو بوتلیں بھی بیچ دیں۔ باپ نے پوچھا کہ یہ بوتلیں کتنے میں بیچیں؟ بیٹے نے کہا کہ سو سو روپے کی بیچ دیں۔ یہ جواب سن کر باپ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اور بیٹے سے کہا کہ تم نے تو میرا کباڑہ کر دیا ہے بوتلیں تو دو دو ہزار کی تھیں، تو نے سو سو روپے کی بیچ دیں؟ بڑا ناراض ہوا۔ اب بیٹا بھی بڑا رنجیدہ ہوا کہ افسوس، میں نے باپ کا اتنا بڑا نقصان کر دیا۔ اور بیٹھ کر رونے لگا۔ اور باپ سے معافی مانگنے لگا کہ ابا جان، مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ میں نے آپ کا بہت بڑا نقصان کر دیا۔ جب باپ نے دیکھا کہ یہ بہت ہی رنجیدہ غمگین اور پریشان ہے۔ تو اس نے بیٹے سے کہا کہ بیٹا، اتنی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ تو نے جو بوتلیں سو سو روپے کی بیچیں۔ اس سو روپے میں اٹھانوے روپے اب بھی نفع کے ہیں۔ باقی اگر تم زیادہ ہوشیاری سے کام لیتے تو ایک بوتل پر دو ہزار روپے مل جاتے، بس یہ نقصان ہوا، باقی گھر سے گیا کچھ نہیں۔

بہر حال! تاجر کو اگر نفع نہ ہو تو وہ کہتا ہے کہ بہت نقصان ہوا تو بھائی۔ جب دنیا کی تجارت میں یہ اصول ہے کہ نفع نہ ہونا نقصان ہے۔ تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دین کے بارے میں یہ سوچ لو اگر یہ لمحات زندگی ایسے کام میں لگا دیئے جس میں نفع نہیں ہوا۔ تو حقیقت میں یہ بھی نقصان ہے نفع کا سودا نہیں۔ بلکہ نقصان کا سودا ہے۔ اس لئے کہ اگر تم چاہتے تو اس سے آخرت میں بہت نفع حاصل کر لیتے۔ اس طرح اپنی زندگی گزرا کر دیکھو۔

موجودہ دور اور وقت کی بچت

اور یہ بھی ذرا سوچو کہ اللہ جل جلالہ نے ہمیں اس دور میں کتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور ایسی ایسی نعمتیں ہمیں دے دیں کہ جو ہمارے آباء و اجداد کے تصور میں بھی نہیں تھیں۔ مثلاً پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی چیز بنانی ہوتی تو پہلے لکڑیاں لائی جائیں، پھر ان کو سکھایا جائے۔ پھر ان کو سلگایا جائے۔ اب اگر

ذرا سی چائے بھی بنانی ہے تو اس کے لئے ادھا گھنٹہ چاہئے۔ اب الحمد للہ گیس کے چولھے ہیں، اس کا ذرا سا کان مروڑا، اور دو منٹ کے اندر چائے تیار ہو گئی، اب صرف چائے کی تیاری پر اٹھائیس منٹ بچے پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر روٹی پکانی ہے تو پہلے گندم آئے گا۔ اس کو چکی میں پیسا جائے گا۔ پھر آٹا گوندیں گے، پھر جا کر روٹی پکے گی۔ اب ذرا سا بٹن دبایا اب مسالہ بھی تیار ہے۔ آٹا بھی تیار ہے، اس کام میں بھی بہت وقت بچ گیا۔ اب بتاؤ یہ وقت کہاں گیا؟ کس کام میں آیا؟ کہاں صرف ہوا؟ لیکن اب بھی خواتین سے کہاں جائے کہ فلاں کام کر لو۔ تو جواب ملتا ہے کہ فرصت نہیں ملتی۔ پہلے زمانے میں یہ تمام کام کرنے کے باوجود خواتین کو عبادت کی بھی فرصت تھی، تلاوت کی بھی فرصت تھی، ذکر کرنے کی بھی فرصت تھی، اللہ کو یاد کرنے کی بھی فرصت تھی، اب اللہ تعالیٰ نے ان نئے آلات کی نعمت عطا فرمادی تو اب ان خواتین سے پوچھا جائے کہ تلاوت کی توفیق ہو جاتی ہے۔؟ تو جواب ملتا ہے کہ کیا کریں، گھر کے کام دھندوں سے فرصت نہیں ملتی، پہلے زمانے میں سفر یا تو پیدل ہوتا تھا، یا گھوڑوں اور اونٹوں پر ہوتا تھا۔ اس کے بعد ٹانگوں اور سائیکلوں پر ہونے لگا۔ اور جس مسافت کو طے کرنے میں مہینوں صرف ہوتے تھے۔ اب گھنٹوں میں وہ مسافت طے ہو جاتی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے گزشتہ کل میں اس وقت مدینہ منورہ میں تھا۔ اور کل ظہر، عصر مغرب، عشاء چاروں نمازیں مدینہ طیبہ میں ادا کیں اور آج جمعہ کی نماز یہاں آ کر ادا کر لی۔ پہلے کوئی شخص کیا یہ تصور کر سکتا تھا، کہ کوئی شخص مدینہ منورہ سے اگلے دن واپس لوٹ آئے۔ بلکہ پہلے تو اگر کسی کو حرمین شریفین کے سفر پر جانا ہوتا تو لوگوں سے اپنی خطائیں معاف کرا کر جایا کرتے تھے۔ اس لئے کہ مہینوں کا سفر ہوتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے سفر کو اتنا آسان فرمادیا ہے کہ آدمی چند گھنٹوں میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔ جو سفر پہلے ایک مہینے میں ہوتا تھا، تو اب ایک دن میں ہو گیا۔ اور انتیس دن بچ گئے۔ اب اس کا حساب لگاؤ کہ وہ انتیس دن کہاں گئے؟ اور کس کام میں صرف ہو گئے؟ معلوم ہوا کہ وہ انتیس دن ضائع کر دیئے اور اب بھی وہی حال ہے کہ فرصت نہیں، وقت نہیں، کیوں وقت نہیں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں اس لئے عطا فرمائی تھیں کہ وقت بچا کر مجھے یاد کرو۔ اور میری طرف رجوع کرو۔ اور آخرت کی تیاری کرو۔ اور اس کی فکر کرو۔

شیطان نے ٹیپ ٹاپ میں لگا دیا

شیطان نے یہ سوچا کہ یہ جو وقت بچ گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کی یاد میں صرف ہو جائے اس لئے اس نے اور دھندے نکال دیے۔ مثلاً اس نے ہم لوگوں کو ٹیپ ٹاپ میں لگا دیا ہے اور یہ خیال دل میں ڈالا کہ گھر میں فلاں چیز ہونی چاہئے، اور فلاں چیز ہونی چاہئے، اور اب چیز کی خریداری کے لئے

پیسے بھی ہونے چاہئیں اور پیسے کمانے کے لئے فلاں کام کرنا چاہئے۔ تو اب ایک نیا دھندا شروع ہو گیا۔ آج ہم سب اس کے اندر مبتلا ہیں۔ سب ایک کشتی کے سوار ہیں، مل کر بیٹھ گئے ہیں تو اب گپ شپ ہو رہی ہیں۔ اور ایک بے کار کام میں وقت گزر رہا ہے۔ اس وقت کا کوئی صحیح مصرف نہیں ہے۔ یہ سب وقت کو ضائع کرنے والے کام ہیں۔

خواتین میں وقت کی ناقدری

وقت ضائع کرنے اور ٹیپ ٹاپ کا مرض خاص طور پر خواتین میں بے انتہا پایا جاتا ہے۔ جو کام ایک منٹ میں ہو سکتا ہے، اس میں ایک گھنٹہ صرف کریں گی۔ اور جب آپس میں بیٹھیں گی تو لمبی لمبی باتیں کریں گی۔ اور جب باتیں لمبی لمبی ہوں گی تو اس میں غیبت بھی ہوگی۔ جھوٹ بھی نکلے گا کسی کی دل آزاری بھی ہو جائے گی۔، خدا جانے کن کن گناہوں کا ارتکاب اس گفتگو میں شامل ہو جائے گا، اس لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو پایا ہے۔ جو اپنے لمحات زندگی کو سونے چاندی سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بے فائدہ کام میں صرف ہو جائیں۔

بدلہ لینے میں کیوں وقت ضائع کروں؟

یہ قصہ آپ حضرات کو پہلے بھی سنایا تھا کہ ایک شخص اولیاء کی نسبت معلوم کرنے کے لئے نکلے۔ ایک بزرگ سے ملاقات کی۔ اور ان کے سامنے اپنا مقصد بیان کیا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ تم فلاں مسجد میں جاؤ۔ وہاں تمہیں تین بزرگ ذکر کرتے ہوئے ملیں گے۔ تم جا کر پیچھے سے ان تینوں کو ایک دھول رسید کر دینا۔ وہ صاحب مسجد میں پہنچے اور دیکھا کہ واقعی تین بزرگ ذکر میں مشغول ہیں۔ اس نے پیچھے سے جا کر ایک بزرگ کو دھول رسید کر دیا۔ تو ان بزرگ نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اور اپنے ذکر کے اندر مشغول رہے، کیوں؟ اس لئے کہ ان انہوں نے یہ سوچا کہ جتنی دیر میں میں پیچھے مڑ کر دیکھوں گا کہ کس نے دھول مارا ہے۔ اور اس سے بدلہ لوں گا۔ اتنی دیر میں تو میں کئی بار ”سبحان اللہ“ کہہ لوں گا، اس سے جو مجھے فائدہ ہوگا بدلہ لینے سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت میاں نور محمد اور وقت کی قدر

حضرت میاں جی نور محمد جنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب بازار میں کوئی چیز خریدے جاتے تو ہاتھ میں پیسوں کی تھیلی ہوتی۔ اور چیز خریدنے کے بعد خود پیسے گن کر دکاندار کو نہیں دیتے تھے۔ بلکہ پیسوں کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دیتے۔ اور اس سے کہتے کہ خود ہی اس میں سے پیسے نکال لو۔ اس

لئے کہ اگر میں نکالوں گا۔ اور اس میں مجھے تو وقت لگے گا۔ اتنی دیر میں سبحان اللہ کئی مرتبہ کہہ لوں گا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے پیسوں کی تھیلی اٹھائے ہوئے جا رہے تھے۔ کہ پیچھے سے ایک چور اچکا آیا، اور وہ تھیلی چھین کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت میاں جی نور محمد نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے سوچا کہ کون اس چکر میں پڑے کہ اس کے پیچھے بھاگے۔ اور اس کو پکڑے، بس اللہ اللہ کرو، بہر حال ان حضرات کا مزاج یہ تھا کہ ہم اپنی زندگی کے اوقات کو کیوں ایسے کاموں میں صرف کریں جس میں آخرت کا فائدہ نہ ہو۔

معاملہ تو اس سے زیادہ جلدی کا ہے

درحقیقت یہ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کے ایک ارشاد پر عمل تھا۔ جب میں اس حدیث کو پڑھتا ہوں تو مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ مگر چونکہ بزرگوں سے اس حدیث کی تشریح بھی سنی ہوئی ہے۔ اس لئے بے تابی نہیں ہوتی۔ لیکن بہر حال، یہ بڑی عبرت کی حدیث ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میری ایک جھونپڑی تھی۔ حدیث میں لفظ ”خص“ آیا ہے۔ ”خص“ عربی میں جھونپڑی کو کہتے ہیں۔ اس جھونپڑی میں میں کچھ ٹوٹ پھوٹ ہو گئی تھی۔ اس لئے ایک روز میں اس جھونپڑی کی مرمت کر رہا تھا۔ اس وقت حضور اقدس ﷺ میرے پاس سے گزرے۔ اور مجھ سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے جواب میں کہا:

”خُصُّ لَنَا وَهِيَ فَتُخَنُّ نَصْلِحُهَا“

یا رسول اللہ! ہم تو اپنی جھونپڑی کو ذرا درست کر رہے ہیں آپ نے فرمایا:

((مَا أَرَى الْأَمْرَ إِلَّا أَعْجَلَ مِنْ ذَلِكَ)) (۱)

بھائی، معاملہ تو اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے۔

مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کے جو لمحات عطا فرمائے ہیں، یہ پتہ نہیں کب ختم ہو جائیں۔ اور موت آجائے۔ اور آخرت کا کام شروع ہو جائے۔ اور آخرت کا عالم شروع ہو جائے۔ یہ لمحات جو اس وقت میسر ہیں یہ بڑی جلدی کا وقت ہے۔ اس میں تم یہ اپنے گھر کی مرمت کا فضول کام لے بیٹھے؟ اب دیکھئے کہ وہ صحابی کوئی بڑا عالیشان مکان نہیں بنا رہے تھے۔ یا اس کی تزئین اور آرائش کا کام نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ صرف اپنی جھونپڑی کی مرمت کر رہے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ

(۱) سنن الترمذی، کتاب الزہد عن رسول اللہ، باب ما جاء فی قصر الامل، رقم: ۲۲۵۷، سنن ابی

داؤد، کتاب الأدب، باب ما جاء فی البناء، رقم: ۴۵۵۸، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب فی

البناء والخراب، رقم: ۴۱۵۰، مسند أحمد، رقم: ۶۲۱۳

معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے، حضرات علماء نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ان صحابی کو اس کام سے منع نہیں فرمایا کہ تم یہ کام مت کرو، یہ کام گناہ ہے۔ اس لئے کہ وہ کام گناہ نہیں تھا۔ مباح اور جائز تھا۔ لیکن آپ نے ان صحابی کو اس طرف توجہ دلا دی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری ساری توجہ، سارا دھیان، ساری کوشش اور ساری دوڑ دھوپ اسی دنیا کے ارد گرد ہو کر رہ جائے۔

بہر حال، اگر ہم سو فیصد ان بزرگوں کی اتباع نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ تو کر لیں کہ ہم فضول کاموں میں اپنا وقت برباد کر رہے ہیں، اس سے بچ جائیں۔ اور اپنے لحاظ زندگی کو کام میں لگائیں۔ اور حقیقت یہ ہے آدمی اس ذکر کی بدولت زندگی کے لمحے کو آخرت کی تیاری کے لئے صرف کر سکتا ہے، چل رہا ہے، پھر رہا ہے، مگر زبان پر اللہ جل جلالہ کا ذکر جاری ہے۔ اور ہر کام کرتے وقت اپنی نیت درست کر لو تو یہ وقت بے مصرف اور بے کار ضائع نہیں ہوگا۔

حضور ﷺ کا دنیا سے تعلق

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ رات کو بستر پر سوتے تو آپ کے جسم اطہر پر نشان پڑ جایا کرتے تھے، تو ایک مرتبہ میں نے آپ کے بستر کی چادر کو دہرا کر کے بچھا دیا تاکہ نشان نہ پڑیں اور زیادہ آرام ملے۔ جب صبح بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا اے عائشہ! اس کو دھرامت کیا کرو۔ اس کو اکھرا ہی رہنے دو۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے دیوار کی آرائش کے لئے ایک پردہ لٹکا دیا تھا۔ جس پر تصویریں تھیں، تو آپ ﷺ نے اسی وقت سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ میں اس وقت تک گھر میں داخل نہیں ہوں گا جب تک یہ پردہ نہیں ہٹا دوں گی۔ اس لئے کہ اس میں تصویر ہے۔ اور ایک مرتبہ زینت اور آرائش کے لئے ایسا پردہ لٹکا یا جس میں تصویر تو نہیں تھی۔ لیکن اس کو دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا:

((مَا لِيُ وَلِلدُّنْيَا مَا أَنَا وَالِدُنْيَا إِلَّا كَرَاحِيبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا)) (۱)

”ارے، میرا دنیا سے کیا کام، میری مثال تو ایک سوار کی سی ہے۔ جو کسی درخت کی

(۱) سنن الترمذی، کتاب الزہد عن رسول اللہ باب ماجاء فی أخذ المال بحقہ، رقم: ۲۲۹۹، سنن

ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب مثل الدنیا، رقم: ۴۰۹۹

چھاؤں میں تھوڑی دیر کے لئے سایہ لیتا ہے۔ اور پھر اس سایہ کو چھوڑ کر آگے چلا جاتا ہے، میرا تو یہ حال ہے“

بہر حال، امت کو ان چیزوں سے منع تو نہیں کیا۔ لیکن اپنے عمل سے امت کو یہ سبق دیا کہ دنیا کے اندر زیادہ دل نہ لگاؤ، اس پر زیادہ وقت صرف نہ کرو اور آخرت کی تیاری میں لگو۔

دنیا میں کام کا اصول

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

((اعْمَلْ لِدُنْيَاكَ بِقَدْرِ مَقَامِكَ فِيهَا وَاعْمَلْ لِآخِرَتِكَ بِقَدْرِ بَقَائِكَ فِيهَا)) (۱)
”دنیا کے لئے اتنا کام کرو۔ جتنا دنیا میں رہنا ہے، اور آخرت کے لئے اتنا کام کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے“

اب ہمیشہ تو آخرت میں رہنا ہے لہذا اس کے لئے کام زیادہ کرو۔ اور دنیا میں چونکہ کم رہنا ہے، اس لئے اس کے لئے کام کم کرو۔ یہ حضور اقدس ﷺ کی تعلیم ہے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگرچہ اتنی اونچی پرواز نہ سہی کہ ہم حضرت میاں جی نور محمد رحمہ اللہ کے مقام تک یا ان دوسرے بزرگوں کے مقامات تک پہنچ جائیں۔ لیکن کم از کم اتنا تو ہو جائے کہ دنیا سے دل لگا کر آخرت سے غافل اور بے پرواہ نہ ہو جائیں۔ اور اپنی زندگی کے اوقات کو کسی طرح آخرت کے کام کے لئے استعمال کر لیں۔

وقت سے کام لینے کا آسان طریقہ

اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دو کام کرلو۔ ایک یہ کہ ہر کام کے اندر نیت کی درستگی اور اس کے اندر اخلاص ہو کہ جو کام بھی کروں گا، اللہ کی رضا کی خاطر کروں گا۔ مثلاً کھاؤں گا تو اللہ کی رضا کے لئے کھاؤں گا، کماؤں گا تو اللہ کی رضا کے لئے کماؤں گا، گھر میں اگر اپنی بیوی بچوں سے باتیں کروں گا تو اللہ کی رضا کی خاطر کروں گا اور اتباع سنت کی نیت سے کرنا دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے ہو، اس میں کیا خرچ ہوتا ہے کہ آدمی چلتے پھرتے ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ پڑھتا رہے۔ کیا اس کے پڑھنے میں کوئی محنت لگتی ہے؟ کوئی روپیہ پیسہ خرچ ہوتا ہے؟ یا زبان گھس جاتی ہے؟ لیکن اگر انسان یہ ذکر کرتا رہے تو اس کے لمحات زندگی کام میں لگ جائیں گے۔

(۱) بریقہ محمودیہ فی شرح طریقہ محمدیہ وشریعة نبویہ (۴/۲۸۳)، تفسیر حق (۱۲/۱۴۹)

اپنے اوقات کا چٹھا بناؤ

تیسرے یہ کہ فضولیات سے اجتناب کرو۔ اور اوقات کو ذرا تول تول کر خرچ کرو۔ اور اس کے لئے ایک نظام الاوقات بناؤ۔ اور پھر اس نظام الاوقات کے مطابق زندگی گزارو۔ میرے والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر تاجر اپنا چٹھا تیار کرتا ہے۔ کہ کتنا روپیہ آیا تھا اور کتنا خرچ ہوا۔ اور کتنا نفع ہوا؟ اسی طرح تم بھی اپنے اوقات کا چٹھا بناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں چوبیس گھنٹے عطا فرمائے تھے۔ اس میں سے کتنا وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں صرف ہوا؟ اور کتنا وقت غلط کاموں میں صرف ہوا۔ اس طرح اپنے نفع اور نقصان کا حساب لگاؤ۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تجارت خسارے میں جا رہی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِّنْ عَذَابِ أَلِيمٍ
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَلِكُمْ
خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۱)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے نجات عطا کر دے۔ وہ تجارت یہ ہے کہ اللہ پر ایمان رکھو اور اس کے رسول اللہ پر ایمان رکھو اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔

یہ بھی جہاد ہے

لوگ ”جہاد“ کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ایک آدمی تلوار اور بندوق لے کر میدان جہاد میں جائے، بے شک وہ جہاد کا ایک اعلیٰ فرد ہے، لیکن جہاد اس میں منحصر نہیں۔ جہاد کا ایک فرد یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے نفس سے جہاد کرے، اپنی خواہشات سے جہاد کرے، اپنے جذبات سے جہاد کرے۔ دل میں اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی جذبہ پیدا ہو رہا ہے تو اس کو روکے، یہ بھی جہاد ہے۔ اور آخرت کی تجارت ہے۔ جس کا نفع اور فائدہ آخرت میں ملنے والا ہے۔ اور میں نے اپنے والد صاحب سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد سنا کہ جو شخص اپنا نظام الاوقات نہیں بناتا اور اپنے اوقات کا حساب نہیں رکھتا کہ کہاں خرچ ہو رہے ہیں۔ درحقیقت آدمی ہی نہیں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق

(۱) الصف: ۱۰-۱۱، آیت کا ترجمہ یہ ہے: ”اے ایمان والو! کیا تمہیں ایک ایسی تجارت کا پتہ دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلا دے؟ (وہ یہ ہے کہ) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے اس کے راستے میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہترین بات ہے اگر تم سمجھو“

عطا فرمائے۔ اور آپ حضرات کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نیک کام کو مت ٹالو

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا ارشاد یہ ہے:

”ابْنَ آدَمَ! اِيَّاكَ وَالتَّسْوِيفَ“

”اے آدم کے بیٹے! ٹال مٹول سے بچو“

یعنی انسان کا نفس ہمیشہ نیک اعمال کو ٹالتا رہتا ہے۔ کہ اچھا یہ کام کل سے کریں گے، پرسوں سے کریں گے، ذرا فرصت ملے گی تو کر لیں گے، ذرا فلاں کام سے فارغ ہو جائیں تو پھر کریں گے، یہ ٹالنا اچھا نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ کسی نیک کام کو مت ٹلاؤ۔ اس لئے کہ جس کام کو ٹلا دیا وہ ٹل گیا۔ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس کام کے لئے اہتمام کرے۔

دل میں اہمیت ہو تو وقت مل جاتا ہے

میرے ایک استاذ نے اپنا واقعہ سنایا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے شکایت کی کہ آپ کبھی ہمارے پاس آتے ہی نہیں، نہ رابطہ رکھتے ہیں اور نہ خط لکھتے ہیں۔ تو میں جواب میں کہا کہ حضرت فرصت نہیں ملتی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ دیکھو، جس چیز کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ فرصت نہیں ملی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کی اور اس کام کی اہمیت دل میں نہیں۔ کیونکہ جب کام کی اہمیت دل میں ہوتی ہے۔ آدمی اس کام کے لئے وقت اور فرصت زبردستی نکال ہی لیتا ہے۔ اور جو شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں کام اس لئے نہیں کیا کہ فرصت نہیں ملی۔ تو مطلب یہ ہے کہ اس کام کی اہمیت دل میں نہیں۔

اہم کام کو فوقیت دی جاتی ہے

ہمیشہ یہ بات یاد رکھو کہ جب آدمی کے پاس بہت سارے کام جمع ہو جائیں۔ تو اب ظاہر ہے کہ ایک وقت میں وہ ایک ہی کام کرے گا یا اسے کرے گا، یا اُسے کرے گا۔ سب کام تو ایک ساتھ کر نہیں سکتا۔ تو اس وقت آدمی اسی کام کو پہلے کرے گا۔ جس کی اہمیت دل میں زیادہ ہوگی۔ یا ایک شخص ایک کام کر رہا تھا، اس وقت اس کے پاس کوئی دوسرا کام آ گیا۔ اگر وہ پہلے کام سے زیادہ اہم ہے۔ تو وہ پہلے کام کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام کی اہمیت دل میں

ہوتی ہے، آدمی اس کام کے لئے وقت نکال ہی لیتا ہے۔ مثلاً آپ بہت سے کاموں میں مشغول ہیں، اس وقت وزیراعظم کا یہ پیغام آ جائے۔ کہ آپ کو بلایا ہے۔ تو کیا اس وقت بھی یہ جواب دو گے میں بہت مصروف ہوں۔ مجھے فرصت نہیں۔ وہاں تو یہ جواب آپ نہیں دیں گے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ کے دل میں اس کی اہمیت ہے۔ اور جس چیز کی اہمیت ہوتی ہے آدمی اس کے لئے وقت اور فرصت نکال ہی لیتا ہے۔ اس لئے نیک اعمال کو فرصت پر ٹالنا کہ جب فرصت ملے گی تو کریں گے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اہمیت دل میں نہیں۔ جس دن دل میں اہمیت آئے گی۔ اس دن سب فرصت ملی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تمہارے پاس صرف آج کا دن ہے

آگے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا:

”فَإِنَّكَ بِیَوْمِكَ وَلَسْتَ بِغَدٍ، وَإِنْ يُكُنْ غَدًا لَّكَ فَكَسْ فِیْ غَدٍ كَمَا كَسْتَ فِی الْیَوْمِ“

یعنی آج کا دن تمہارے پاس یقینی ہے۔ کل کا دن تمہارے پاس یقینی نہیں۔ کیا کسی کو اس بات کا یقین ہے کہ کل ضرور آئے گی؟ جب کل کا دن یقینی نہیں ہے تو جو کام ضروری ہے وہ آج ہی کے دن کر لو، پتہ نہیں کل آئے گی یا نہیں، اور یہ یقین مت کرو کہ کل ضرور آئے گی۔ بلکہ اس مفروضے پر کام کرو کہ کل نہیں آئی ہے۔ اس لئے جو بھی ضروری کام کرنا ہے۔ وہ آج ہی کرنا ہے۔ اگر کل کا دن مل جائے، اور کل آ جائے تو کل کے دن بھی ایسے ہی ہو جاؤ، جیسے آج ہوئے تھے۔ یعنی اس دن کے بارے میں یہ یقین کر لو کہ یہ آج کا دن میرے پاس ہے۔ کل کا دن نہیں ہے، اور اگر وہ کل نہ آئی تو کم از کم تمہیں یہ پشیمانی نہیں ہوگی کہ میں نے کل کا دن ضائع کر دیا۔ اس لئے ہر دن کو اپنی زندگی کا آخری دن خیال کرو۔

شاید یہ میری آخری نماز ہو

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو اس طرح نماز پڑھو جیسے دنیا سے رخصت ہونے والا نماز پڑھتا ہے اور اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کل کو مجھے نماز پڑھنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ تاکہ جو کچھ حسرت اور جذبہ نکالنا ہے، وہ اسی میں نکال لوں، کیا پتہ کہ اگلی نماز کا وقت آئے گا یا نہیں؟ (۱)

بہر حال، یہ ساری باتیں جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائیں۔ ایمان اور اعتقاد کے درجے میں ہر مسلمان کو معلوم ہیں کہ کل کا پتہ نہیں، آج یقینی ہے، لیکن وہ علم کس کام کا جس پر انسان کا عمل نہ ہو؟ علم تو وہ ہے جو انسان کو عمل پر آمادہ کرے، تو ان بزرگوں کی باتوں میں یہ برکت ہوتی ہے کہ اگر ان کو طلب کے ساتھ پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے عمل کی توفیق بھی عطا فرمادیتے ہیں۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ نکلا کہ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کو غنیمت سمجھو۔ اور اس کو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت میں صرف کرنے کی کوشش کرو۔ غفلت، بے پروائی اور وقت کی فضول خرچی سے بچو، کسی نے خوب کہا ہے:

یہ کہاں کا فساتہ سود و زیاں
جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصت عمر ہے کم
جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارا اور آپ کا یہ حال بنادے کہ اپنے اوقات زندگی کو اللہ کے ذکر اور اس کی یاد اور آخرت کے کام اور اطاعت کے کام میں صرف کریں۔ اور فضولیات سے بچیں اور اللہ تعالیٰ ان باتوں پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆

نظم و ضبط ☆

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اور اس کے تمام احکام انسان کی فلاح و بہبود ہی کے لئے ہیں، اس لئے اس کی ہر تعلیم میں انسانی فطرت کی پوری پوری رعایت موجود ہے، اور چنانچہ اسلام نے صرف احکام و قوانین دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنی ہر تعلیم میں اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں میں نظم و ضبط اور سلیقہ پیدا ہو، کیونکہ جو کام بد نظمی اور بے ڈھنگے پن سے کیا جائے اس سے صرف ظاہری بدنہائی ہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات اس کام کے خاطر خواہ نتائج بھی حاصل نہیں ہو پاتے۔ قرآن کریم کی سورہ صافات اس آیت کریمہ سے شروع ہوئی ہے:

﴿وَالصَّافَّاتِ صَفًّا﴾ (۱)

یعنی قسم ہے ان کی جو اللہ کی عبادت کے لئے اچھی طرح صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اس آیت میں ان فرشتوں کی تعریف کی گئی ہے جو صف بستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اور اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام میں نظم و ضبط اور ترتیب و سلیقہ کا لحاظ رکھنا دین میں مطلوب اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو یا اس کے احکام کی تعمیل، یہ دونوں مقصد اس طرح بھی حاصل ہو سکتے تھے کہ یہ فرشتے صف باندھنے کے بجائے ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں جمع ہو جایا کریں، لیکن اس بد نظمی کے بجائے ان کو صف بندی کی توفیق دی گئی، اور اس آیت میں ان کے اچھے اوصاف میں سب سے پہلے اسی وصف کو ذکر کر کے بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند ہے۔

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو جو احکام عطا فرمائے ہیں، ان میں نظم و ضبط کی رعایت ہر جگہ واضح ہے، مثلاً نماز جو اسلام کی اہم ترین عبادت ہے، درحقیقت اس کا مقصد بندوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑنا ہے، لہذا بظاہر اس کا یہ طریقہ زیادہ مناسب تھا کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ انفرادی طور سے نماز ادا

کر لیا کرے، لیکن اسلام نے صرف نماز ادا کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس بات کی تاکید فرمائی کہ ہر فرض نماز حتی الامکان مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی جائے، اور جماعت میں بھی اس بات کو ناگزیر قرار دیا کہ نماز پڑھنے والے اپنے میں سے کسی شخص کو اپنا امام بنالیں اور پھر نماز کی ہر نقل و حرکت میں اس کی پوری پوری اقتدا کریں، حدیث ہے کہ اگر امام سے بھول چوک کی بنا پر کوئی غلطی ہو جائے تو مقتدیوں کو اس بات کی تو اجازت ہے کہ وہ سُبْحَانَ اللّٰہ یا اللّٰہ اَکْبَر کہہ کر امام کو غلطی پر متنبہ کر دیں، لیکن امام کی اقتداء چھوڑ کر اپنی نماز درست کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ یہ بات نماز کے نظم و ضبط کے خلاف ہے۔ پھر نماز میں کھڑے ہونے کا جو طریقہ اسلام نے بتایا ہے وہ نظم و ضبط کی مجسم تعلیم ہے، مثلاً جماعت میں صف بندی کی بڑی تاکید کی گئی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہم سے فرمایا ”تم (نماز میں) اسی طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے حضور کرتے ہیں؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا ”فرشتے اپنے رب کے حضور کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ”وہ صفوں کو پورا کرتے ہیں، اور صف میں پیوست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں“ (یعنی بیچ میں خالی جگہ نہیں چھوڑتے) (۱)

نماز میں صفوں کو پورا کرنے اور سیدھا رکھنے کی تاکید میں اتنی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ ان سے ایک پورا رسالہ تیار ہو سکتا ہے، حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے کہ سیدھے رہو، آگے پیچھے مت ہو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ (۲)

پھر نماز کے جو پانچ اوقات اسلام نے مقرر فرمائے ہیں ان کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ وہ انسان کی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم یہ بھی دیا جاسکتا تھا کہ ہر شخص جب وقت چاہے پانچ نمازیں پڑھ لیا کرے، لیکن نمازوں کے پانچ اوقات مقرر فرما کر اسلام نے ایک

- (۱) صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الأمر بالسكون فی الصلاة والنهی عن الاشارة بالید، رقم: ۶۵۱، سنن النسائی، کتاب الإمامة، باب حث الإمام علی رض الصفوف والمقاربة بینہما، رقم: ۸۰۷، سنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، رقم: ۵۶۵، سنن ابن ماجہ، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیہا، باب إقامة الصفوف، رقم: ۹۸۲، مسند أحمد، رقم: ۲۰۰۵۹
- (۲) صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول منہا، رقم: ۶۵۴، سنن النسائی، کتاب الإمامة، باب من یلی الإمام ثم الذی یلیہ، رقم: ۷۹۸، سنن ابن ماجہ، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیہا، باب من یستحب ان یلی الإمام، رقم: ۹۶۶، مسند أحمد، رقم: ۱۶۴۸۶، سنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب من یلی الإمام من الناس، رقم: ۱۲۳۸

مسلمان کی پوری زندگی کو نظم بنا دیا ہے، اس طریقے سے ایک نمازی مسلمان اپنے چوبیس گھنٹے کے معمولات کو بڑی آسانی سے پانچ حصوں پر منقسم کر کے اپنا بہترین نظام الاوقات ترتیب دے سکتا ہے جس میں اپنی ذاتی ضروریات، دنیوی مشاغل اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کا بہترین امتزاج ہو۔

روزہ بھی ایک عظیم الشان عبادت اور نفس کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہے، اور اس کی ادائیگی بظاہر اس طرح بھی ممکن تھی کہ ہر شخص جب چاہتا تیس روزے پورے کر لیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بجائے پوری امت کو ایک ہی مہینے میں روزوں کا اس طرح پابند بنا دیا کہ ایک علاقے کے لوگ ایک ہی وقت میں کھانا پینا چھوڑتے اور ایک ہی وقت میں افطار کرتے ہیں۔

اسی طرح زکوٰۃ جو اسلام کے مالی احکام میں سب سے بنیادی اہمیت رکھتی ہے، اس کے جہاں اور بہت سے فوائد ہیں، وہاں اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے ہر انسان کو اپنی آمد و خرچ کا حساب منظم رکھنے کا موقع مل جاتا ہے، اور جو لوگ سال بہ سال باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، عموماً ان کا حساب صاف رہتا ہے، اور وہ مالی بد نظمی کا شکار نہیں ہوتے۔

حج کی عبادت میں بھی اللہ تعالیٰ نے سارے مسلمانوں کے لئے ایک ہی زمانے اور ایک ہی مقام متعین فرما دیا ہے چنانچہ اس عبادت کے دوران دنیا بھر کے مسلمان ایک امیر کے زیر قیادت آ جاتے ہیں، سب کے جسم پر ایک سالباس اور سب کی زبانوں پر ایک ہی سی پکار ہوتی ہے، اور ان کی ہر ہر نقل و حرکت اسلامی اتحاد اور تنظیم کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ جب آنحضرت ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو اہل عرب قبائلی نظام کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے، ہر قبیلہ اپنی اپنی جگہ خود مختار تھا، اسی بنا پر ان کے درمیان بارہ مہینے تصادم کی فضا قائم رہتی تھی، اور پورا جزیرہ عرب بد نظمی اور افتراق کا شکار تھا، نبی کریم ﷺ نے تشریف لا کر ان منتشر قبائل کو ایک پرچم تلے اکٹھا کیا، اور آئندہ ہمیشہ کی لئے یہ تعلیم دی کہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنا ایک امیر مقرر کریں، اور جب کوئی امیر باہمی مشورے سے مقرر کر لیا جائے تو جب تک وہ کسی گناہ کے کام کا حکم نہ دے ہر قیمت پر اس کی اطاعت کی جائے، کیونکہ اس کے بغیر نظم و ضبط قائم نہیں رہ سکتا، چنانچہ ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ يُطِيعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعُصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي)) (۱)

”جس شخص نے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسير، باب من یقاتل من وراء الإمام یتقی بہ، رقم ۲۷۳۷،

صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأُمراء فی غیر معصیة وتحريمها فی..... الخ،

رقم: ۳۴۱۷، مسند أحمد، رقم: ۷۷۸۶

نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی“

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے:

((إِنْ أَمَرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ يَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوهُ)) (۱)
 ”اگر تم پر کسی ایسے غلام کو بھی امیر بنادیا جائے جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں
 اور وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کر رہا ہو تو اس کی ہر بات سنو اور اس کی
 اطاعت کرو“

اس طرح امیر کو کتاب و سنت کی اطاعت کا اور تمام مسلمانوں کو امیر کی اطاعت کا حکم دے کر
 اسلام نے پوری امت کو ایسے نظم و ضبط کا پابند دیا ہے جس سے ان کے تمام اجتماعی مسائل بہترین
 طریقے پر حل ہو سکتے ہیں۔

پھر اسلام نے اطاعت امیر کا یہ حکم صرف سیاست و حکومت ہی میں نہیں دیا، بلکہ تمام مسلمانوں کو
 اس بات کی ترغیب دی ہے کہ اپنے ہر اجتماعی کام کو کسی امیر کے نظم کے تابع بنالیا کریں، چنانچہ حدیث
 میں ارشاد ہے:

((إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ)) (۲)
 ”جب تین آدمی سفر پر روانہ ہوں تو انہیں چاہئے کہ اپنے آپ میں سے کسی کو اپنا
 امیر بنالیں“

اس ارشاد کا مقصد یہی ہے کہ اجتماعی سفر بھی کسی بد نظمی کا شکار نہ ہو، بلکہ کسی کو امیر بنا کر اسے سفر
 کے مسائل کا ذمہ دار بنادیا جائے، تاکہ جو کام ہو وہ نظم و ضبط اور سلیقے کے ساتھ ہو۔

اسی طرح اسلامی شریعت نے باپ کو اولاد کا امیر، استاد کو شاگردوں کا امیر اور شوہر کو بیوی کا امیر
 بنایا اپنے تمام پیروں کو یہ سبق دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو بد نظمی سے گزارنے کے بجائے نظم و ضبط اور
 خوش اسلوبی سے بسر کرنا سیکھیں اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم مسلمان ان اسلامی احکام کی حقیقی روح کو
 پہچان کر اپنی زندگیوں کو منظم کرنے کی عادت ڈالیں تو ہماری بے شمار مشکلات خود بخود ختم ہو سکتی ہیں، اللہ
 تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق کامل عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ باب وجوب طاعة الأمير فی غیر معصیۃ، رقم: ۳۴۲۲، سنن

الترمذی، کتاب الجہاد عن رسول اللہ، باب ماجاء فی طاعة الإمام، رقم: ۱۶۲۸، سنن ابن

ماجہ، کتاب الجہاد، باب طاعة الأمير، رقم: ۲۸۵۲، مسند أحمد، رقم: ۱۶۰۵۲

(۲) سنن أبی داود، کتاب الجہاد، باب فی القوم یسافرون ویؤمرون أحدهم، رقم: ۲۲۴۳

☆ پاکی اور صفائی ☆

تقریباً دو سال پہلے میں برطانیہ کے ایک سفر کے دوران برمنگھم سے ٹرین کے ذریعے ایڈنبرا جا رہا تھا، راستے میں مجھے غسل خانہ استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئی، میں اپنی سیٹ سے اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلا تو دیکھا کہ وہاں ایک انگریز خاتون پہلے سے انتظار میں کھڑی ہیں جس سے اندازہ ہوا کہ غسل خانہ خالی نہیں ہے، چنانچہ میں ایک قریبی سیٹ پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا، جب کچھ دیر گزر گئی تو اچانک غسل خانے کے دروازے پر میری نگاہ پڑی، وہاں Vacant کی تختی صاف نظر آرہی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ غسل خانہ خالی ہے، اور اس میں کوئی نہیں ہے، اس کے باوجود وہ خاتون بدستور دروازے کے سامنے کھڑی ہوئی تھیں، اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ شاید ان کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، میں نے قریب جا کر ان سے کہا غسل خانہ تو خالی ہے، اگر آپ اندر جانا چاہیں تو چلی جائیں، انہوں نے جواب دیا کہ دراصل غسل خانے کے اندر میں ہی تھی، لیکن جب میں پیشاب سے فارغ ہوئی تو ریل پلیٹ فارم پر رک گئی، اور میں کموڈ فلش نہیں کر سکی، (یعنی اس پر پانی نہیں بہا سکی) کیونکہ جب گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی ہو تو فلش کرنا مناسب نہیں، اب میں باہر آ کر اس انتظار میں ہوں کہ گاڑی چلے تو میں اندر جا کر کموڈ فلش کروں، پھر اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھوں گی۔

یہ بظاہر ایک چھوٹا سا معمولی واقعہ تھا، لیکن میرے ذہن پر ایک نقش چھوڑ گیا، یہ ایک انگریز خاتون تھیں، اور بظاہر غیر مسلم، لیکن انہوں نے جو طرز عمل اختیار کیا، وہ دراصل اسلام کی تعلیم تھی، مجھے یاد ہے کہ میرے بچپن میں ایک صاحب سے ایک مرتبہ یہ غلطی سرزد ہوئی کہ وہ غسل خانہ استعمال کرنے کے بعد اسے فلش کئے بغیر باہر آ گئے تو میرے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) نے اس پر انہیں سخت تنبیہ کی، اور فرمایا کہ ایسا کرنا لازمی تعلیمات کے مطابق سخت گناہ ہے، کیونکہ اس طرح گندگی پھیلانے سے آنے والے شخص کو تکلیف ہوگی، اور کسی بھی شخص کو تکلیف پہنچانا گناہ ہے۔

دوسری طرف جب گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی ہو تو اس وقت غسل خانے کا استعمال یا اسے فلش کرنا ریلوے کے قواعد کے تحت اس لئے منع ہے کہ اس کے نتیجے میں ریلوے اسٹیشن کی فضا خراب ہوتی ہے، اور پلیٹ فارم پر موجود لوگوں کو ریلوے لائن پر پڑی ہوگی گندگی سے ذہنی کوفت بھی ہوتی ہے، اور وہ گندگی بیماریاں پھیلنے کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے، اس خاتون نے بیک وقت دونوں باتوں کا خیال کیا،

ٹرین کے کھڑے ہونے کی حالت میں پانی بہانا بھی گوارا نہ کیا، اور پانی بہائے بغیر سیٹ پر آ کر بیٹھنا بھی پسند نہیں کیا، تاکہ کوئی شخص اس حالت میں جا کر تکلیف نہ اٹھائے۔

ہم مسلمان ہیں، اور ہماری ہر دینی تعلیم کا آغاز ہی طہارت سے ہوتا ہے، جسے آنحضرت ﷺ نے ایمان کا آدھا حصہ قرار دیا ہے نیز آپ ﷺ نے انتہائی باریک بینی سے ہر اس کام سے منع فرمایا ہے جو ناحق کسی دوسرے کی تکلیف کا باعث ہو، لیکن یہ بات کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ ہمارے مشترک غسل خانے، خواہ وہ ریل میں ہوں یا جہاز میں، بازار میں ہوں یا مسجدوں میں تعلیم گاہوں میں ہوں یا شفا خانوں میں، ہر جگہ عموماً گندگی کے ایسے مراکز بنے ہوئے ہیں کہ ان کے قریب سے گزرتا مشکل ہوتا ہے، اور جب تک کوئی پتہ ہی نہ پڑ جائے، کسی سلیم الطبع شخص کے لئے ان کا استعمال ایک شدید آزمائش سے کم نہیں۔ اس صورت حال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان معاملات میں ہم نے دین کی تعلیمات کو بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے، اور مشترک استعمال کے مقامات پر گندگی پھیلانے کے بعد ہمیں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہم اذیت رسانی کے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، جس کا ہمیں جواب دینا پڑیگا۔

ہمارے ملک میں بھی ریلوں کے ہر غسل خانے میں یہ ہدایت درج ہے کہ جب تک گاڑی کسی اسٹیشن پر کھڑی ہو، بیت الخلاء استعمال نہ کیا جائے، لیکن عملاً صورت حال یہ ہے کہ کوئی اسٹیشن مشکل ہی سے ایسا ہوگا جس کی ریلوے لائن پر اس ہدایت کی خلاف ورزی کے مکروہ مناظر نظر نہ آتے ہوں، اسی طرح ہوئی جہازوں کے ہر غسل خانے میں یہ ہدایت درج ہوتی ہے کہ بیت الخلاء میں کوئی ٹھوس چیز نہ پھینکی جائے، نیز یہ کہ منہ ہاتھ دھونے کے لئے جو بیسن لگا ہوتا ہے اسے استعمال کرنے کے بعد آنے والے مسافر کی سہولت کے لئے اسے کاغذ کے تولیہ سے صاف کر دیا جائے، لیکن ان ہدایات پر بھی کما حقہ عمل نہیں کیا جاتا، چنانچہ ہمارے ہوائی جہازوں کے غسل خانے بھی اب ہمارے مجموعی قومی مزاج کی نہایت بھدی تصویر پیش کرتے ہیں، حالانکہ اگر ان ہدایات پر عمل کر کے ہم دوسروں کے لئے راحت کا سامان کریں تو یہ محض ایک شائستگی کی بات ہی نہیں ہے بلکہ یقیناً اجر و ثواب کا کام ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد اتنا مشہور ہے کہ بہت سے مسلمانوں کو معلوم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ایمان کے ستر سے بھی زیادہ شعبے ہیں، اور ان میں سے ادنیٰ ترین شعبہ یہ ہے کہ راستے سے گندگی یا تکلیف دہ چیز کو دور کر دیا جائے“ (۱)

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان وأفضلها..... الخ، رقم: ۵۱، سنن

الترمذی، کتاب الایمان عن رسول اللہ، باب ما جاء فی استکمال الایمان وزیادته ونقصانه،

رقم: ۲۵۳۹، سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب فی الایمان، رقم: ۵۶، مسند أحمد، رقم: ۸۵۷۰

اس ارشاد نبوی ﷺ کی روشنی میں مومن کا کام تو یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص نے بھی کوئی گندگی پھیلا دی ہے اور اندیشہ ہے کہ لوگوں کو اس سے تکلیف پہنچے گی، تو وہ خود اسے دور کر دے، نہ یہ کہ خود گندگی پھیلاتا پھرے، اگر گندگی دور کرنا ایمان کا شعبہ ہے تو گندگی پھیلاتا کس چیز کا شعبہ ہو گا؟ ظاہر ہے کہ بے ایمانی کا، یا کفر و فسق کا؟ لیکن ہم نے اپنے عمل سے کچھ ایسا تاثر دے رکھا ہے کہ صفائی ستھرائی درحقیقت ہمارا نہیں، بلکہ غیر مسلم مغربی اقوام کا شیوہ ہے۔

یہاں مجھے پھر اپنے والد ماجد کا سنایا ہوا ایک لطیفہ یاد آ گیا، وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہندوستان میں ایک انگریز مسلمان ہو گیا، اور اس نے پانچوں وقت نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آنا شروع کر دیا، جب کبھی اسے وضو خانے میں جانے کی ضرورت پیش آتی تو یہ دیکھ کر اس کا دل کڑھتا تھا کہ نالیوں میں گندگی پڑی رہتی ہے، کناروں پر کائی جمی رہتی ہے، نہ لوگ ان میں گندگی ڈالنے سے پرہیز کرتے ہیں نہ ان کی صفائی کا کوئی انتظام ہے، آخر ایک روز اس نے یہ طے کیا کہ اس مقدس عبادت گاہ کو صاف رکھنا چونکہ بڑے ثواب کا کام ہے، اس لئے وہ خود ہی یہ خدمت انجام دے گا، چنانچہ وہ کہیں سے جھاڑو وغیرہ لا کر اپنے ہاتھ سے اسے صاف کرنے لگا، معقول مسلمانوں نے تو یقیناً اس کے عمل کی قدر کی ہوگی، لیکن محلے کے ایک صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ”یہ انگریز مسلمان تو ہو گیا، لیکن اس کے دماغ سے انگریزیت کی بو نہیں گئی“

جن صاحب نے یہ افسوسناک تبصرہ کیا، انہوں نے تو کھل کر صریح لفظوں ہی میں یہ بات کہہ دی، لیکن اگر ہمارے مجموعی طرز عمل کا جائز لیا جائے تو محسوس یہ ہی ہوتا ہے کہ ہم نے صفائی ستھرائی کو ”انگریزیت کی خوبی“ قرار دے رکھا ہے۔ اور شاید گندگی کو اپنی خوبی، حالانکہ اسلام نے جس کے ہم نام لیوا ہیں، صفائی ستھرائی سے بھی بہت آگے بڑھ کر طہارت کا وہ تصور پیش کیا ہے جو ظاہری صفائی سے کہیں بلند و برتر ہے، اور جسم کے ساتھ روح کی پاکیزگی کے وہ طریقے سکھاتا ہے جن سے بیشتر غیر اسلامی اقوام محروم ہیں، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ جن مغربی اقوام کی ظاہری صفائی پسندی کا ذکر پچھلے آ یا ہے، ان کا یہ ذوق صرف اس صفائی کی حد تک محدود ہے جو دوسرے کو نظر آئے، لیکن جہاں تک ذاتی اور اندرونی (Intrinsic) صفائی کا تعلق ہے اس سے ان اقوام کی محرومی کا تھوڑا سا اندازہ ان طریقوں کو دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے جو وہ بیت الخلاء استعمال کرنے کے بعد اپنے جسم کی صفائی کے لئے اختیار کرتے ہیں، جب تک اس عمل کے بعد نہانا نہ ہو، جسم سے گندگی دور کرنے کے لئے پانی کے استعمال کا ان کے یہاں کوئی تصور نہیں، اس بات کا تو ان کے یہاں بڑا اہتمام ہے کہ غسل خانے کے فرش پر پاک پانی کی بھی کوئی چھینٹ پڑی نظر نہ آئے، لیکن جسم سے نجاست اور گندگی کو دور کرنے کے لئے صرف ٹائیلٹ پیپر کو کافی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ پانی کے استعمال کے بغیر گندگی کا کلی ازالہ مشکل

ہے، چنانچہ اگر گندگی کے کچھ چھوٹے اجزاء جسم یا کپڑے پر اس طرح باقی رہ جائیں کہ وہ نظر نہ آئیں تو ان کے ازالے کی اتنی فکر نہیں ہے۔ پھر اگر اس عمل کے بعد غسل بھی کرنا ہو تو عموماً اس کا طریقہ یہ ہے کہ ٹپ میں پانی جمع کر کے اسی حالت میں پانی کے اندر اس طرح داخل ہو جاتے ہیں کہ پانی کے اخراج کا راستہ نہیں ہوتا، اور نجاست کے باقی ماندہ چھوٹے اجزاء بعض اوقات پورے پانی کو ناپاک کر سکتے ہیں۔

یہ تمام طریقے اس لئے اختیار کئے گئے ہیں کہ سارا زور صرف اس ظاہری صفائی پر ہے جو دوسرے کو نظر آئے، ذاتی اور اندرونی صفائی جس کا نام ”طہارت“ ہے اس کا کوئی تصور نہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلام نے ہمیں ظاہری صفائی ستھرائی (نظافت) کے ساتھ ساتھ طہارت پاکی کے بھی مفصل احکام دیئے ہیں، اس لئے اسلام میں صفائی کا تصور کہیں زیادہ جامع ہمہ گیر اور بلند و برتر ہے، اسلام کو ”طہارت“ بھی مطلوب ہے اور نظافت بھی، طہارت کا مقصد یہ ہے کہ انسان بذات خود واقعی پاک صاف رہے، اور نظافت کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی گندگی سے دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث نہ بنے۔

آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد نبوی اتنی زیادہ کشادہ نہیں تھی، عام طور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محنت پیشہ تھے، اور موٹے کپڑے پہنتے تھے، گرمی کے موسم میں جب پسینہ آتا تو کپڑے پسینے سے تر ہو جاتے اور جمعہ کے اجتماع میں اس پسینے کی وجہ سے بو پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو تاکید فرمائی کہ جمعہ کے روز سب حضرات غسل کر کے حتی الامکان صاف کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر مسجد میں آیا کریں۔ (۱)

اب ظاہر ہے کہ طہارت کا کم سے کم تقاضا تو اس طرح بھی پورا ہو سکتا تھا کہ لوگ وضو کر کے آ جایا کریں، اور ان کے کپڑے ظاہری نجاست سے پاک ہوں، لیکن آنحضرت ﷺ نے اس پر کتفا کرنے کے بجائے مذکورہ بالا احکام نظافت کی اہمیت کی وجہ سے عطا فرمائے، تاکہ کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے تکلیف کا باعث نہ بنے، اس چھوٹی سی مثال ہی سے یہ بات واضح ہوئی کہ طہارت کے ساتھ ساتھ نظافت بھی اسلام میں مطلوب ہے، اور کوئی بھی ایسا اقدام جائز نہیں ہے جس کی وجہ سے ماحول میں گندگی پھیلتی ہو، یہ ہر شخص کی ایسی دینی ذمہ داری ہے جس کی ادائیگی کے لئے بنیادی ضرورت توجہ کی ہے، یہ توجہ پیدا ہو جائے تو دیکھتے ہی دیکھتے ماحول سدھر جاتا ہے۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ / ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۴ء

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس، رقم: ۸۵۲، صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة علی کل بالغ من الرجال، رقم: ۱۳۹۸، سنن النسائی، کتاب الجمعة باب الرخصة فی ترک الغسل يوم الجمعة، رقم: ۱۳۶۲، مسند أحمد، رقم: ۲۳۲۰۳

☆ رزق کا صحیح استعمال ☆

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو اپنے ملنے والوں میں حضرت میاں صاحب کے نام سے معروف تھے) دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں سے تھے جو شہرت اور نام و نمود سے ہمیشہ کوسوں دور رہے، عمر بھر اسلامی علوم کی تدریس کی خدمت انجام دی، اور ہزار ہا طلبہ کو اپنے علم و فضل سے سیراب کیا، آج برصغیر ہندو پاک کے نامور علماء دیوبند میں شاید کوئی نہ ہو جو ان کا بالواسطہ بلا واسطہ شاگرد نہ ہو، انہوں نے متعدد چھوٹی بڑی تصانیف بھی چھوڑی ہیں، موضوعات بھی اچھوتے اور زبان بھی اتنی شگفتہ کہ آج سے سو سال پہلے کی تحریروں میں ایسی شگفتگی کم ملتی ہے۔

علم و فضل کے مقام بلند کے باوجود سادگی تواضع اور مسکنت کا عالم یہ تھا کہ دیکھنے والا ان کے سراپا میں اس مقام بلند کا اندازہ کر ہی نہیں سکتا تھا، وہ دیوبند (ضلع سہارنپور) کے ایک چھوٹے سے محلے میں مقیم تھے، اور کچے مکان میں رہتے تھے۔ ہر سال جب برسات کا موسم آتا تو یہ کچا مکان جگہ جگہ سے گر جاتا، اور برسات گزرنے کے بعد کافی وقت اور پیسے اس کی مرمت پر خرچ کرنا پڑتا تھا۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت میاں صاحب کے خاص شاگرد تھے، لیکن خصوصی تعلق کی بنا پر حضرت نے انہیں اپنے آپ سے بہت بے تکلف بھی بنایا ہوا تھا، ایک دن انہوں نے حضرت میاں صاحب سے کہا کہ آپ کو ہر سال اپنے مکان کی مرمت کرانی پڑتی ہے، جس میں پریشانی بھی ہوتی ہے، وقت بھی لگتا ہے، اور خرچ بھی خاصا ہو جاتا ہے، اگر آپ ایک مرتبہ مکان کو پکا بنوالیں تو اس روز روز کی پریشانی سے نجات مل جائے۔

حضرت میاں صاحب کی طبیعت میں ظرافت بھی بہت تھی، انہوں نے والد صاحب کی یہ تجویز سن کر شروع میں بڑی تعریف و توصیف اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: واہ مفتی صاحب آپ نے کیسی عقل کی بات کہی، ہم نے ساری عمر گزار دی، بوڑھے ہو گئے، اور اب تک ہماری عقل میں یہ بات نہیں آئی۔

والد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب نے یہ بات اتنی مرتبہ فرمائی کہ میں شرم سے

پانی پانی ہو گیا، لیکن بالا آخر میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا مقصد تو وہ حکمت معلوم کرنا تھا جس کی وجہ سے آپ نے مالی استطاعت کے باوجود اب تک مکان کو پکا نہیں بنوایا، اب مجھے مزید شرمندہ کرنے کے بجائے حقیقی وجہ بیان فرمادیجئے۔

حضرت میاں صاحب شروع میں طرح دیتے رہے، لیکن جب والد صاحب نے زیادہ اصرار کیا تو والد صاحب کا ہاتھ پکڑ کر مکان کے دروازے تک لے آئے، اور فرمایا: دیکھو اس گلی کے دائیں بائیں دونوں طرف دیکھو، گلی کے اس سرے سے اس سرے تک کیا کوئی مکان تمہیں پکا نظر آتا ہے؟ والد صاحب نے فرمایا نہیں، اس پر میاں صاحب نے فرمایا کہ بتاؤ جب میرے سارے پڑوسیوں کے مکان کچے ہیں، تو پوری گلی میں تنہا میں اپنا مکان پکا بنا کر کیا اچھا لگوں گا؟ اور اتنی استطاعت مجھے میں نہیں کہ میں اپنے سارے پڑوسیوں کے مکانات پکے بنواسکوں، اس لئے میں اپنا مکان بھی پکا نہیں بنواتا کہ اپنے پڑوسیوں کے مقابلے میں اپنی کوئی امتیازی شان بنانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔

یہ تھے حضرت میاں صاحب ان کا یہ واقعہ تو میں نے ان کے مزاج و مذاق کا تھوڑا سا تعارف کرانے کے لئے بیان کر دیا جس سے ان کی اس عظمت کردار کا تھوڑا سا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو مادہ پرستی کے اس دور میں انسانی تصور سے بھی ماوراء معلوم ہوتا ہے، لیکن دراصل میں ان کا ایک اور واقعہ سناتا چاہتا ہوں۔

ایک مرتبہ میرے والد ماجدان کے گھر ملاقات کے لئے گئے ہوئے تھے، کھانے کا وقت آ گیا تو بیٹھک میں دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا گیا، کھانے سے فارغ ہونے پر والد صاحب دسترخوان سمیٹنے لگے تاکہ اسے کہیں جھٹک آئیں، حضرت میاں صاحب نے پوچھا: یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ والد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دسترخوان سمیٹ رہا ہوں تاکہ اسے کسی مناسب جگہ پر جھٹک دوں میاں صاحب بولے کیا آپ کو دسترخوان سمیٹنا آتا ہے؟ والد صاحب نے کہا کہ کیا دسترخوان سمیٹنا بھی ایک فن ہے، جسے سیکھنے کی ضرورت ہو؟ میاں صاحب نے جواب دیا جی ہاں، یہ بھی ایک فن ہے، اور اسی لئے میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو یہ کام آتا ہے یا نہیں؟ والد صاحب نے درخواست کی کہ حضرت پھر تو یہ فن ہمیں بھی سکھا دیجئے میاں صاحب نے فرمایا کہ آئیے! میں آپ کو یہ فن سکھاؤں۔

یہ کہہ کر انہوں نے دسترخوان پر پنچی ہوئی بوٹیاں الگ کیں، ہڈیوں کو الگ جمع کیا، روٹی کے جو بڑے ٹکڑے بچ گئے تھے، انہیں الگ رکھا، پھر روٹی کے چھوٹے ٹکڑے جو برادے کی سی شکل میں پڑے رہ گئے تھے انہیں چن چن کر الگ اکٹھا کر لیا، پھر فرمایا ”میں نے ان سے ہر چیز کی الگ جگہ مقرر کی ہوئی ہے، یہ بوٹیاں میں فلاں جگہ اٹھا کر رکھتا ہوں، وہاں روزانہ ایک پلی آتی ہے، اور یہ بوٹیاں کھا لیتی ہے، ان ہڈیوں کی الگ جگہ مقرر ہے، کتے کو وہ جگہ معلوم ہے، اور وہاں سے آ کر یہ

ہڈیاں اٹھا کر کھا لیتا ہے، اور روٹی کے یہ بڑے ٹکڑے میں فلاں جگہ رکھتا ہوں، وہاں پر ندے آتے ہیں، اور یہ ٹکڑے ان کے کام آ جاتے ہیں، اور یہ روٹی کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں، یہ میں چیونٹیوں کے کسی بل کے پاس رکھ دیتا ہوں، اور یہ ان کی غذا بن جاتی ہے، پھر فرمایا کہ ”یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کا رزق ہیں، ان کا کوئی حصہ اپنے امکان کی حد تک ضائع نہیں ہونا چاہئے“

یہ تھا ایک حقیقی اسلامی معاشرے کا وہ مزاج و مذاق جو قرآن و سنت کے دلکش رنگ میں ڈھلا ہوا تھا، چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے حساب رزق عطا فرمایا ہوا ہے، اس لئے اس کے چھوٹے چھوٹے اور تھوڑے تھوڑے حصوں کی ہمیں نہ صرف یہ کہ قدر نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات ہم اس کی بے حرمتی تک پر آمادہ ہو جاتے ہیں، لیکن اگر کسی وقت خدا نخواستہ اسی رزق کی قلت پیدا ہو جائے تو پتا چلے کہ ایک ایک ذرے کی کیا قدر و قیمت ہے؟

کہنے کو سبھی یہ کہتے ہیں کہ رزق کو ضائع نہیں کرنا چاہئے، اس کی قدر کرنی چاہئے، لیکن ہماری آج کی زندگی میں یہ بات محض ایک نظر یہ ہو کر رہ گئی ہے جس کا عمل کی دنیا میں کوئی نشان نظر نہیں آتا، ہمارے گھروں میں دعوتوں کے مواقع پر اور ہوٹلوں میں جتنا رزق روزانہ ضائع ہوتا ہے، اگر اس کا مجموعی اندازہ لگایا جائے تو یقیناً وہ سینکڑوں خاندانوں کا پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ جس ماحول میں نہ جانے کتنے گھرانے معمولی غذا کو ترس رہے ہوتے ہیں وہاں منوں کے حساب سے اعلیٰ ترین غذائیں کوڑے کرکٹ میں پڑی نظر آتی ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں پہلی بار ایک سرکاری عشاءے میں شریک ہوا تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ڈرائیوروں کے لئے کھانے کا اہتمام ہو گا یا نہیں؟ چنانچہ میں نے بر بنائے احتیاط اپنے ڈرائیور کو کھانے کے پیسے دیکر یہ کہہ دیا کہ تھا کہ اگر یہاں کھانے کا انتظام نہ ہو تو وہ کسی ہوٹل میں کھانا کھالے۔ جب میں اندر پہنچا تو میری میز پر ایک اعلیٰ سرکاری افسر میرے ہم نشین تھے، اور وہ ملک کے غریبوں کی حالت زار پر بڑا پردرد لیکر دے رہے تھے، اس لیکچر میں عوام کی غربت و افلاس پر رنج و غم کا اظہار بھی تھا، اپنے معاشی نظام کی برائیاں بھی تھیں، سوشلسٹ ممالک کی تعریف بھی تھی، اور اپنے ملک کے سرمایہ داروں جاگیرداروں اور سوشلزم کے مخالف عناصر پر تنقید بھی تھی، جب ان کی گفتگو کا یہ موضوع ختم ہو گیا، اور کھانا شروع ہونے پر مختلف باتیں شروع ہو گئیں تو میں نے انہی صاحب سے عرض کیا کہ ”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ڈرائیوروں کے لئے کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے“ کہنے لگے جی ہاں اس سطح کی دعوتوں میں عموماً یہ انتظام نہیں ہوتا میں نے عرض کیا کہ مجھے تو یہ بات بہت بری لگتی ہے کہ ہم یہاں کھانا کھا رہے ہوں، اور ہمارے ڈرائیور باہر بھوکے کھڑے ہوں۔“ اس پر انہوں نے خاصی بے پروائی سے جواب دیا: جی ہاں! یہ بات ہے تو تکلیف دہ مگر اتنے سارے ڈرائیوروں کا انتظام بھی تو مشکل

ہے، اور یہ لوگ اس بات کے عادی ہیں، وہ بعد میں گھر جا کر کھانا کھا لیتے ہیں۔“ اسی دعوت کے اختتام پر میں نے پلیٹوں اور ڈونگوں میں بچے ہوئے کھانے کا اندازہ لگایا تو میرا غالب گمان یہ تھا کہ اس میں تھوڑا سا اضافہ کر کے وہ کھانا تمام ڈرائیوروں کے لئے کافی ہو سکتا تھا، کھانے کے بعد وہاں عشاءِ یہ میں تقریروں کا بھی سلسلہ تھا، اور وہ اتنا دراز ہوا کہ ہم گیارہ بجے کے بعد وہاں سے روانہ ہو سکے، راستے میں میں نے اپنے ڈرائیور سے پوچھا کہ تمہارے کھانے کا کیا ہوا؟ اس نے بتایا کہ میں نے اور میرے بعض ساتھیوں نے ایک قریب کے ہوٹل سے کھانا کھا لیا تھا، پھر وہ خود ہی کہنے لگا کہ البتہ بعض ڈرائیوروں کے پاس کھانے کے پیسے بھی نہیں تھے، وہ ابھی تک بھوکے ہیں، مثال کے طور پر اس نے کئی ڈرائیوروں کا ذکر کیا اور کہنے لگا کہ ”وہ اب اپنے صاحب کو گھر پہنچا کر بس میں اپنے گھر جائیں گے، اور بارہ ایک بجے پہنچ کر کھانا کھائیں گے۔“

ایک طرف تو اپنے متعلقین اور ملازمین کے ساتھ (جو درحقیقت گھر ہی کے ایک فرد بن جاتے ہیں) ہماری بے حسی کا عالم یہ ہے، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری اور اضاعت کا حال یہ ہے کہ سیروں کے حساب سے کھانا ہم پلیٹوں میں اس طرح بچا دیتے ہیں کہ وہ کسی دوسرے کے لئے قابل استعمال نہیں رہتا، اور کوڑے کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتا ہے، بالخصوص ایسی بونے دعوتوں میں جہاں کھانا ایک میز سے اٹھا کر خود لے جانا پڑتا ہے، عموماً لوگ ایک ہی دفعہ میں زیادہ سے زیادہ کھانا اٹھا کر محض اس لئے لے جاتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت دوبارہ کھانا لانا نہ پڑے، لیکن اس ذرا سی زحمت سے بچنے کے لئے کھانے کی ایک بڑی مقدار بالکل ضائع ہو جاتی ہے۔

ایک طرف حضرت میاں صاحب کے مذکورہ بالا واقعے کا تصور کیجئے کہ انہیں انسانوں سے گزر کر کیسے بلیوں اور پرندوں اور چیونٹیوں کی بھی فکر ہے، اور دوسری طرف ہمارا حال یہ ہے کہ منوں اور سیروں کے حساب سے کھانا ضائع کر دینا گوارا ہے، مگر ڈرائیوروں اور ملازمین کے لئے کھانے کا انتظام کرنا گوارا نہیں۔

بہ بین تفاوت رہ، از کجاست تا بہ کجا؟

کیا ہم تھوڑی سی احتیاط اور دھیان کو کام میں لا کر رزق کی اس بے حرمتی اور اضاعت سے بچنے کا اہتمام نہیں کر سکتے؟ اگر ہم ایسا کر لیں تو کیا بعید ہے کہ اس ذرا سی توجہ کی بدولت مخلوق خدا کے کچھ افراد کی بھوک مٹ جائے؟ اور ہم ایک سنگین اجتماعی گناہ سے بچ جائیں۔

۲۱ شوال ۱۴۱۳ھ / ۱۳ اپریل ۱۹۹۲ء

غلط نسبت سے بچئے ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

اما بعد!

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ تَحَلَّى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِيسِ نَوْبِي زُورٍ)) (۱)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص آراستہ ہو ایسی چیز کے جو اس کو نہیں دی گئی تو وہ جھوٹ کے دوپٹے پہننے والے کی طرح ہے“

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بارے میں لوگوں کے سامنے کوئی ایسی صفت ظاہر کرے جو حقیقت میں اس کے اندر موجود نہیں تو گویا اس نے اپنے پورے جسم پر سر سے لے کر پاؤں تک جھوٹ لپیٹ رکھا ہے، اور جس طرح لباس نے سارے جسم کو ڈھانپا ہوا ہوتا ہے، اس طرح اس نے جھوٹ سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا ہے۔

یہ بھی جھوٹ اور دھوکہ ہے

مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ آدمی دھوکہ دینے کے لئے اپنے لئے کوئی ایسی صفت ظاہر کرے جو حقیقت میں اس کے اندر نہیں ہے، مثلاً ایک شخص عالم نہیں ہے لیکن اپنے آپ کو عالم ظاہر کرتا ہے۔ یا ایک شخص ایک خاص منصب نہیں رکھتا، لیکن اپنے آپ کو اس خاص منصب کا حامل ظاہر کرتا ہے۔ یا ایک شخص خاص حسب نسب سے تعلق نہیں رکھتا، مگر اپنے آپ کو اس نسب کے ساتھ منسوب کرتا ہے۔

☆ اصلاحی خطبات (۲۶۲۵-۲۵/۱۰) جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ، باب ما جاء فی المتشبع بما لم يعطه، رقم: ۱۹۵۷

ان کے بارے میں فرمایا کہ جھوٹ کے کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔ اسی طرح اک شخص مالدار نہیں ہے، لیکن اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرتا ہے۔ بہر حال، جو صفت انسان کے اندر موجود نہیں ہے، لیکن وہ بناوٹی طور پر اس صفت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس حدیث میں اس پر یہ وعید بیان فرمائی گئی ہے۔

اپنے نام کے ساتھ ”فاروقی“ ”صدیقی“ لکھنا

مثلاً ہمارے معاشرے میں اس میں بہت اعتلا پایا جاتا ہے کہ لوگ اپنے آپ کو کسی ایسے نسب اور خاندان سے منسوب کر دیتے ہیں جس کے ساتھ حقیقت میں تعلق نہیں ہوتا۔ جیسے کوئی شخص ”صدیقی“ نہیں ہے، لیکن اپنے نام کے ساتھ ”صدیقی“ لکھتا ہے یا کوئی شخص ”فاروقی“ نہیں ہے، لیکن اپنے آپ کو ”فاروقی“ لکھتا ہے، یا کوئی ”انصاری“ نہیں ہے، لیکن اپنے آپ کو ”انصاری“ لکھتا ہے۔ لہذا اپنے آپ کو کسی اور نسب کی طرف منسوب کرنا جس سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، یہ بڑا سخت گناہ ہے۔ اور اس کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا کہ گویا اس نے سر سے لے کر پاؤں تک جھوٹ کا لباس پہنا ہوا ہے۔

کپڑوں سے تشبیہ کیوں؟

اس گناہ کو جھوٹ کے کپڑے پہننے والے سے اس لئے تشبیہ دی کہ ایک گناہ تو وہ ہوتا ہے جس میں انسان تھوڑی دیر کے لئے مبتلا ہوا، پھر وہ گناہ ختم ہو گیا۔ لیکن جس شخص نے غلط نسبت اختیار کر رکھی ہے، اور لوگوں میں اپنی ایسی حیثیت ظاہر کر رکھی ہے جو حقیقت میں اس کی حیثیت نہیں ہے تو وہ ایک دائمی گناہ ہے، اور ہر وقت اس کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ جس طرح لباس انسان کے ساتھ ہر وقت چپکا رہتا ہے، اسی طریقے سے یہ گناہ بھی ہر وقت انسان کے ساتھ چپکا رہے گا۔

جولاہوں کا ”انصاری“ اور قصائیوں کا ”قریشی“ لکھنا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام ہے ”غایات النسب“ کیونکہ بعض قومیں اپنے ناموں کے ساتھ غلط نسبتیں لگا لیتی ہیں۔ ہندوستان میں یہ بات عام تھی کہ کپڑے بننے والے کو ”جولاہا“ کہا جاتا تھا، وہ اپنے نام کے ساتھ ”انصاری“ لکھتے تھے۔ اور گوشت فروخت کرنے والے قصائی جو اپنے ناموں کے ساتھ ”قریشی“ لکھتے تھے۔ اس لئے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے یہ رسالہ لکھا اور اس میں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ نسب کے بارے میں جھوٹ بیان کرنا سخت گناہ ہے، اور اس کے بارے میں کئی

احادیث آئی ہیں جن میں جھوٹی نسبت سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ اس رسالہ کے لکھنے کے نتیجے میں ان قوموں نے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف پورے ہندوستان میں ایک طوفان کھڑا کر دیا کہ انہوں نے ہمارے خلاف بڑی سخت کتاب لکھی ہے۔ لیکن حقیقت وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔

نسب اور خاندان فضیلت کی چیز نہیں

بات دراصل یہ ہے کہ ”نسب“ اور ”خاندان“ کا معاملہ ایسا ہے کہ اس پر کوئی دینی فضیلت موقوف نہیں، کوئی شخص کسی بھی نسب اور خاندان سے تعلق رکھتا ہو، لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو ”تقویٰ“ عطا فرمایا ہے تو اچھے سے اچھے نسب والے سے بہتر ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صاف اعلان فرمادیا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (۱)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ مرد حضرت آدم علیہ السلام سے اور عورت حضرت حوا علیہا السلام سے۔ اس لئے جتنے بھی انسان دنیا میں آئے ہیں سب ایک ماں باپ کے بیٹے ہیں۔ البتہ ہم نے یہ جو مختلف قبیلے بنادے کہ کسی انسان کا تعلق کسی قبیلے سے ہے، اور کسی انسان کا تعلق کسی خاندان سے ہے، یہ خاندان اور قبیلے اس لئے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اگر سب انسان ایک ہی قبیلے کے ہوتے تو اک دوسرے کو پہچاننے میں دشواری ہوتی، اب یہ بتادینا آسان ہے کہ یہ فلاں شخص ہے اور فلاں قبیلے کا ہے۔ لہذا صرف پہچان کی آسانی کی خاطر ہم نے تمہیں قبیلوں میں تقسیم کیا ہے، لیکن کسی قبیلے کو دوسرے قبیلے پر کوئی فضیلت نہیں بلکہ تم میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ والا اور عزت والا وہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہو۔ لہذا اگر کوئی شخص کسی ایسے نسب اور خاندان سے وابستہ ہے جس کو لوگ اعلیٰ نسب نہیں سمجھتے تو کوئی پرواہ کی بات نہیں، تم اپنے اعمال اور اخلاق صحیح کرو، اور اپنی زندگی کا کردار درست کرو تو پھر کردار اور عمل کے نتیجے میں تم اعلیٰ سے اعلیٰ نسب والے سے آگے بڑھ جاؤ گے۔ لہذا کیوں اپنے آپ کو غلط خاندان کی طرف منسوب کر کے گناہ کا ارتکاب کرتے ہو؟ اس لئے جس شخص کا جو نسب ہے وہ اسی کو بیان کرے۔ اور نسب بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، بیان ہی نہ

(۱) الحجرات: ۱۳، آیت کا ترجمہ یہ ہے: ”اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے“

کرے، لیکن اگر بیان کرنا ہی ہے تو وہ نسب بیان کرے جو اپنا واقعی نسب ہے، بلاوجہ دوسرے نسب کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا جائز نہیں، اس پر بڑی سخت وعید بیان فرمائی گئی ہے۔

”متنبی“ کو حقیقی باپ کی طرف منسوب کریں

اسی طرح کا ایک دوسرا مسئلہ بھی ہے جس پر قرآن کریم نے آدھار کوغ نازل کیا ہے: وہ یہ کہ بعض اوقات کوئی شخص دوسرے کے بچے کو اپنا ”متنبی“ ”لے پالک“ بنا لیتا ہے، مثلاً کسی شخص کی کوئی اولاد نہیں ہے اس نے دوسرے کا بچہ گود لے لیا اور اس کی پرورش کی، اور اس کو اپنا ”متنبی“ بنا لیا تو شرعاً متنبی بنانا اور کسی بچے کی پرورش کرنا اور اپنے بیٹے کی طرح اس کو پالنا تو جائز ہے، لیکن شرعی اعتبار سے ”متنبی“ کسی بھی حالت میں اس پالنے والے کا حقیقی بیٹا نہیں بن سکتا۔ لہذا جب اس بچے کو منسوب کرنا ہو تو اس کو اصل باپ ہی کی طرف منسوب کرنا چاہئے کہ فلاں کا بیٹا ہے، پرورش کرنے والے کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں۔ اور رشتے کے جتنے احکام ہیں وہ سب اصل باپ کی طرف منسوب ہوں گے، یہاں تک کہ جس شخص نے اس کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہے، اور جو عورت منہ بولی ماں بنی ہے، اگر وہ نامحرم ہے تو اس بچے کے بڑے ہونے کے بعد اس سے اسی طرح پردہ کرنا ہوگا جس طرح ایک نامحرم سے پردہ ہوتا ہے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضور اقدس ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا متنبی بنایا تھا۔ ان کا واقعہ بھی بڑا عجیب و غریب ہے۔ یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں کسی کے غلام تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مکہ مکرمہ آنے کی توفیق دی، یہاں آ کر حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک پر مسلمان ہو گئے۔ ان کے ماں باپ اور خاندان کے دوسرے افراد ان کی تلاش میں تھے کہ کہاں ہیں، تلاش کرتے کرتے کئی سال گزر گئے کئی سال کے بعد کسی نے ان کو خبر دی کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں ہیں اور وہ مسلمان ہو چکے ہیں، اور حضور اقدس ﷺ کے پاس رہتے ہیں۔ چنانچہ ان کے والد اور چچا تلاش کرتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور جا کر حضور اقدس ﷺ سے ملاقات کی، اور کہا کہ یہ زید بن حارثہ جو آپ کے پاس رہتا ہے یہ ہمارا بیٹا ہے، ہم اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں، یہ ہمیں نہیں مل رہا تھا، اب یہاں ہمیں مل گیا ہے، ہم اس کو لے جانا چاہتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم اس کے باپ ہو، اور وہ تمہارا بیٹا ہے، جا کر اس سے پوچھ لو، وہ اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے تو چلا جائے، مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں، حضور اقدس ﷺ کی یہ بات سن کر وہ خوش ہو گئے، کہ چلو

انہوں نے بہت آسانی سے اجازت دے دی، اب یہ دونوں باپ اور چچا اس خیال میں تھے کہ بیٹے کو جدا ہوئے کئی سال گزر چکے ہیں، باپ اور چچا کو دیکھ کر خوش ہو جائے گا اور ساتھ چلنے کے لئے فوراً تیار ہو جائے گا۔ اس وقت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حرم میں تھے۔ جب یہ دونوں ان کو لینے کے لئے وہاں پہنچے اور ملاقات کی تو انہوں نے فی الحال خوشی کا اظہار تو کیا، لیکن جب باپ نے یہ کہا کہ اب میرے ساتھ گھر چلو، تو انہوں نے کہا کہ ابا جان میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ اس لئے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی نعمت سے سرفراز فرما دیا ہے، اور آپ کو ابھی تک اسلام کی دولت نصیب نہیں ہوئی۔ دوسرے یہ کہ یہاں پر مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہے، اس صحبت کو چھوڑ کر میں نہیں جاسکتا۔ باپ نے ان سے کہا: بیٹا تم اتنے عرصہ کے بعد مجھ سے ملے، اس کے باوجود تم نے مجھے اتنا مختصر جواب دے دیا کہ تم میرے ساتھ نہیں جاسکتے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے جو حقوق ہیں، میں ان کو ادا کرنے کو تیار ہوں، لیکن جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا جو تعلق قائم ہوا ہے وہ اب مرنے جینے کا تعلق ہے اس لئے میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ جواب سنا تو آپ نے فرمایا کہ چونکہ تم نے میرے ساتھ یہ تعلق قائم کیا ہے اس لئے میں تمہیں آج سے اپنا بیٹا بناتا ہوں۔ اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا متبنی بنا لیا۔ اس کے بعد سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بیٹے جیسا ہی سلوک فرماتے، تو لوگوں نے بھی ان کو زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر پکارنا شروع کر دیا، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ آیت نازل ہوئی:

﴿ادْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ (۱)

یعنی تم لوگوں نے متبنی کا جو نسب بیان کرنا شروع کر دیا ہے، یہ درست نہیں، بلکہ وہ بیٹا اپنے باپ کا ہے۔ (۲)

اس کو اسی حقیقی باپ کی طرف منسوب کرو، کسی اور کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ اور دوسری جگہ یہ آیت نازل فرمائی:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ (۳)

(۱) الاحزاب: ۵، آیت کا ترجمہ یہ ہے: ”تم ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ یہی طریقہ اللہ کے نزدیک پورے انصاف کا ہے“

(۲) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب الملامکة بدراء، رقم: ۳۶۹۹، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصابة، باب فضائل زید بن حارثہ واسامة بن زید، رقم: ۴۴۵۱

(۳) الاحزاب: ۴۰

یعنی محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے حقیقی باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں، اس لئے ان کی طرف کسی بیٹے کو منسوب مت کرو۔ اور آئندہ کے لئے یہ اصول مقرر فرما دیا کہ کوئی متنبی آئندہ اپنے منہ بولے باپ کی طرف منسوب نہیں ہوگا، بلکہ حقیقی باپ کی طرف منسوب ہوگا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ ایک اور صحابی حضرت سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے، ان کو بھی متنبی بنایا گیا تھا۔ ان کے بارے میں بھی حضور اقدس ﷺ نے حکم دیا کہ یہ منہ بولے باپ کی طرف منسوب نہیں ہوگے، اور جب یہ اپنے منہ بولے باپ کے گھر میں داخل ہوں تو پردے کے ساتھ داخل ہوں۔

یہ سب احکام اس لئے دیے گئے کہ شریعت نے نسب کے تحفظ کا بہت اہتمام فرمایا ہے کہ کسی کی نسبت غلط نہ جائے، اس کی وجہ سے مغالطہ پیدا نہ ہو جائے۔ اس لئے جو شخص اپنا نسب غلط بیان کرے وہ اس حدیث کی وعید کے اندر داخل ہے اور وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔

اپنے نام کے ساتھ ”مولانا“ لکھنا

اسی طرح کوئی شخص علم کا حامل نہیں ہے لیکن اپنے آپ کو عالم ظاہر کرتا ہے مثلاً آج کل لوگ اپنے نام کے ساتھ ”مولانا“ لکھ دیتے ہیں، حالانکہ عرف عام میں لفظ ”مولانا“ یا لفظ ”علامہ“ ان افراد کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جو باقاعدہ دین کے حامل ہوں، اب اگر ایک شخص دین کا حامل نہیں ہے، وہ اگر ان الفاظ کو استعمال کرے گا تو اس کی وجہ سے مغالطہ پیدا ہوگا، اور وہ اس حدیث کی وعید میں داخل ہوگا۔

اپنے نام کے ساتھ ”پروفیسر“ لکھنا

اسی طرح لفظ ”پروفیسر“ ہے۔ ہمارے معاشرے میں ”پروفیسر“ ایک خاص منصب ہے اس کی خاص شرائط ہیں۔ ان شرائط کو جو شخص پوری کرے گا تو وہ پروفیسر کہلائے گا لیکن آج کل یہ حال ہے کہ جو شخص کسی جگہ کا استاذ بن گیا وہ اپنے نام کے ساتھ پروفیسر لکھ دیتا ہے۔ حالانکہ اس کے ذریعہ وہ اپنی ایک ایسی صفت ظاہر کر رہا ہے جو اس کے اندر موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہ غلط بیانی ہے اور دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنا ہے اور یہ بھی اس حدیث کی وعید کے اندر داخل ہے، اور حرام ہے اور ناجائز ہے۔

لفظ ”ڈاکٹر“ لکھنا

اسی طرح ایک شخص ”ڈاکٹر“ نہیں ہے، لیکن اپنے نام کے ساتھ لفظ ”ڈاکٹر“ لکھ دیا۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انہوں نے چند دن تک کسی ڈاکٹر کے پاس کمپاؤڈری کی، اس کے نتیجے میں کچھ دواؤں کے نام یاد ہو گئے تو بس اس کے بعد اپنے نام کے ساتھ ”ڈاکٹر“ لکھنا شروع کر دیا اور پھر باقاعدہ کلینک کھول کر بیٹھ گئے اور علاج شروع کر دیا۔ یہ بھی اس وعید کے اندر داخل ہے اور یہ نسبت کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ یہ سب مغالطے اس حدیث کے تحت داخل ہیں کہ جو شخص ایسی چیز ظاہر کرے جو حقیقت میں اس کے اندر نہیں ہے تو وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔

جیسا اللہ نے بنایا ہے ویسے ہی رہو

اور یہ سب گناہ ایسے نہیں ہیں کہ ان کو ایک مرتبہ کر لیا، بس وہ گناہ ختم ہو گیا، بلکہ چونکہ اس شخص نے اس نسبت کو اپنے نام کا جز بنا رکھا ہے، مثلاً لفظ مولانا یا ڈاکٹر یا پروفیسر وغیرہ کو اپنے نام کا حصہ بنا رکھا ہے تو وہ گناہ مستقل اور دائمی ہے۔ اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا ہے۔ اس لیے گناہ کو جھوٹ کے کپڑے پہننے سے تشبیہ دی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس گناہ سے محفوظ فرمائے۔

ارے بھئی! اپنی کوئی صفت بیان کرنے میں کیا رکھا ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ویسے ہی رہو اور بلاوجہ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش میں نہ پڑو۔ بلکہ جو صفت اللہ تعالیٰ نے دی ہے بس وہی صفت ظاہر کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے کسی کو کوئی صفت دے دی، کسی کو کوئی صفت دے دی۔ زندگی کا یہ سارا کاروبار اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے چل رہا ہے۔ تم اس کے اندر دخل اندازی کر کے ایک غلط بات ظاہر کرو گے تو یہ بات اللہ تعالیٰ کو نا پسند ہوگی۔

مالداری کا اظہار

اسی طرح اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ایک آدمی زیادہ مالدار نہیں ہے لیکن لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اپنے آپ کو بہت مالدار ظاہر کرتا ہے اور دکھاوے کے لیے ایسے کام کرتا ہے تاکہ لوگ مجھے زیادہ دولت مند سمجھ کر میری زیادہ عزت کریں۔ یہی دکھاوا ہے اور یہی نام و نمود ہے۔ یہ بات بھی اسی گناہ میں داخل ہے۔

نعمت خداوندی کا اظہار کریں

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر قربان جائیں۔ آپ نے ایسی ایسی باریک تعلیمات عطا فرمائی ہیں جو انسان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتیں۔ چنانچہ آپ کی تعلیمات پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو حکم علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک حکم تو یہ ہے کہ جو صفت تمہارے اندر موجود نہیں ہے وہ ظاہر مت کرو تا کہ اس کی وجہ سے دوسرے کو دھوکہ نہ ہو لیکن دوسری طرف آپ نے دوسری تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ)) (۱)

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بندے کو جو نعمت عطا فرمائی ہے اس نعمت کے آثار اس بندے پر ظاہر ہوں۔ مثلاً ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے کھانا پیتا بنایا ہے اور اس کو مال و دولت عطا فرمائی ہے تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنا رہن سہن ایسا رکھے جس سے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا اظہار ہو۔ مثلاً وہ صاف ستھرے کپڑے پہنے، صاف ستھرے گھر میں رہے۔ اگر وہ شخص اس دولت کی نعمت کے باوجود فقیر اور مسکین بنا پھرتا ہے، مثلاً کچھلا اور پھٹا پرانا لباس پہنا رہتا ہے اور گھر کو گندار کھتا ہے تو ایسی صورت بنانا ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے۔ ارے بھائی! جب اللہ تعالیٰ نے نعمت عطا فرمائی ہے تو اس کے آثار تمہاری زندگی پر ظاہر ہونے چاہئیں۔ تمہاری صورت دیکھ کر کوئی تمہیں فقیر نہ سمجھ لے اور کوئی تمہیں مستحق زکوٰۃ نہ سمجھ کر تمہیں زکوٰۃ نہ دے دے۔ اس لیے جیسے حقیقت میں تم ہو ویسے ہی رہو۔ نہ تو اپنے آپ کو زیادہ ظاہر کرو اور نہ ہی اتنا کم ظاہر کرو جس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہو۔

عالم کے لیے علم کا اظہار کرنا

علم کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے تو اب تواضع کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی چھپ کر ایک کونے میں بیٹھ جائے۔ اس خیال سے کہ اگر میں دوسروں کے سامنے اپنے آپ کو عالم ظاہر کروں گا تو اس کے نتیجے میں لوگ مجھے عالم سمجھیں گے اور یہ تواضع کے خلاف ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے علم کی نعمت عطا فرمائی ہے تو اس نعمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس علم کا اتنا اظہار کرے جس سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچے اور علم کی نعمت کا شکریہ بھی یہی ہے کہ بندوں کی

(۱) سنن الترمذی، کتاب الأدب عن رسول اللہ، باب ماجاء ان اللہ تعالیٰ یحب ان یرى اثر نعمته

علی عبدہ، رقم: ۲۷۴۴، مسند أحمد، رقم: ۷۷۵۹

خدمت میں اس علم کو استعمال کرے۔ وہ علم اللہ تعالیٰ نے اس لیے نہیں دیا کہ تم تکبر کر کے بیٹھ جاؤ، وہ علم اس لیے نہیں دیا کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں پر اپنا رعب جماؤ بلکہ وہ علم اس لیے دیا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کی خدمت کرو۔ لہذا دونوں طرف توازن برقرار رکھتے ہوئے آدمی کو چلنا پڑتا ہے۔ یہ سب دین کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆

☆ اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں ☆

ہمارے معاشرے میں کھانے پینے کی اشیاء کو جس بے دردی سے ضائع کیا جاتا ہے وہ رزق کے بے حرمتی کے علاوہ بھوکوں کے منہ سے نوالہ چھیننے کے مترادف ہے۔

رزق خداوندی کے بارے میں ہماری یہ لاپرواہی صرف کھانے پینے کے اشیاء کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ دوسری اشیاء ضرورت کو ضائع کرنا بھی ہمارا ایک اجتماعی روگ بن چکا ہے اور اس کی وجہ سے بھی ہم طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے وضو کرتے وقت پانی احتیاط کے ساتھ خرچ کرنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا:

”پانی کی فضول خرچی کرنے سے بچو، خواہ تم کسی بہتے ہوئے دریا کے پاس کھڑے ہو“ (۱)

ظاہر ہے کہ جو شخص کسی بہتے ہوئے دریا سے وضو کر رہا ہو اسے پانی کی کمی کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا لیکن آنحضرت ﷺ نے اسے بھی پانی احتیاط کے ساتھ استعمال کرنے کی تاکید فرمائی اس لیے کہ اول تو جب ایک شخص کو پانی فضول بہانے کی عادت پڑ جاتی ہے تو وہ پانی کی کمی کے مواقع پر بھی اس فضول خرچی سے باز نہیں رہ سکتا۔ دوسرے جب کسی قوم کا مزاج یہ بن جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بے دریغ بلا ضرورت استعمال کرے تو ایسی قوم کے لیے بہتے ہوئے دریا بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

ہمارے ملک کو اللہ تعالیٰ نے جو قدرتی وسائل عطا فرمائے ہیں وہ دنیا کے دوسرے بہت سے ملکوں کے مقابلے میں قابل رشک ہیں لیکن ہم نے اپنی لاپرواہی، فضول خرچی، خود غرضی اور بددیانتی کی وجہ سے انہیں اپنے لیے اس طرح ناکافی بنایا ہوا ہے کہ دوسروں کے سامنے ہماری بھیک کا پیالہ ہر وقت پھیلا رہتا ہے۔

آج ہمارا ملک بجلی کی قلت کی وجہ سے شدید مسائل سے دوچار ہے۔ ملک کا بیشتر حصہ لوڈ شیڈنگ کی زد میں ہے۔ روزانہ کئی کئی گھنٹے بجلی غائب رہتی ہے اور اس کی وجہ سے لوگ سخت مشکلات سے

☆ ذکر و فکر ص: ۸۲ تا ۷۷

(۱) سنن ابن ماجہ، رقم: ۴۶۰ (۵۶/۲)، مسند أحمد، رقم: ۷۶۳، شعب الإیمان، رقم: ۲۷۸۸

دو چار ہوتے ہیں۔ پنجاب کے متعلقہ حکام نے اعلان کیا ہے کہ اس سال گرمی کے موسم میں پچھلے تمام سالوں سے زیادہ لوڈ شیڈنگ کرنی پڑے گی اور جوں جوں گرمی میں اضافہ ہوگا اسی نسبت سے لوڈ شیڈنگ کا دورانیہ بھی بڑھتا چلا جائے گا۔

ہمارے ملک میں پڑنے والی شدید گرمی کے عالم میں بجلی کا میسر ہونا گرمی کی تکلیف کو دس گنا بڑھا دینے کے مترادف ہے لیکن بات صرف اس تکلیف کی نہیں، بعض مرتبہ بجلی بعض انسانوں کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتی ہے، نہ جانے کتنے مریض ہیں جو بجلی کی نایابی کی وجہ سے مناسب علاج کی سہولت سے محروم رہتے ہیں اور ظاہری اسباب کے لحاظ سے اسی وجہ سے جان دے دیتے ہیں۔

ایک طرف بجلی کی قلت کا تو یہ عالم ہے اور دوسری طرف جب کہیں بجلی میسر ہو تو وہاں اس کے بے محابا اور بے دریغ استعمال کا حال یہ ہے کہ اس میں کہیں کمی نظر نہیں آتی۔ خالی کمروں میں بلب روشن ہیں، پنکھے چل رہے ہیں اور بسا اوقات ایئر کنڈیشنر بھی پوری قوت کے ساتھ برسر کار ہیں۔ دن کے وقت بلا ضرورت پردے ڈال کر سورج کی روشنی کو داخلے سے روک دیا گیا ہے اور بجلی کی روشنی میں کام ہو رہا ہے۔ معمولی معمولی بات پر گھروں اور دیواروں پر چراغاں کا شوق پورا کیا جا رہا ہے۔ جہاں لوگ بجلی کو ترس ترس کر مر رہے ہیں وہاں رات کے وقت ہاکی اور فٹ بال کھیلنے کے لیے میدانوں میں انتہائی طاقت کی سرچ لائٹیں روشن ہیں اور بعض میدان تو کھیل کے بغیر بھی ان کی روشنی سے بقیعہ نور بنے ہوئے ہیں اور سڑکوں پر روشن اشتہارات (نیون سائنز) روشنی کی کسی حد کے پابند نہیں ہیں۔

بالخصوص جن مقامات پر بجلی کا بل خرچ کرنے والے کو خود ادا نہیں کرنا پڑتا وہاں تو بجلی کا استعمال اتنی بے دردی سے ہوتا ہے کہ الامان! سرکاری دفاتروں میں دن کے وقت بسا اوقات بالکل بلا ضرورت لائٹیں روشن ہوتی ہیں اور پنکھے اور ایئر کنڈیشنر اس طرح چل رہے ہوتے ہیں کہ ان کا خرچ بہت آسانی سے کم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض سرکاری ملازمین اور بہت سے نجی کمپنیوں کے ملازمین کو گھروں پر بھی بجلی کے مفت استعمال کی سہولت حاصل ہوتی ہے۔ وہاں تو مال مفت دل بے رحم کی مثال پوری آب و تاب کے ساتھ صادق آتی ہے۔

چند سال پہلے مجھے چین جانے کا اتفاق ہوا۔ چین اس وقت دنیا کی ایک ابھرتی ہوئی طاقت ہے اور رفتہ رفتہ اقتصادی ترقی میں بھی وہ عالمی برادری میں اپنا نمایاں مقام بنا رہی ہے لیکن بیجنگ ایئر پورٹ سے شہر کی طرف جاتے ہوئے سڑکوں پر روشنی کی کمی نمایاں طور پر محسوس ہوئی۔ شروع میں خیال ہوا کہ یہ بیرون شہر کا علاقہ ہے اس لیے معمولی روشنی پر اکتفا کیا گیا ہے لیکن جب گاڑی شہر میں داخل ہوئی تو وہاں کا منظر بھی کچھ مختلف نظر نہ آیا، سوچا کہ یہ بھی شہر کا کوئی پسماندہ علاقہ ہوگا لیکن جب ہم شہر کے اس حصے میں پہنچے جسے بیجنگ کا دل کہنا چاہیے تو بھی روشنیوں کا معیار دیکھ کر بڑی حیرت

ہوئی۔ حد تو یہ ہے کہ چانگ بن اسٹریٹ جو دنیا کی سب سے کشادہ شاہراہ سمجھی جاتی ہے اس کے دونوں طرف بھی بہت معمولی لائیں لگی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد میں ایک ہفتے سے زیادہ چین میں رہا اور اس کے مختلف صوبوں اور شہروں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ہر جگہ صورت حال یہی نظر آئی۔ اشتہارات اور نیون سائن تو خیر سرمایہ دار ملکوں کی خصوصیت ہیں کسی اشتراکی ملک میں ان کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی لیکن پورے ملک میں مجھے کوئی بھی آرائشی روشنی دکھائی نہیں دی۔

ہم چونکہ کراچی کی جگمگ کرتی ہوئی روشنیوں کے عادی تھے اس لیے رات کے وقت پورا ملک اندھیرا اندھیرا معلوم ہوتا تھا۔ ہم نے اپنے میزبانوں سے اپنے اس تاثر کا ذکر کیا تو انہوں نے بڑا معقول جواب دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارا ملک بہت بڑا ہے اور آبادی کے لحاظ سے ہمارے یہاں بجلی کی قلت ہے۔ لہذا ہم اس قدر بجلی استعمال کرتے ہیں جتنی ہمارے ضروری کاموں کے لیے ناگزیر ہے۔ جب تک ہمارے ملک میں بجلی کی پیداوار وافر مقدار تک نہ پہنچ جائے ہم آرائشی روشنیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

یہ جواب ایک ایسے ملک کے باشندوں کا تھا جو ہم سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے اور جس کے پاس سرکارِ دو عالم ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی بھی موجود نہیں ہے: ”پانی کی فضول خرچی کرنے سے بچو، چاہے تم کسی بہتے ہوئے دریا کے پاس کھڑے ہو“ (۱) لیکن اس ارشادِ نبوی ﷺ کی روشنی سے مالا مال ہونے کے باوجود ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں لوڈ شیڈنگ بھی گوارا ہے، اپنے دیہات کو بجلی سے بالکل محروم رکھنا بھی منظور ہے، سسکتے ہوئے مریضوں کو مناسب تشخیص اور علاج کے لیے ترسانا بھی قبول ہے، لیکن نہ ہم چراغاں اور دوسری آرائشی روشنیوں سے دستبردار ہو سکتے ہیں اور نہ بجلی کے عام استعمال میں کفایت اور بچت کا لحاظ رکھ سکتے ہیں۔ ہماری خود غرضی اور قدرتی وسائل کے ساتھ بے رحمی تو اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ میں نے کئی گھروں میں یہ دیکھا کہ باورچی خانے میں گیس کے چولہے چوبیس گھنٹے مسلسل جلتے رہتے ہیں اور ایک لمحہ کے لیے بھی بند نہیں ہوتے۔ شروع میں میں نے اسے گھر والوں کی بے پروائی پر محمول کیا لیکن جب ذرا اہمیت کے ساتھ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ چولہے اس لیے بند نہیں کیے جاتے کہ انہیں دوبارہ روشن کرنے کے لیے ماچس کی ایک تیلی خرچ نہ کرنی پڑے۔ چونکہ گیس کا بل ہر چولہے پر یکساں آتا تھا خواہ گیس کم خرچ ہوئی ہو یا زیادہ اس لیے اس کے مسلسل استعمال سے چولہے کے مالک کا ایک پیسہ بھی زیادہ خرچ نہیں ہوتا تھا لیکن اگر چولہے کو بند کر کے ضرورت کے وقت دوبارہ جلایا جائے تو اس پر

(۱) حسن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ و سننہا، باب ما جاء فی القصد فی الوضوء، رقم: ۴۱۹ مسند

ماچس کی ایک تیلی خرچ ہو جاتی تھی۔

جب میں نے پہلی بار چولہوں کے مسلسل جلنے کی یہ وجہ سنی تو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا لیکن جب کئی گھرانوں میں یہ منظر آنکھوں سے دیکھا اور بعض حضرات نے بے جھجک اس صورت حال کی یہ وجہ بیان بھی کی تو اندازہ ہوا کہ ہماری خود غرضی کتنی پستی تک پہنچ چکی ہے اور اپنی ماچس کی ایک تیلی بچانے کے لیے پوری قوم کی دولت کو کس طرح لٹایا جا رہا ہے۔

جن حضرات کو کسی وجہ سے بجلی، گیس یا دوسرے وسائل مفت میسر آتے ہیں اور ان کے فضول استعمال سے ان کی جیب پر کوئی بار نہیں پڑتا وہ صرف اتنا دیکھتے ہیں کہ فوری طور پر ان کا کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا لیکن اتنی گہرائی میں جانے کی فرصت کسے ہے کہ آخر وہ اسی ملک کے باشندے ہیں جس میں وسائل کی قلت کا رونا رویا جا رہا ہے اور بالآخر اس فضول خرچی کا نقصان دوسروں کے ساتھ انہیں بھی اٹھانا پڑے گا۔

بجلی اور گیس کا ذکر تو مثال کے طور پر آ گیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کے ساتھ ہماری ناقدری، بے دردی اور خود غرضی کا یہی عالم ہے۔ پیداوار میں اضافے کی کوششیں اپنی جگہ ہیں اور یہ کوششیں ضرور جاری رہنی چاہئیں لیکن ان کوششوں کی صحیح منصوبہ بندی حکومت کا کام ہے اور اگر اسے سیاسی جھمیلوں سے فرصت ملے تو وہی یہ کام ٹھیک ٹھیک انجام دے سکتی ہے۔ یہ کام ایک ایک شخص کی انفرادی طاقت سے باہر ہے لیکن ہر شخص کے اپنے بس میں یہ ضرور ہے کہ وہ حاصل شدہ وسائل کو ٹھیک ٹھیک خرچ کرنے کا اہتمام کرے اور اپنے خرچ پر قابو پا کر قومی دولت کے ضیاع سے پرہیز کرے۔

بجلی ہی کے معاملے کو لے لیجئے۔ میرے بس میں براہ راست یہ نہیں ہے کہ میں ملک میں بجلی کی پیداوار میں اضافہ کر دوں لیکن یہ ضرور میرے بس میں ہے کہ جہاں ایک بلب سے کام چل سکتا ہے وہاں میں دو بلب نہ چلاؤں، جہاں سورج کی روشنی میسر ہو وہاں کوئی بلب روشن نہ کروں۔ جہاں ایک پنکھا کارآمد ہو سکتا ہے وہاں دو پنکھے نہ چلاؤں۔ جہاں ایئر کنڈیشنر کے بغیر گزارا ہو سکتا ہے وہاں ایئر کنڈیشنر استعمال نہ کروں۔ جس کسی کمرے میں بلاوجہ روشنی، پنکھا یا بجلی کا کوئی اور آلہ چلتا ہوا دیکھوں اُسے بند کر دوں۔ جہاں چند روشنیوں سے ضرورت پوری ہو جاتی ہو وہاں دیواروں اور گھروں پر چھ اغان نہ کروں۔ کیا بعید ہے کہ اس طرح جس بجلی کا خرچ میں بچا رہا ہوں وہ کسی ضرورت مند کے کام آ جائے، اس سے کسی مریض کو راحت مل جائے یا کسی غریب کے ظلمت کدے میں اُجالا ہو جائے۔

اگر ہم میں سے ہر فرد اپنے دائرے میں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کر لے کہ بہتے ہوئے دریا کے پاس بھی پانی کے فضول خرچ سے بچو تو نہ جانے کتنے انسانوں کے دکھ دور ہو جائیں۔

اپنی خبر لیجئے ☆

زمانہ بڑا خراب ہے، امانت اور دیانت لوگوں کے دل سے اُٹھ چکی ہے۔ رشوت کا بازار گرم ہے۔ دفتروں میں پیسے یا سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ ہر شخص زیادہ سے زیادہ بٹورنے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ شرافت اور اخلاق کا جنازہ نکل گیا ہے۔ بے دینی کا سیلاب چاروں طرف اُڈ رہا ہے۔ لوگ خدا اور آخرت سے غافل ہو بیٹھے ہیں۔

اس قسم کے جملے ہیں جو ہم دن رات کسی نہ کسی اسلوب سے کہتے یا سنتے رہتے ہیں۔ ہماری کوئی محفل شاید ہی حالات کی خرابی کے اس شکوے سے خالی ہوتی ہو اور یہ شکوہ کچھ غلط بھی نہیں۔ واقعتاً زندگی کے جس شعبے کی طرف نظر ڈالیے، ایک نمایاں انحطاط دکھائی دیتا ہے اور معاشرتی خرابیاں ہمیں گھن کی طرح چاٹ رہی ہیں۔

دوسری طرف اصلاح معاشرہ کی کوششوں کا جائزہ لیجئے تو بظاہر ان میں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ نہ جانے کتنے ادارے، کتنی جماعتیں، کتنی انجمنیں اسی معاشرے کی اصلاح کے لیے قائم ہیں اور اپنے اپنے دائرے میں اپنی اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ کر رہی ہیں۔ شاید ملک کا کوئی قابل ذکر حصہ اس قسم کی کوششوں سے خالی ہو اور ان میں سے بعض کوششوں کا محدود سا اثر کہیں کہیں نظر بھی آ جاتا ہے، لیکن اگر بحیثیت مجموعی پورے معاشرے کو دیکھا جائے تو بظاہر یہ ساری کوششیں رایگاں محسوس ہوتی ہیں اور معاشرے کی مجموعی فضا پر نہ صرف یہ کہ ان کا کوئی نمایاں اثر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اُفق پر اُمید کی کوئی کرن بھی نظر نہیں آتی۔

اس صورتِ حال کے یوں تو بہت سے اسباب ہیں اور یہ اسباب اب اتنے اُلجھ گئے ہیں کہ اس اُلجھی ہوئی ڈور کا سرا پکڑنا بھی آسان نہیں رہا لیکن اس وقت میں صرف ایک اہم سبب کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جس کی طرف بسا اوقات ہمارا دھیان نہیں جاتا۔

وہ سبب یہ ہے کہ ہمارا اجتماعی مزاج کچھ ایسا بن گیا ہے کہ ہمیں دوسروں پر تنقید کرنے، ان کے عیوب تلاش کرنے اور ان کی برائیوں پر تبصرہ کرنے میں جو لطف آتا ہے وہ کسی حقیقی اصلاحی عمل میں

نہیں آتا۔ حالات کی خرابی کا شکوہ ہمارے لیے وقت گزاری کا ایک مشغلہ ہے جس کے نت نئے اسلوب ہم ایجاد کرتے رہتے ہیں لیکن ان خرابیوں کی اصلاح کے لیے کوئی بامعنی قدم اٹھانے کو تیار نہیں ہوتے اور اگر اصلاح احوال کے لیے کوئی جھنڈا بلند کرتے بھی ہیں تو ہماری خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ اصلاح کے عمل کا آغاز کسی دوسرے سے ہو۔ ہماری اصلاحی جدوجہد اس ذہنی مفروضے کی بنیاد پر آگے بڑھتی ہے کہ ہمارے سوا ساری دنیا کے لوگ خراب ہو گئے ہیں اور ان کے اعمال و اخلاق کو درست کرنے کا ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ سوچتے اور کرتے ہوئے یہ خیال بہت کم لوگوں کو آتا ہے کہ کچھ خرابیاں خود ہمارے اندر بھی ہو سکتی ہیں اور ہمیں سب سے پہلے ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ چنانچہ جو اصلاحی تحریک اپنے آپ سے بے خبر ہو کر صرف دوسروں کو اپنا ہدف بناتی ہے اس میں دوسروں کے لیے کوئی کشش اور تاثیر نہیں ہوتی اور وہ محض ایک رسمی کارروائی ہو کر رہ جاتی ہے۔

معاشرے کے حالات اور لوگوں کے طرز عمل پر تنقید کا سب سے خطرناک اور نقصان دہ پہلو یہ ہے کہ بعض اوقات معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کو خود اپنی غلط کاری کے لیے وجہ جواز بنا لیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ فقرہ بکثرت سننے میں آتا رہتا ہے کہ یہ کام ٹھیک تو نہیں ہے لیکن زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنے زمانے اور زمانے کی ساری برائیوں کا تذکرہ تو اس انداز کرتے ہیں جیسے ہم ان تمام برائیوں سے معصوم اور محفوظ ہیں لیکن اس تذکرے کے بعد جب عملی زندگی میں پہنچتے ہیں تو ان کاموں کا بے لگان ارتکاب کرتے جاتے ہیں، جن کی برائی بیان کرتے ہوئے ہم نے اپنا سارا زور بیان خراج کیا تھا۔

اگر ہماری آنکھوں کے سامنے ایک ہولناک آگ بھڑک رہی ہو اور ہم یقین سے جانتے ہوں کہ اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی تو یہ پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی تو کیا پھر بھی ہمارا طرز عمل یہ ہوگا کہ ہم اطمینان سے بیٹھ کر اظہار افسوس کرتے رہیں اور ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش نہ کریں؟ ایسے موقع پر بے وقوف سے بے وقوف شخص بھی آگ کی تفصیلات کو نمک مرچ لگا کر بیان کرنے سے پہلے اُسے بجھانے کے لیے فائر بریگیڈ کو فون کرے گا اور خود بھی اسے بجھانے کا جو طریقہ ممکن ہو اختیار کرے گا اور اگر آگ بجھتی نظر نہ آئے تو کم از کم تو وہاں سے بھاگ ہی کھڑا ہوگا لیکن یہ کام کوئی بدترین دیوانہ ہی کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے بجائے وہ آگ کا قصہ لوگوں کو سنا کر خود اسی آگ میں چھلانگ لگا دے۔

لیکن معاشرتی برائیوں کی جس آگ کا تذکرہ ہم دن رات کرتے ہیں عجیب بات ہے کہ اس کے بارے میں ہمارا طرز عمل یہی ہے کہ یہ تذکرہ کرنے کے بعد ہم خود بھی اسی میں کود جاتے ہیں۔ ہم دن رات رشوت خوروں کو صلواتیں سناتے ہیں لیکن اگر کبھی وقت پڑ جائے تو خود رشوت لینے یا دینے

میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جھوٹ، خیانت اور حرام خوری کی مذمت ہمارے ور د زبان رہتی ہے لیکن اگر کبھی داؤ چل جائے تو خود ان برائیوں سے نہیں چوکتے اور اگر کبھی اس پر اعتراض ہو تو نکسالی جواب یہ ہے کہ سارا معاشرہ جس ڈھپ پر چل رہا ہے ہم اس سے کٹ کر کس طرح رہ سکتے ہیں؟ کیا اس طرز عمل کی مثال بالکل ایسی نہیں ہے کہ کوئی شخص بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھ کر خود اس میں چھانگ لگا دے؟ جب معاشرے میں برائیوں اور گمراہیوں کا چلن عام ہو جائے تو ایسے موقع کے لیے قرآن کریم نے ایک بڑی اصولی ہدایت عطا فرمائی ہے جس سے غفلت کے نتیجے میں ہم موجودہ حالات سے دوچار ہیں۔ وہ ہدایت قرآن کریم ہی کے الفاظ میں یہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ (۱)
 ”اے ایمان والو! خود اپنی خبر لو، اگر تم ہدایت کے راستے پر ہو تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے“

اس آیت کریمہ نے یہ زریں حقیقت ارشاد فرمائی ہے کہ دوسروں کی بد عملی تمہاری بد عملی کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتی، نہ صرف اس کا تذکرہ کر دینے سے کوئی مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اپنی خبر لو اور کم از کم اپنی ذات کی حد تک بد اعمالیوں سے پرہیز کرو اور اپنا سارا زور خود اپنے آپ کو درست کرنے میں خرچ کر دو۔ جن برائیوں سے فوراً بچ سکتے ہو ان سے فوراً بچ جاؤ۔ جن سے بچنے کے لیے کسی کوشش اور محنت کی ضرورت ہے ان کے لیے کوشش شروع کر دو اگر کوئی دوسرا شخص رشوت لے رہا ہے تو کم از کم تم رشوت کے گناہ سے بچ جاؤ، اگر کوئی دوسرا خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے تو کم از کم خود خیانت سے اجتناب کرو۔ اگر کوئی دوسرا جھوٹ بول رہا ہے تو کم از کم خود تم سچائی کو اپنا شعار بنا لو۔ اگر کوئی دوسرا حرام خوری میں مبتلا ہے تو کم از کم تم یہ طے کر لو کہ حرام کا کوئی لقمہ میرے پیٹ میں نہیں جائے گا۔

یہی ہدایت ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں دی ہے:

((إِذَا رَأَيْتَ شُعْطًا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَدُنْيَا مُؤْتَرَةً وَاعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعْ عَنْكَ أَمْرَ الْعَامَّةِ)) (۲)

(۱) المائدة: ۱۰۵

(۲) سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ، باب ومن سورة المائدة، رقم: ۲۹۸۴،

سنن أبی داؤد، کتاب الملاحم، باب الأمر والنہی، رقم: ۳۷۷۸، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن،

باب قوله تعالى يا أيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم، رقم: ۴۰۰۴

”جب تم دیکھو کہ لوگ جذبہ بخل کی اطاعت کر رہے ہیں اور خواہشات نفسانی کے پیچھے دوڑ رہے ہیں دنیا کو ہر معاملے میں ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہے تو ایسے میں خاص طور پر اپنی اصلاح کی فکر کرو اور عام لوگوں کے معاملے کو چھوڑ دو“

مطلب یہ ہے کہ ایسے موقع پر عام لوگوں کی برائی کرتے رہنا مسئلے کا کوئی حال نہیں، مسئلے کا حل یہ ہے کہ ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر کرے اور اپنے آپ کو ان پھیلی ہوئی برائیوں سے بچانے کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دے۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ قَالَ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلُكُهُمْ)) (۱)

”جو شخص یہ کہتا پھرے کہ لوگ برباد ہو گئے تو درحقیقت اُن سب سے زیادہ برباد خود وہ شخص ہے“

یعنی جو شخص ہر وقت دوسروں کی برائیوں کا راگ الاپتا رہتا ہو اور خود اپنے عیوب کی پروا نہ کرے وہ سب سے زیادہ تباہ حال ہے۔ اس کے بجائے اگر وہ اپنی اصلاح کی فکر کر لے اور اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لے کر اپنی برائیاں دور کر لے تو کم از کم معاشرے سے ایک فرد کی برائی ختم ہو جائے گی اور تجربہ یہ ہے کہ معاشرے میں ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے اور ایک فرد کی اصلاح کسی دوسرے کی اصلاح کا بھی ذریعہ بن جاتی ہے۔ معاشرے درحقیقت افراد ہی کے مجموعے سے عبارت ہے اور اگر افراد میں اپنی اصلاح کی فکر عام ہو جائے تو دھیرے دھیرے پورا معاشرہ بھی سنور سکتا ہے۔

لہذا مسئلے کا حل یہ نہیں ہے کہ ہم معاشرے اور اس کی برائیوں کو ہر وقت کوستے ہی رہیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات لوگوں میں مایوسی پھیلتی ہے اور بد عملی کو فروغ ملتا ہے۔ اس کے بجائے مسئلے کا حل قرآن و سنت کے مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے حالات کا جائزہ لے اور اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کی عادت ڈال کر یہ دیکھے کہ اس کے ذمے اللہ اور اس کے بندوں کے کیا کیا حقوق و فرائض ہیں؟ اور کیا وہ واقعتاً ان حقوق و فرائض کو ٹھیک ٹھیک ادا کر رہا ہے؟ معاشرے کی جن برائیوں کا شکوہ اس کی زبان پر ہے ان میں سے کن کن برائیوں میں وہ خود حصہ دار ہے؟

چونکہ ہم نے کبھی اس نقطہ نظر سے اپنا جائزہ لینے کی کوشش ہی نہیں کی اس لیے یہ اجمالی بہانہ ہم دن رات پیش کرتے رہیں ہیں کہ چار سو پھیلی ہوئی بدعنوانیوں میں ایک اکیلا شخص کیا کر سکتا ہے؟

(۱) صحیح مسلم، باب النہی من قول هلك الناس، رقم: ۱۳۹ (۲۰۲۴/۴)، سنن أبی داود، رقم:

۴۹۸۵ (۳۱۵/۱۴) مسند أحمد، رقم: ۱۰۰۰۶ (۲۶۵/۲)، مؤطا مالک، رقم: ۱۸۱۵

حالانکہ اگر انصاف کے ساتھ اس طرح جائزہ لے کر دیکھیں تو پتہ چلے کہ ان گئے گزرے حالات میں بھی ایک اکیلا شخص بہت کچھ کر سکتا ہے۔ جائزہ لینے سے معلوم ہوگا کہ ہماری بہت سی غلطیاں اور کوتاہیاں ایسی ہیں جن کا ہم فوری طور پر تدارک کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں ہے جو اس تدارک کے راستے میں رکاوٹ بن سکے۔

اور بہت سی غلطیاں ایسی ہیں جن کا اگر فوری تدارک ممکن نہیں ہے تو کم از کم ان کی مقدار اور سنگینی میں فوری طور سے کمی کی جاسکتی ہے اور بہت سی ایسی بھی ہیں جن کی تلافی اور تدارک میں کچھ دشواریاں ہیں لیکن وہ دشواریاں ایسی نہیں ہیں جو حل نہ ہو سکیں۔ ان دشواریوں کو دور کرنے کی راہیں سوچی جاسکتی ہیں۔ آخر اسی گئے گزرے معاشرے میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جو برائیوں کی اس بھڑکی ہوئی آگ میں بھی اپنا دامن بچا کر زندگی گزار رہے ہیں، ایسے لوگ اپنی پاکباز زندگی کی وجہ سے مر نہیں گئے۔ وہ بھی اسی معاشرے میں زندہ ہیں بلکہ اگر حقیقت شناس نگاہ ہو تو بہت اچھی طرح زندہ ہیں۔

لیکن ان ساری باتوں کا احساس اسی وقت جاگ سکتا ہے جب دل میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہو جائے اور اس فکر کے نتیجے میں اپنا جائزہ لینے کی عادت پڑ جائے۔ جس دن ضمیر کی یہ طاقت بیدار ہو گئی اور اس کی آواز سننے کے لیے قلب و ذہن کے درپے کھل گئے اس دن صحیح معنی میں اس حقیقت کا انکشاف ہوگا کہ معاشرے کی خرابی کا جو ہوا ہم نے اپنے سروں پر مسلط کر رکھا تھا اور جس نے ہمیں اپنی صحت کی ہر تدبیر سے روکا ہوا تھا وہ کتنا بے حقیقت اور کتنا بے وزن تھا؟ بیمار کا سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اسے اپنی بیماری کا احساس ہو اور اس بات کا یقین اس کے دل میں پیدا ہو کہ اس کی بیماری ناقابل علاج نہیں ہے اور آج ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ ہم اس احساس اور اس یقین سے مسلح ہو کر اپنی بیماری کا علاج تلاش کرنے کی فکر کریں۔

۷ شوال ۱۴۱۴ھ / ۲۰ مارچ ۱۹۹۴ء

☆☆☆

ہماری روزمرہ زندگی اور اس میں الجھنوں اور پریشانیوں کا حل قرآن و سنت میں پوشیدہ ہے۔ ہم افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اسلام کی بیش بہا تعلیمات کے مطابق کس طرح اعتدال کی راہ اختیار کر سکتے ہیں؟ کس طرح ایک خوشگوار زندگی گزار سکتے ہیں جس میں دین و دنیا کی راحتیں میسر ہوں اور دل کا سکون نصیب ہو؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب ہر مسلمان ڈھونڈ رہا ہے۔ ”اسلام اور ہماری زندگی“ انہی سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے۔

اسلام اور ہماری زندگی

مجموعہ خطبات و تحریرات

جلد ۸

اخلاق سیئہ اور ان کی اصلاح

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

ادارہ اسلامیات

☆ ۱۳ دینا ناتھ مینشن مال روڈ، لاہور ☆ ۱۹۰ انارکلی، لاہور پاکستان ☆ موبن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
فون ۳۷۳۲۲۳۱۲ فیکس ۳۷۳۲۲۳۸۵-۳۷۳۲۲۳۹۱-۳۷۳۲۲۳۵۵ فون ۳۷۳۲۲۳۵۵-۳۷۳۲۲۳۹۱ فون ۳۷۳۲۲۳۵۵

ہماری روزمرہ زندگی اور اس میں اُلجھنوں اور پریشانیوں کا حل قرآن و سنت میں پوشیدہ ہے۔ ہم افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اسلام کی بیش بہا تعلیمات کے مطابق کس طرح اعتدال کی راہ اختیار کر سکتے ہیں؟ کس طرح ایک خوشگوار زندگی گزار سکتے ہیں جس میں دین و دنیا کی راحتیں میسر ہوں اور دل کا سکون نصیب ہو؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب ہر مسلمان ڈھونڈ رہا ہے۔ ”اسلام اور ہماری زندگی“ انہی سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے۔

اسلام اور ہماری زندگی

مجموعہ خطبات و تحریرات

جلد ۹

اخلاق حسنہ اور ان کے فضائل

شیخ الاسلام جنس (مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم)

ادان اسلامیک

☆ ۱۳ دینا ناتھ سیشن ہال روڈ لاہور ☆ ۱۹۰ انارکلی لاہور پاکستان ☆ موبن روڈ چوک روڈ بازار کراچی
فون ۳۴۲۲۲۱۲ فیکس ۳۴۲۲۲۸۵ ۹۲-۳۲۰-۳۴۲۲۲۸۵ فون ۳۴۳۳۳۵۵ ۳۴۲۲۲۹۹۱ فون ۳۴۲۲۲۲۲